شیعہ کے عقائد و نظریات

تلخیص کتاب: (أصول مذهب الشيعة الإثني عشرية)

مؤلف:

پروفیسر ناصر بن عبداللہ القفاری

تیارہ کردہ:

علمی کمیٹی برائے دار العقیدة

دار العقيدة
للنشر والتوزيع

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمہ

الحمد للہ، والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ أجمعین.

أما بعد:

بارہا یہ سوال کیا جاتا ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد کو ان کے اپنے ہی مصادر کی روشنی میں، مخالفین کے تصورات سے ہٹ کر متعارف کرانے کے لیے کون سی کتاب سب سے بہتر ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے متعدد ماہرین، ڈاکٹر ناصر بن عبد اللہ بن علی القفاری حفظہ اللہ کی تصنیف "أصول مذہب الشیعۃ الإمامیۃ الإثنی عشریۃ" کو نمایاں حیثیت دیتے ہیں۔ یہ کتاب تین جلدوں میں طبع ہوئی ہے اور اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اہلِ تخصص نے اہلِ سنت اور اہل تشیع کے مابین اختلافی مسائل کو سمجھنے اور اس پر مکالمہ کرنے کے لیے اس کتاب سے بھرپور استفادہ کیا ہے، اسی لیے ہر اس شخص کے لیے اس کتاب کو غور و فکر کے ساتھ سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے جو اہلِ تشیع کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور جو بھی اس موضوع پر بات چیت کرنا چاہتا ہے، تاکہ اس کی گفتگو علم و بصیرت پر مبنی ہو۔ یہ بات نہایت ہی باعثِ تشویش ہوگی کہ کوئی شخص شیعی عقائد پر گفتگو کرنے کے لیے آگے بڑھے، لیکن

اس نے ان کی کسی کتاب کا مطالعہ نہ کیا ہو اور نہ ہی ان کے اصولوں سے خاطر خواہ واقفیت رکھتا ہو؛ نتیجتاً ایسا شخص خیر خواہی کا جذبہ رکھنے کے باوجود غلطی کا شکار ہو سکتا ہے یا کسی نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔

ہرچند کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت اہم ہے، لیکن مختلف اسلامی ممالک میں شیعی مسائل سے دلچسپی رکھنے والے بعض حضرات اب تک اس سے ناواقف ہیں۔ کچھ حضرات اس کے حصول میں دشواری کی شکایت کرتے ہیں، جبکہ بعض لوگ اس کی ضخامت کی بنا پر اس کا مطالعہ نہیں کر پاتے۔

ان امور کے پیش نظر اس کتاب کو اختصار کے ساتھ، آسان فہم زبان اور چھوٹے سائز میں قارئین کے لیے پیش کرنے کا خیال سامنے آیا کہ جس سے اس کے علمی سرمائے میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے، اور اس کی اصل عبارت، تقسیمات اور حوالہ جات میں بھی خلل واقع نہ ہو۔ چنانچہ اس تلخیص میں اصل کتاب کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے، مفید اضافہ جات کے ساتھ ساتھ بعض جملوں کو نئے اسلوب میں بھی ڈھالا گیا ہے تاکہ اسے خاص طور پر غیر متخصص قارئین کے لیے زیادہ واضح اور عام فہم بنایا جا سکے۔ چنانچہ ایک فاضل متخصص نے اس کا اختصار کیا جو کہ دار العقیدۃ کی علمی کمیٹی کی تمنا کے عین

مطابق تھا ۔ چنانچہ ادارے نےاس کی نظرِ ثانی اور اشاعت کی ذمہ داری اٹھالی۔

یہ مختصر کتاب دراصل « اہلِ سنت » کے لیے ایک دعوت ہے کہ وہ اسے پڑھیں، تاکہ شیعی عقیدہ کو ان کے اپنے مصادر اور اکابر علما کے اقوال کی روشنی میں سمجھ سکیں، اور بنیادی اختلافی نکات سے علم و انصاف کی روشنی میں واقفیت حاصل کرسکیں۔

اسی طرح یہ «شیعہ حضرات» کے لیے بھی ایک دعوت ہے کہ وہ اسے منصفانہ نظر اور حق کی جستجو کرنے والے دل کے ساتھ پڑھیں تاکہ شیعہ پر اہلِ سنت کی جانب سے وارد ہونے والی تنقید اور اس کے اسباب کو دل شکن اور جارحانہ اسلوب کی بجائے علمی زبان اور منہجی اسلوب میں سمجھ سکیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اس عمل کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اس کی تلخیص کرنے والے اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے والے ہر فرد کو بہترین اجر سے نوازے۔اللہ تعالیٰ رحمتیں اور سلامتی نازل فرمائے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، آپ کی آل اور تمام صحابہ کرام پر ۔اول وآخر تمام تعریفیں اللہ تعالی ہی کے لیے ہیں۔

پہلا باب

تاریخ اور اصل بنیادیں

پہلی فصل

شیعہ کی تعریف

⊙ پہلا مبحث: شیعہ کی لغوی تعریف

ابن منظور فرماتے ہیں: «کسی بھی شخص کے پیروکاروں اور مددگاروں پر لفظِ شیعہ کا اطلاق ہوتا ہے ۔ اس کی جمع ''شِیَع'' اور جمعُ الجمع ''أشیاع''ہے۔ لفظِ شیعہ کا اصل معنٰی لوگوں کا ایک گروہ ہے... یہ ''مشایعت'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں : پیروی کرنا اور اطاعت کرنا »۔(۱) جیساکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ﴾ ''اور بے شک اس کے گروہ میں سے یقیناً ابراہیم (بھی) ہے۔'' [الصافات: ۸۳]۔ یعنی بے شک ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام کے پیروکاروں میں سے تھے، ان ہی کے طری قے اور سنت پر قائم تھے۔ (۲)

---

(۱) لسان العرب : مادۃ : (ش ی ع) ۔

(۲) دیکھیے: تفسیر طبری، جلد صفحہ ، تفسیر ابن کثیر، جلد صفحہ ، تفسیر قرطبّی، جلد صفحہ ۔

لیکن شیعہ مکتبِ فکر کے ہاں ہمیں ایسا رجحان بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ وہ قرآنِ مجید میں بعض مقامات پر وارد لفظ ''شیعہ'' کو اپنی مخصوص جماعت پر منطبق کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، وہ کتاب اللہ کی اصل مراد سے ہٹ کر اس کی تاویل کرتے ہیں اور آیاتِ قرآنیہ کے ایسے مفاہیم بیان کرتے ہیں جن کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ جیساکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ﴾ ''اور بے شک اس کے گروہ میں سے یقینا ابراہیم (بھی) ہے۔'' وہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام، علی علیہ السلام کے شیعوں میں سے تھے۔(۱) جبکہ یہ تفسیر قرآن کے سیاق اور اصولِ اسلام کے سراسر خلاف ہے!

◉ دوسرا مبحث: تاریخ اسلامی میں لفظِ ''شیعہ'' کا استعمال:

اسلام کے ابتدائی تاریخی واقعات میں لفظ ''شیعہ'' صرف اپنے لغوی معنٰی، یعنی نصرت ومدد اور پیروی کے معنی میں وارد ہواہے۔ بلکہ خلیفۂ راشد علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ہونے والے فیصلے کی دستاویز میں بھی لفظ ''شیعہ'' اسی معنٰی میں استعمال ہوا ہے جس میں علی رضی اللہ

---

(۱) تفسیر برہان، جلد ۴ صفحہ ۲۰، تفسیر قمی، جلد ۲ صفحہ ۳۲۳، بحار الانوار، جلد ۶۸ صفحات ۱۲۔۱۳۔

عنہ کے پیروکاروں کو بھی شیعہ کہا گیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں کو بھی شیعہ سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور یہ اصطلاح صرف علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں کے ساتھ مخصوص نہیں تھی۔ (۱)

◉ تیسرا مبحث: شیعہ کی اصطلاحی تعریف :

شیعہ کی اصطلاحی تعریف کااس کی تاریخی نشوونما اور عقدی ارتقاء سے گہرا تعلق ہے۔ وقت کے ساتھ ان کے عقائد ونظریات میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں، جس کے نتیجے میں ابتدائی دور کی شیعیت اور بعد کے ادوار کی شیعیت میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ مامقانی— جو اس زمانے میں ان کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے ہیں— اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ جو امور پہلے زمانے کے شیعہ کے نزدیک غلو شمار ہوتے تھے وہ آج کے دور میں مذہب کی بنیادی ضروریات میں شامل ہوچکے ہیں۔(۲) چنانچہ شروع شروع میں "شیعہ" صرف اسی شخص کو کہا جاتا تھا جو علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر فوقیت دیتا تھا۔ اس دور میں "شیعہ" اور "عثمانی" دو ہی اصطلاحیں رائج تھیں، چنانچہ شیعی اسے کہا جاتا جو علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ

---

(۱) الأخبار الطوال از الدینوری، صفحہ ۱۹۴–۱۹۶، تاریخ طبری، جلد ۵ صفحہ ۵۳–۵۴۔

(۲) آئندہ سطور میں اس کی صراحت آئے گی۔

عنہ پر مقدم سمجھتا تھا، اور عثمانی اسے کہاجاتا تھا جو عثمان رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ پر مقدم سمجھتا تھا۔

چنانچہ صدرِ اول کے اعتبار سے شیعہ کی تعریف یہ بنتی ہے : وہ لوگ جو صرف علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے تھے۔ اگرچہ انہیں ''شیعہ'' کہاجاتا تھا تاہم وہ اہلِ سنت ہی تھےکیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا مسئلہ ان بنیادی عقائد میں سے نہ تھا جن میں اختلاف کرنے والے کو گمراہ قرار دیا جاتا۔ اسی لیے بہت سے محدثین اور جلیل القدر علما پر ''شیعہ'' کا اطلاق کیا گیا حالانکہ وہ اکابرین اہلِ سنت میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سلف صالحین کے زمانے میں تشیع کا مفہوم بعد کے ادوار کے تشیع سے بہت مختلف تھا۔

اسی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سلف صالحین کے زمانے میں اور ان کی اصطلاح میں غالی شیعہ وہ تھا جو عثمان، طلحہ، زبیر اور معاویہ رضی اللہ عنہم أجمعین کے بارے میں اور ایسے بعض افراد کے بارے میں نامناسب کلام کرتا تھا جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی اور ان پر سبّ و شتم کرتا تھا۔ جبکہ ہمارے زمانے اور حالیہ عرف میں غالی شیعہ وہ ہے جو ان بزرگ ہستیوں کی تکفیر کرتا ہے اور شیخین سے براءت کا

اظہار کرتا ہے تو ایسا شخص گمراہ اور بہتان باز ہے۔" [۱] اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح شیعہ کے اندر مختلف فرقے اور گروہ پائے جاتے ہیں، اسی طرح تشیع کے بھی مختلف درجے، ادوار اور مراحل ہیں۔

(۱) میزان الاعتدال، جلد ا صفحہ ۵۔

دوسری فصل

شیعیت کی ابتدا اور اس کا تاریخی پسِ منظر

◉ پہلا مبحث: تشیع کے آغاز سے متعلق شیعہ کا نقطۂ نظر

اس مسئلے میں شیعہ کے ہاں کوئی متفقہ رائےتو نہیں ہے تاہم تشیع کی ابتدا کے بارے میں ان کے ہاں دو بنیادی آرا پائی جاتی ہیں۔ ہم ہر رائے کا الگ الگ جائزہ لیتے ہوئے ہر ایک کا علمی و تنقیدی تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

پہلی رائے:

تشیع بعثتِ نبوی ﷺ سے بھی قبل نہایت قدیم وقت سے چلی آرہی ہے،کوئی ایسا نبی نہیں گزرا جس پر علی کی ولایت کا عقیدہ نہ پیش کیا گیا ہو... اس دعوے کے اثبات کے لیے شیعہ حضرات کثرت سے روایات نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کتاب الکافی میں ابو الحسن سے ایک روایت مروی ہے' وہ کہتے ہیں: ''علی علیہ السلام کی ولایت تمام انبیاء کے صحیفوں میں لکھی ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو نبوتِ محمد ﷺ اور وصیتِ علی علیہ السلام کے ساتھ ہی

مبعوث فرمایا۔'' (۱) اسی طرح ابو عبد اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''ہماری ولایت دراصل اللہ کی ولایت ہے، اور کبھی کوئی نبی اس کے بغیر مبعوث نہیں کیا گیا۔'' (۲)

اس رائے کا تنقیدی جائزہ:

انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اللہ کی توحید کی طرف تھی، نہ کہ علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ کی ولایت کی طرف۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ ''تجھ سے پہلے جو بھی رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔'' (الأنبياء: ۲۵)۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ ''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔'' (النحل: ۳۶) معلوم ہوا کہ تمام انبیاء و رسل اپنی اپنی قوموں کو صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے۔

---

(۱) اصول الکافی، جلد ۱ صفحہ ۴۳۷۔

(۲) مستدرک الوسائل، جلد ۲ صفحہ ۱۹۵،المعالم الزلفی، صفحہ ۳۰۳۔

دوسری رائے:

رسول اللہ ﷺ نے خود تشیع کی بنیاد رکھی تھی اور یہ جماعت آپ ﷺ کے عہدِ مبارک ہی میں وجود میں آ گئی تھی۔ نیز بعض صحابۂ کرام آپ ﷺ کے زمانے ہی میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص وابستگی رکھتے تھے اور ان کی ولایت کے قائل ہو چکے تھے۔ چنانچہ قمی لکھتے ہیں: «سب سے پہلی جماعت شیعہ ہی تھی، اور وہ علی بن ابی طالب کا گروہ تھا جنہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی "شیعۂ علی" کہا جاتا تھا۔ وہ علی کی طرف اپنی نسبت کی وجہ سے ممتاز تھے اور ان کی امامت کے قائل تھے۔ ان میں مقداد بن اسود کندی، سلمان فارسی، ابوذر جندب بن جنادہ غفاری اور عمار بن یاسر مذحجی شامل تھے... یہی لوگ اس امت میں سب سے پہلے "تشیع" کے نام سے موسوم ہوئے۔»(۱) اسی موقف کی تائیدُ نوبختی(۲) اور محمد جواد مغنیہ(۳) وغیرہ نے بھی کی ہے۔

---

(۱) المقالات والفرق، صفحہ ۱۵۔

(۲) فرق الشیعہ، صفحہ ۱۷۔

(۳) ثنا عشریہ واہل البیت، صفحہ ۲۹۔

- **اس رائے کا تنقیدی جائزہ:**

۱. ممکن ہے کہ اس نظریئے کے درپردہ یہ بات کارفرما ہو کہ بعض مسلم محققین نے تشیع کی ابتدا کو غیر اسلامی اور اجنبی اصولوں سے جوڑا ہے۔ جس کے ردِّعمل میں شیعہ حضرات نے تشیع کو شرعی حیثیت دینے کی کوشش کی۔

۲. یہ دعویٰ کتاب و سنت سے ثابت نہیں اور نہ ہی اس کوئی اس کی مستند تاریخی حیثیت ہے۔ بلکہ یہ رائے اسلامی اصولوں سے کوسوں دور اور ثابت شدہ حقائق کے بالکل منافی ہے۔ دینِ اسلام تو امت کو کلمۂ توحید پر یکجا کرنے کے لیے آیا تھا نہ کہ گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم کرنے کے لیے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ ''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔'' (آلِ عمران: ۱۹) نہ کہ تشیع یا کوئی اور انتساب۔

خود بعض اکابرینِ شیعہ نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ مجتہد شیعی عالم آیت اللہ محمد حسین آل کاشف الغطا لکھتے ہیں : «... ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں شیعہ اور تشیع کے ظہور کی کوئی گنجائش نہ تھی کیونکہ اسلام اس وقت اپنے معتدل اور مستقیم مناہج پر گامزن تھا...۔»[۱] اسی طرح ان

(۱) اصل الشیعہ، صفحہ ۴۸۔

کے ایک دوسرے عالم محمد حسین عاملی نے بھی اقرار کیا اور کہا: « ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہونے کے بعد لفظ ''شیعہ'' کا استعمال ناپید ہوگیا، اور تیسرے خلیفہ کے عہد کے اختتام تک مسلمان ایک ہی جماعت کی صورت میں متحد رہے۔» (۱)

ہم کہتے ہیں کہ اس لفظ کا نام و نشان اسی لیے ختم ہوا کہ اس کی سرے سے بنیاد ہی نہ تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے محو ہوگیا اور دوبارہ ظاہر کیوں نہ ہوسکا، حالانکہ تمہارے بقول یہ حکومت تمہارے نظریئے کے خلاف تھی؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسلمان فرقوں میں بٹے رہے اور خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں ایک جماعت بن گئے ؟

۳. جہاں تک ان کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ عمار، ابوذر، مقداد اور سلمان کے ذریعے شیعیت وجود میں آئی تھی تو کیا ان حضرات سے شیعی عقائد میں سے کسی عقیدے کا ثبوت ملتا ہے؟ کیا انہوں نے نصِّ امامت کا دعویٰ کیا؟ کیا انہوں نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کیا؟ کیا انہوں نے ان سے براءت کا اظہار کیا؟ یا ان سے اظہارِ ناپسندیدگی یا ان پر سبّ

---

(۱) الشیعہ فی التاریخ، صفحات ۳۹-۴۰۔

و شتم کیا...؟ ہرگز نہیں۔ایسا کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔شیعی زیدی عالم ابن مرتضیٰ خود لکھتے ہیں : اگر کوئی یہ گمان کرے کہ عمار، ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود اور سلمان فارسی شیعہ کے سلف ہیں کیوں کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے قائل تھے، تو یہ دعویٰ اس حقیقت سے باطل ہو جاتا ہے کہ ان حضرات نے نہ کبھی شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے براءت کا اظہار کیا اور نہ ان پر سبّ و طعن کیا۔ بلکہ عمار تو عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کوفہ کے[1]، اور سلمان فارسی مدائن کے گورنر رہے ۔ [2] [3]

---

(۱) دیکھیے: اسد الغابہ، جلد ۴ صفحہ ۶۴، الاصابہ، جلد ۲، صفحہ ۵۰۶۔ الاستیعاب، جلد ۲ صفحہ ۴۷۳۔

(۲) طبقات ابن سعد، جلد ۴ صفحہ ۸۷۔

(۳) المنیۃ والامل، صفحہ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔

◉ دوسرا مبحث: تشیع کی ابتدا سے متعلق درست موقف:

۱- شیعیت بحیثیت فکر وعقیدہ اچانک ظہور پذیر نہیں ہوئی،بلکہ وقت کے ساتھ بتدریج پروان چڑھی اور مختلف مراحل سے گزری ہے۔

۲- تشیع کی بیج سب سے پہلے عبد اللہ بن سبأ یہودی[۱] نے بویا۔ بالاتفاق تمام قدیم سنی اور شیعہ نے ابن سباکے وجود کو مانااور اس کی حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ شیعی عالم سعد بن عبد اللہ قمی (متوفی ۳۰۱ھ) جو شیخ الطائفہ کے لقب سے معروف ہیں، ابن سبأ کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔ وہ اس کے بعض

---

(۱) عبد اللہ بن سبأ سبئیہ فرقے کا سربراہ تھا۔ اس کے پیروکار علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل تھے، ان کے واپس لوٹنے کا عقیدہ رکھتے تھے اور صحابۂ کرام پر طعن کرتے تھے... وہ اصل میں یمن کا رہنے والا اور یہودی تھاجس نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ اپنی فتنہ انگیزی پھیلانے کے لیے وہ حجاز، پھر بصرہ اور کوفہ گیا۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دمشق بھی پہنچا لیکن وہاں کے لوگوں نے اسے نکال دیا۔ اس کے بعد وہ مصر چلا گیا اور وہاں اپنی بدعت کا اعلانیہ اظہار کرنے لگا۔ابنِ حجر فرماتے ہیں : "عبد اللہ بن سبا سخت بے دین لوگوں میں سے تھاجو خود بھی گمراہ تھا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا تھا، اور غالب گمان یہی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اسے آگ میں جلا دیا تھا۔" اس کے فتنے اور انحراف کا ذکر اِدیان وفرق، رجال اور تاریخ کی کتابوں میں کثرت سے ملتا ہے، خواہ وہ اہلِ سنت کی ہوں یا شیعہ کی۔

ساتھیوں کے نام بھی ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اس کے ساتھ ساز باز کی اور اس کے گروہ کو "سبئیہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہی وہ اولین جماعت تھی جس نے اسلام میں غلو کی بنیاد رکھی۔اس کے مطابق عبد اللہ بن سبأ وہ پہلا شخص تھا جس نے ابو بکر، عمر، عثمان اور دیگر صحابۂ کرام پر علانیہ طعن وتشنیع کی اور ان سے براءت کا اظہار کیا۔ اور اس نے یہ دعوی گھڑا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ہی اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے ۔ قمی کے مطابق جب علی تک یہ بات پہنچی تو پہلے انہوں نے اس کے قتل کا حکم دیاپھر انہوں نے فیصلہ تبدیل کرتے ہوئےاسے جلا وطن کر کے مدائن کی طرف بھیجنے پر اکتفا کیا۔ (۱)

وہ مزید لکھتے ہیں: "عبد اللہ بن سبأ یہودی تھا، پھر اسلام لایا اوراس نے علی سے اظہارِ ولایت کیا۔ وہ اپنے یہودی دور میں موسیٰ علیہ السلام کے وصی یوشع بن نون سے متعلق اسی بات کا قائل تھا، اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کررسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسی طرح کا دعویٰ وہ علی کے بارے میں کرنے لگا۔ وہی پہلا شخص تھا جس نے علی بن ابی طالب کی امامت کے وجوب کا علانیہ اظہارکیا اور ان کے مخالفین سے براءت کا اظہار کیا... بلکہ ان کی تکفیر کرنے

(۱) المقالات والفرق، صفحہ ۲۰ ۔

لگا۔ اسی بنا پر بعض شیعہ مخالفین نے یہ کہہ دیا کہ رافضیت کی اصل یہودیت سے ملتی ہے۔“ [1]

اس معاملے میں شیعہ عالم نوبختی بھی قمی سے متفق نظر آتے ہیں، حتیٰ کہ بعض مقامات پر ان کے الفاظ میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔[2] اسی طرح ان کے ایک عالم کشی نے اپنی معروف کتاب ”رجال الكشي“ میں عبداللہ بن سبا کے تذکرے میں چھ روایات نقل کی ہیں۔[3] یہ کتاب علمِ رجال میں قدیم اور معتمد شیعی مصادر میں شمار کی جاتی ہے۔[4] تاہم عصرِ حاضر کے شیعہ مصنفین بغیر کسی ٹھوس دلیل کےاس کے وجود کا انکار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳۔ معلوم ہواکہ شیعہ کا عقیدہ اور اس کے بنیادی اصول سبئیہ فرقے کے ذریعے وجود میں آئے۔ اس بات کا اعتراف خود شیعہ کے اپنے مصادر بھی کرچکے ہیں۔ جن میں عبد اللہ بن سباکو وہ پہلا شخص بتایاگیا ہے جس نے علی رضی اللہ

---

(۱) المقالات والفرق، صفحہ ۲۰۔

(۲) فرقِ شیعہ از نوبختی، صفحات ۲۲-۲۳۔

(۳) رجال الکشی صفحات ۱۰۶-۱۰۸- ۳۰۵ ۔

(۴) یہ کتاب ان کے ہاں کتبِ رجال کی اصل شمار کی جاتی ہے۔اور رجال الکشی کا درست نام: ”إختيار معرفة الرجال“ از طوسی ہے۔

عنہ کی امامت کے وجوب اور ان سے متعلق وصایتِ نبوی کا نظریہ پیش کیا۔ یہی ''نصِّ امامت'' کا تصور بعد میں تشیع کی اساس اور محور کے طور پر متعین ہوا، جیسا کہ ان کے اکابرین بیان کرتے ہیں۔

مزید برآں شیعی مصادر میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبد اللہ بن سبا اور اس کے پیروکار وہ اولین لوگ تھے جنہوں نے ابو بکر، عمر اور عثمان اور دیگر صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کا آغاز کیا۔ چنانچہ صحابۂ کرام کے بارے میں یہی عقیدہ شیعہ کی معتمد کتابوں میں درج ہے۔اسی طرح ابن سبا علی رضی اللہ عنہ کی ''رجعت'' (دوبارہ واپس آنے) کا بھی قائل تھا[۱] اور رجعت کا عقیدہ شیعہ کے اصول میں سے ہے۔ نیز وہ اس بات کا بھی قائل تھا کہ علی اور اہلِ بیت کو مخصوص باطنی علوم کے ساتھ مختص کیا گیا ہے اور شیعہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

۴۔ سبئیہ گروہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سامنے آیا، لیکن اسے کسی باقاعدہ اور معروف فرقے کے طور پر مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ بلکہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جنگ کی، اور ان غالی عناصر کو آگ لگا کر جلا دینے کا حکم دیا جو ان کی ذات کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے۔

---

(۱) المقالات والفرق از قمی صفحہ ۲۱۔

۵- معرکۂ صفین، اس کے بعد واقعۂ تحکیم، علی رضی اللہ عنہ اور پھر حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت... نیز اہلِ بیت کے ساتھ پیش آنے والے دیگر سانحات نے ایسے عقائد کے ابھرنے کے لیے ایک سازگار فضا پیدا کر دی، جو بعد میں ایک منظم جماعت کی شکل اختیار کر گئے۔ یہ واقعات اہلِ بیت کی طرف میلان اور تشیع اختیار کرنے کا مؤثر سبب بنے۔

٦- اہلِ بیت کے ساتھ پیش آنے والے مصائب پر دکھ اور ہمدردی ہر مسلمان کا فطری جذبہ تھا تاہم بعض عناصر نے اسی جذبہ کو ذریعہ بنا کر ایسے نظریات کو فروغ دیا جو دینِ الٰہی سے بالکل بھی ہم آہنگ نہ تھے ۔

تیسری فصل

شیعہ کے مختلف فرقے

قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ اہلِ بیت سے محبت اور تشیع کا دعویٰ کرنے والے فرقوں کی تعداد اس قدر بڑھتی چلی گئی کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کثرتِ افتراق ہی اس گروہ کی نمایاں پہچان ہو۔ ہر امام کی وفات کے بعد نئے نئے گروہ ظہور پذیر ہوتے، اور ہر گروہ امامت کے تعین کے بارے میں اپنا الگ اور منفرد موقف اختیار کر لیتا... ہر گروہ اپنے مخصوص عقائد و نظریات کے ذریعے دوسروں سے ممتاز ہو کر یہی دعویٰ کرتا کہ وہی حق پر ہے۔

شیعہ کے باہمی اختلافات پر خود ان کا اظہارِ شکوہ اور اضطراب:

یہ باہمی اختلاف اور تفرقہ خود شیعہ کے اندر بھی باعثِ شکایت و اضطراب رہاہے۔ جیساکہ ایک شخص نے امام جعفر صادق سے عرض کیا: ''میری جان آپ پر نثار ہو! آپ کے شیعوں کے درمیان یہ کیسا اختلاف ہے؟ انہوں نے پوچھا : کون سا اختلاف؟اس نے کہا: میں کوفہ میں ان کی مجالس میں بیٹھتا

ہوں تو ان کی احادیث میں اختلاف دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں بھی شک میں پڑ جاؤں گا۔اس پر جعفر صادق فرمانے لگے: ہاں، بات ویسی ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہو۔ لوگوں کو ہم پر جھوٹ باندھنے کا شوق ہو گیا ہے۔ میں جب ان میں سے کسی کے سامنے حدیث بیان کرتا ہوں، تو وہ میرے پاس سے اٹھنے سے پہلے ہی اس کی ایسی تاویل وتشریح کر لیتے ہیں جو اس کے اصل مفہوم کے سراسر خلاف ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہماری حدیث اور ہماری محبت کے ذریعے اللہ کے ہاں اجر وثواب کے طلبگار نہیں ہیں، بلکہ دنیا کے خواہاں ہیں اور ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے سردار اور پیشوا سمجھا جائے۔''[1]
یہ اقتباس اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ بہت سے لوگ اقتدار و قیادت کی خواہش اور دنیاوی مفادات کی طلب میں شیعہ ہوگئے، اسی وجہ سے انہوں نے اہلِ بیت پر بہت زیادہ جھوٹ گھڑے... جس کے نتیجے میں اختلافات اور تفرقہ بازی دن بدن بڑھتی چلی گئی۔

جیساکہ خود شیعہ مؤرخ مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) نے ذکر کیا ہے کہ شیعہ فرقوں کی تعداد تہتر تک پہنچ گئی ۔[2] اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا ہے۔اسی

---

(۱) رجال الکشی ، صفحات ۱۳۵-۱۳۶، بحار الانوار، جلد ۲ صفحہ ۲۴۶۔

(۲) مروج الذہب، جلد ۳ صفحہ ۲۲۱۔

بنا پر ایک شیعہ عالم میر باقر الداماد (متوفی ۱۰۴۰ھ) نے یہ دعویٰ کیا کہ افتراقِ امت والی حدیث میں مذکور تہتر فرقوں سے مراد دراصل شیعہ ہی کے فرقے ہیں، اور ان میں سے نجات یافتہ صرف امامیہ فرقہ ہے ۔ (۱)

جس طرح اہلِ سنت افتراقِ امت والی حدیث کو روایت کرتے ہیں، اسی طرح اسےشیعہ بھی ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ”میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں سے اکہتر ہلاک ہوں گے اور ایک نجات پائے گا۔صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون سا فرقہ ہوگا؟آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جماعت ہے،وہ جماعت ہے، وہ جماعت ہے۔“ اور ایک دوسری روایت میں ہے: ”میری امت میرے بعد تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی؛ ایک فرقہ نجات یافتہ ہوگا اور بہتر(۷۲) فرقے جہنم میں جائیں گے۔“(۲)

تاہم ان کی روایات میں یہ صراحت موجود نہیں کہ یہ تمام فرقے شیعہ ہی ہوں گے اوران میں کسی شیعی گروہ کی تخصیص کی بجائے واضح طور پر ”الجماعہ“ کو نجات یافتہ قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱) الاعمال الکاملہ از افغانی، تحقیق: محمد عمارہ، جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ ۔

(۲) دیکھیے: الخصال از ابن بابویہ قمی ،جلد ۲ صفحات ۵۸۴-۵۸۵ ۔

◉ پہلا مبحث: یہ تفرقہ بازی اور اختلافات کیوں؟

شیعہ کے اندر اختلاف و انتشار کا بنیادی سبب ائمہٗ اہلِ بیت کے بارے میں اختلافِ رائے ہے۔ ائمہ کی تعیین اور تعداد کے حوالے سے ان کے ہاں مختلف مسالک اور نظریات پائے جاتے ہیں، کوئی کسی امام پر بھروسہ کر کے اس کے ظہور یا رجعت کا منتظر رہتا ہے، تو کوئی دوسرا اس سے آگے بڑھ کر کسی اور کی امامت کا قائل ہو جاتا ہے۔

چونکہ ان کے نزدیک امامت دین کا بنیادی رکن ہے اس لیے اس مسئلے میں اختلاف کی نوعیت وہ نہیں ہےجو فروعی مسائل میں ہوتی ہے۔

چنانچہ اپنے زمانے کےشیعہ زیدیہ کے عالم أحمد بن يحيى المرتضى (متوفی ۸۴۰ھ) کہتے ہیں کہ ہر امام کی وفات کے وقت اس کے جانشین کے تعین میں شیعہ کا اختلاف، ان کے دعوئ نص کے بطلان کی سب سے واضح دلیل ہے۔ [۱]

---

(۱) المنیۃ والأمل ، صفحہ ۲۱۔

دوسرا مبحث: نمایاں معاصر شیعہ فرقے:

ا. اسماعیلیہ

اسماعیلیہ وہ گروہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ امام جعفر صادق کے بعد امامت ان کے صاحبزادے اسماعیل بن جعفر کو منتقل ہوئی۔ پھر انہوں نے محمد بن اسماعیل بن جعفر کی امامت کو تسلیم کیا اور امام جعفر صادق کی دیگر اولاد کی امامت کا انکار کر دیا۔اسماعیلیہ ہی سے متعدد گروہ اور جماعتیں وجود میں آئیں، مثلاً: قرامطہ، حشاشین، فاطمیین اور دروز وغیرہ۔ اسماعیلیہ کے کئی فرقے اور مختلف القاب ہیں، جو علاقوں کے حساب سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے مذہب کے بارے میں غزالی وغیرہ سے منقول ہے: "ان کا مذہب بظاہر رفض (تشیع) ہے، لیکن باطن میں خالص کفر پر مشتمل ہے۔" اسی طرح ابنِ جوزی فرماتے ہیں: "ان کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ خالق کی نفی کرتے ہیں، نبوت اور عبادات کا بطلان کرتے ہیں، اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں۔"

البتہ وہ شروع میں اپنے ان باطنی نظریات کو ظاہر نہیں کرتے۔ ان کے ہاں دعوت کے مختلف مراتب ہیں اور ان کے مذہب کی اصل حقیقت صرف اسی شخص پر منکشف ہوتی ہے جو آخری حد تک پہنچ جاتا ہے۔آج بھی ان کی

سرگرمیاں جاری ہیں، اور ان کے پاس کچھ مخفی کتابیں بھی ہیں۔ جیساکہ ان ہی میں سے ایک شخص کا قول ہے: ”ہمارے پاس کچھ ایسی کتابیں بھی ہیں جنہیں ہمارے سوا کوئی نہیں پڑھ سکتا اور جن کے حقائق سے ہمارے سوا کوئی واقف نہیں ۔“(۱)

۲. زیدیہ

یہ گروہ زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی طرف منسوب ہے۔ یہ امامیہ سے اس وقت جدا ہوئے جب زید بن علی سے ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے ان دونوں کے لیے (رضی اللہ عنہما) کے کلمات کہے۔ اس پر ایک گروہ نے انہیں چھوڑ دیا اور یہی لوگ ”رافضہ“ کے نام سے موسوم ہوئے۔ عقائد کے معاملے میں زیدیہ کافی حد تک معتزلہ سے ہم آہنگ ہیں۔ (۲)

زیدیہ کے بھی مختلف فرقے ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(الف) جارودیہ: یہ ابو الجارود کے پیروکار ہیں۔ اگرچہ یہ خود کو زید بن علی کی

---

(۱) مصطفیٰ غالب کی کتاب-الحرکات الباطنیہ فی الاسلام، صفحہ ۶۷،اور دیکھیے: الزینۃ از ابوحاتم رازی اسماعیلی، صفحہ ۲۸۷۔

(۲) العلم الشامخ از مقبلی، صفحہ ۳۱۹، الملل والنحل، جلد ۱ صفحہ ۱۶۲۔

طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں ان کے عقائد رافضیوں والے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ امت نے علی سے خلافت ہٹا کر دوسروں کی طرف منتقل کر کے گمراہی بلکہ کفر کا ارتکاب کیا۔

(ب) حسن بن صالح فقیہ کے پیروکار: ان کا نظریہ ہے کہ امامت اولادِ علی میں ہونی چاہیے۔ یہ اہلِ سنت سے کافی حد تک قریب سمجھے جاتے ہیں۔ابنِ حزم لکھتے ہیں کہ حسن بن صالح سے یہ قول ثابت ہے کہ امامت تمام قریشیوں میں جائز ہےاور وہ تمام صحابہ سے محبت رکھتے ہیں، البتہ وہ علی کو سب پر فضیلت دیتے ہیں ۔(۱)

۳. اثنا عشریہ

اثنا عشریہ موجودہ دور میں شیعہ کی سب سے بڑی جماعت ہے۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ جب لفظ ''شیعہ'' بولا جائے تو عموماً اس سے یہی گروہ مراد ہوتا ہے۔ أدیان وفرق کے بعض علما نے انہیں ''جمہورشیعہ'' سے بھی متصف کیا ہے۔ تاہم اثنا عشریہ کی یہ اکثریت ہر دور میں برقرار نہیں رہی۔ یہ گروہ اپنے شرعی مصادر، کتب اور علمی تراث کے اعتبار سے ایک وسیع مکتبۂ فکر کی حیثیت

---

(۱) دیکھیے: ابن حزم کی کتاب-الفصل، جلد ۲ صفحہ ۲۶۶۔

رکھتاہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اعتقادی مسائل کو محض ”مذہبِ امامیہ“ نہیں بلکہ ”دین امامیہ“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ (ابن بابویہ) کی کتاب الاعتقادات کا دوسرا نام ہی ”دین الامامیہ“ ہے۔

◉ تیسرا مبحث : شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے القاب:

۳- اصحاب الانتظار:

اس لقب کے پیچھے یہ عقیدہ کارفرما ہے کہ حسن عسکری کے بعد ان کا بیٹا محمد امام ہے جو کہ غائب ہے اور مستقبل میں ظاہر ہوگا... عقیدۂ انتظار کوئی شیعہ فرقے تسلیم کرتے ہیں، اگرچہ ان میں امام غائب کے تعین میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔

۴- الخاصہ:

یہ لقب شیعی علما اپنی جماعت کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اہل سنت و الجماعہ کو ”العامہ“ یعنی عوام کہتے ہیں۔ جیساکہ شیعی انسائیکلوپیڈیامیں ہے: «بعض اہل الدرایہ کی اصطلاح میں ”الخاصہ“ کا لقب امامیہ اثنا عشریہ کے لیے ہے، اور”العامہ“ اہل سنت و الجماعہ کے لیے ہے۔» [۱]

(۱) دائرۃ المعارف، جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۲۔

۵- جعفریہ:

اثنا عشریہ کو جعفریہ بھی کہا جاتا ہے، اور یہ لقب ان کے چھٹے امام، جعفر صادق کی طرف منسوب ہے۔کشی سے مروی ہے:کوفہ میں جعفر کی پیروی کرنے والے، یاجعفر کے تئیں تشیع کا دعویٰ کرنے والوں کو جعفریہ کہاجاتا تھا۔جب یہ لقب جعفر تک پہنچا تو اس پر انہوں نے ناراضگی کا اظہارکیا اور فرمایا: ’’جعفر کے ساتھی تم میں بہت کم ہیں، جعفر کے ساتھی وہ ہیں جو تقویٰ میں سخت اورخالص اپنے خالق کے لیے عمل کرنے والے ہیں۔‘‘(۱)

٦- الرافضہ:

بعض علماء نے اثنا عشریہ کو ’’رافضہ‘‘ کہا ہے، جیسے: اشعری نے اپنی کتاب ’’المقالات‘‘(۲) مىں اورابنِ حزم نے اپنی کتاب ’’الفصل‘‘(۳) مىں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح خود اثنا عشریہ نے بھی اپنی بعض کتابوں میں اس لقب کو اپنے القابات میں شامل کیا ہے۔جیسا کہ محمد باقر مجلسی نے اپنی کتاب ’’بحار الانوار‘‘ میں اس

---

(۱) رجال الکشی، صفحہ ۲۵۵۔

(۲) دیکھیے: مقالات الإسلامیین، جلد ۱ صفحہ ۸۸۔

(۳) الفصل، جلد ۴، صفحہ ۱۵۷–۱۵۸۔

لقب کی ستائش سے متعلق چار احادیث نقل کی ہیں۔[۱]

انہیں روافض کہنے کی وجہ تسمیہ:

اشعری نے کہا کہ شیعہ اس لیے ''رافضہ'' کہلائے کیونکہ انہوں نے ابو بکرو عمر رضی اللہ عنہما کی امامت کو رد کیا ۔[۲] اس کے تعاقب میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''صحیح بات یہ ہے کہ انہیں رافضہ اس لیے کہا گیا کیونکہ انہوں نے زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کو چھوڑدیا، جب وہ کوفہ میں ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں آئے تھے۔''[۳] دونوں اقوال کا مقصودایک ہی ہے۔

۷۔ اثنا عشریہ :

جہاں تک ان بارہ شخصیات کا تعلق ہے جنہیں فرقہ جعفریہ والے اپنا امام مانتے ہیں، تو وہ یہ ہیں: امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ، حسن و حسین ، پھر حسین کی اولاد۔

---

(۱) بحار الانوار از مجلسی، باب: فضل الرافضہ ومدح التسمیۃ بہا، جلد ۶۸ صفحہ ۹۶ــ۹۷۔

(۲) مقالات الإسلامیین، جلد ۱ صفحہ ۸۹۔

(۳) منہاج السنہ، جلد ۲ صفحہ ۱۳۰۔

- ذیل میں ان کے نام ولقب، کنیت،اور ہر امام کی سن پیدائش اور وفات کا ذکر کیا جا رہاہے:

نمبر شمار	امام کا نام	کنیت	لقب	سِن ولادت ووفات
۱	علی بن أبی طالب	ابو الحسن	مرتضی	۲۳ قبل از ہجرت- ۴۰ ھ
۲	حسن بن علی	ابو محمد	زکی	۲۔۵۰ھ
۳	حسین بن علی	ابو عبد اللہ	شہید	۳۔۶۱ھ
۴	علی بن حسین	ابو محمد	زین العابدین	۳۸۔۹۵ھ
۵	محمد بن علی	ابو جعفر	باقر	۵۷۔۱۱۴ھ
۶	جعفر بن محمد	ابو عبد اللہ	صادق	۸۳۔۱۴۸ھ
۷	موسی بن جعفر	ابو ابراہیم	کاظم	۱۲۸۔۱۸۳ھ

۸	علی بن موسی	ابو الحسن	رضا	۱٤۸۔۲۰۳ھ
۹	محمد بن علی	ابو جعفر	جواد	۱۹۵۔۲۲۰ھ
۱۰	علی بن محمد	ابو الحسن	ہادی	۲۱۲۔۲۵٤ھ
۱۱	حسن بن علی	ابو محمد	عسکری	۲۳۲۔۲٦۰ھ
۱۲	محمد بن حسن	ابو القاسم	مہدی	کہاجاتاہے کہ ان کی ولادت ۲۵۵ھ یا۲۵٦ھ میں ہوئی۔ اور ان کا خیال ہے کہ وہ آج تک زندہ ہیں

چوتھا مبحث: اس فرقہ بندی سے متعلق شیعہ کا موقف:

ان کے شیخ مفید نے کہا کہ تمام اہلِ بدعت کافر ہیں(۱)۔ اسی بنا پر محمد باقر مجلسی نے اپنی کتاب میں ایک باب اس عنوان سے قائم کیا: ''مخالفین اور ناصبیوں کے کفر کا بیان۔''(۲) وہ مزید لکھتے ہیں کہ ان کی کتبِ احادیث زیدیہ، فطحیہ، واقفہ اور ان جیسے دیگر فرقوں کی تکفیر سے بھری پڑی ہیں۔(۳) حالانکہ یہ سب فرقے شیعہ ہی ہیں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے علاوہ دیگر گروہوں کے بارے میں ان کا موقف کس قدر سخت ہوگا؟

اثنا عشریہ کے لوگ بھی آپس میں ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں وہ روایات ملاحظہ کیجیے جو الکشی نے نقل کی ہیں اور جن کی تائید خود ان کے شیخ طائفہ طوسی نے بھی کی ہے۔ نیز ان روایات میں ان کے باہمی اختلافات، ایک دوسرے کی تکفیر اور ایک دوسرے سے بیزاری کے حالات بھی مذکور ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ سنہ ۱۹۰ھ میں سولہ (۱۶) افراد ابو الحسن الثاني کے دروازے پر جمع ہوئے۔ ان میں سے جعفر بن

---

(۱) اِوائل المقالات، صفحہ ۱۵۔

(۲) بحار الانوار، جلد ۷۲ صفحہ ۱۳۱۔

(۳) بحار الانوار، جلد ۷۳ صفحہ ۳۴۔

عیسیٰ نامی شخص نے عرض کیا: ''اے میرے سردار! ہم اللہ تعالی کے حضور اور آپ کے حضور شکایت کرتے ہیں(۱) کہ ہم اپنے ساتھیوں کی طرف سے کچھ پریشان کن معاملات سے دوچار ہیں۔ امام نے پوچھا: تمھیں ان کی طرف سے کیا پریشانی لاحق ہے؟ جعفر نے کہا: اللہ کی قسم! وہ ہمیں زندیق قرار دیتے ہیں، ہماری تکفیر کرتے ہیں اور ہم سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔اس پر امام نے فرمایا: ایسا ہی معاملہ علی بن حسین، محمد بن علی، جعفر اور موسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیروکاروں کے درمیان بھی تھا۔ اور زرارہ کے پیروکار بھی دوسروں کی تکفیر کرتے تھے اور جواب میں دوسرے لوگ بھی انہیں کافر قرار دیتے تھے... یونس کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: میں آپ پر فدا ہوں! وہ لوگ تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم زندیق ہیں۔''(۲) یہ حال تو ان ابتدائی گروہوں کا تھا، جو اہلِ بیت سے نسبت رکھتے تھے تو بھلا بعد میں آنے والوں کا حال کیا ہوگا؟

---

(۱) ایسا کہنا شرعاً منع ہے، البتہ یوں کہا جا سکتا ہے: "ہم اللہ تعالی سے اورپھر آپ سے شکایت کرتے ہیں۔"

(۲) رجال الکشی، صفحہ ۴۹۸-۴۹۹۔

◉ پانچواں مبحث: اثنا عشریہ کے فرقے اور گروہ:

اثنا عشریہ سے متعدد فرقے نکلے ہیں، جن میں سے بعض نمایاں فرقے یہ ہیں: شیخیہ، کشفیہ، رکنیہ، اخباریہ اور اصولیہ۔ یہ تمام فرقے دراصل اثنا عشریہ ہی کی شاخیں ہیں اور ان کی فکری بنیادیں اسی مکتبۂ فکر کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ تاہم، بعد کے ادوار میں یہ فرقے ایک دوسرے کی تکفیر کرتے رہے ہیں۔ [1]

شیخیہ:

یہ فرقہ ''احمدیہ'' کے نام سے بھی معروف ہےاور اس کے پیروکار شیخ احمد اِلاحسائی (متوفی ۱۲٤۱ھ) کی طرف منسوب ہیں جو اثنا عشریہ کے جلیل القدر علما میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حلول کے قائل تھے، ائمہ کی الوہیت کے معتقد تھے اور جسمانی طور پر دوبارہ اٹھائے جانے کے منکر تھے۔ اثنا عشریہ کے علما اس شخصیت کے بارے میں دو گروہوں میں منقسم ہیں: ایک گروہ ان کی تعریف کرتا ہےجبکہ دوسرا ان کی مذمت کرتا ہے۔

(۱) الآراء الصریحۃ، صفحہ ۸۱۔

کشفیہ:

یہ کاظم بن قاسم الرشتی (متوفی ۱۲۵۹ھ) کے پیروکار ہیں، جوشیخیہ کے بانی الاحسائی کے شاگرد اور بعد ازاں ان کے جانشین بنے۔ یہ اپنے استاد ہی کے طریقے پر کاربند رہے تاہم بعض امور میں انہوں نے غلو سے کام لیا۔ اس فرقے کو "کشفیہ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے پیشوا کی طرف کشف و الہام کی نسبت کی جاتی ہے۔ بعض اہلِ علم نے اسے ایک مستقل فرقہ بھی قرار دیا ہے۔جیسا کہ خود انہوں نے اپنی کتاب "دلیل الحیران"[1] میں اس کی صراحت کی ہے کہ یہ طریقہ ومسلک ایسا ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا۔[2] اسی بنا پر محمد خیسں آل کاشف الغطا اسے صراطِ مستقیم سے منحرف اور شدید گمراہی میں مبتلا قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک یہی گروہ امامی شیعہ کے درمیان سب سے بڑا فتنہ اور سخت آزمائش کا سبب بنا۔ مزید برآں، انہی اور ان کے پیروکاروں سے بابیت جیسے فتنے وجود میں آئے، جو کہ ان کے شیخ احمد اِلاحسائی کے طریقے اور موقف کے برخلاف ہے۔[3]

---

(۱) صفحہ ۱۳۶۔

(۲) دیکھیے: آلِ طعمہ/ مدینۃ الحسین صفحہ ۳۴۔

(۳) حاشیۃ علی اِنوار البدرین از محمد حسین آل کاشف الغطا، صفحہ ۴۰۸-۴۰۹۔

رکنیہ:

یہ فرقہ مرزا محمد کریم بن ابراہیم خان کرمانی کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک ''رُکنیہ'' اور ''کشفیہ'' درحقیقت شیخیہ ہی کے مختلف نام ہیں اور یہ سب ایک ہی فرقے کی مختلف شکلیں ہیں ۔(۱)

- **اخباری اور اصولی گروہ:**

ہم یہاں شیعہ اثنا عشریہ کے دو بڑے گروہوں——اصولی اور اخباری——تک ہی گفتگو کو محدود رکھیں گے ۔ اس لیے کہ اصولیہ ہی دراصل اثنا عشری مذہب کی بنیاد اور جمہور اہلِ تشیع کا مسلک ہے۔ اس کے مقابلے میں اخباریہ آتے ہیں اگرچہ تعداد کے اعتبار سے وہ ان سے کہیں کم ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر فرقے اتنے بڑے نہیں ہیں۔

اصولی و اخباری اختلاف دراصل اثنا عشری مذہب کی فکری ساخت سے متعلق ایک بنیادی نزاع ہے۔ یہ نزاع انہی شیعی علما کے مابین ہے جنہوں نے اثنا عشری تراث کی تدوین و تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ حر عاملی (مصنّف وسائل الشیعہ)، محمد محسن الکاشاني (مصنّف الوافي)، اور حسین نوري طبرسی (مصنّف

(۱) الشیخیۃ از محمد آل الطلقانی، صفحہ ۲۷۴۔

مستدرک الوسائل) جیسے علما اخباری مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، حالانکہ انہی شخصیات نے وہ اہم حدیثی مجموعے مرتب کیے جو بعد میں روایت کے باب میں بنیادی مآخذ قرار پائے، بلکہ (من لا یحضرہ الفقیہ) کے مصنّف ابن بابویہ قمی کو بھی اخباری مکتبۂ فکر کا سرخیل اور پیشوا تصور کیا جاتا ہے۔ معاصر اخباری علماء میں(أصل الشیعہ وأصولہا)کے مصنّف محمد حسین آل کاشف الغطاکا نام آتا ہے۔

اس کے بالمقابل اصولی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والوں میں (الاستبصار و التہذیب) کے مصنّف محمد بن حسن طوسي اور اور المرتضی شامل ہیں جن کی طرف یا ان کے بھائی کی طرف نہج البلاغہ کی نسبت کی جاتی ہے۔ جب کہ معاصر اصولی اکابر میں محسن حکیم، شریعت مداری، خوئی اور خمینی قابلِ ذکر ہیں۔معلوم ہوا کہ اصولیوں اور اخباریوں کا اختلاف درحقیقت مذہبِ اثنا عشری کے بنیادی ستونوں اور اس کی فکری عمارت کے معماروں کے مابین ایک فکری اختلاف ہے۔

اخباریہ:

- اخباری مکتبۂ فکر کے نزدیک احکامِ شرعیہ کے بنیادی مصادر صرف دو ہیں: کتاب اللہ اوراخبارو روایات، جنہیں مجموعی طور پر ''ثقلین'' کہا جاتا ہے۔ اسی

نسبت سے انہیں اخباری کہا جاتا ہے۔

- ان کے نزدیک شیعہ کی چار معروف کتبِ احادیث یعنی الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ، التھذیب اور الاستبصار میں منقول تمام روایات کو وہ ائمہ سے قطعی الصدور اور صحیح السند سمجھتے ہیں، اسی بنا پر وہ احادیث کو صحت و ضعف کے اعتبار سے مختلف درجات میں تقسیم کرنے کے قائل نہیں ہیں۔

- یہ اپنے فوت شدہ مرجع و مجتہد کی تقلید کو جائز سمجھتے ہیں۔

- یہ لوگ اجتہاد کے قائل نہیں ہیں۔ اجماع اور عقلی دلائل کے بھی منکر ہیں۔ (۱)

- ان کے نزدیک علمِ اصولِ فقہ کی تحصیل کی ضرورت نہیں ہے اور نہ وہ اس کی حجیت کے قائل ہیں۔

- **اصولیین یا مجتہدین:**

- ان کے نزدیک احکامِ شرعیہ کے دلائل چار ہیں: کتاب و سنت، اجماع اور عقلی دلائل۔

(۱) دیکھیے: العقل عند الشیعہ الإمامیۃ، از رشدی علیان۔

- یہ کتبِ اربعہ کی تمام روایات کو صحیح قرار نہیں دیتے، بلکہ حدیث کو صحیح، حسن، موثّق اور ضعیف وغیرہ میں تقسیم کرتے ہیں۔

- یہ فوت شدہ مجتہد کی تقلید کو جائز نہیں سمجھتے۔

- یہ لوگ اجتہاد کے قائل ہیں، اور اہلِ تشیع کی اکثریت اسی فکر کی حامل ہے۔(۱)

- ان دونوں فرقوں کے درمیان ردّ و قدح، مناظرات، تکفیر اور باہمی طعن و تشنیع کا سلسلہ جاری رہا،یہاں تک کہ ان کے بعض افراد نے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو بھی حرام قرار دے دیا۔(۲)

اخباری فکر کے بعض شیوخ کے بارے میں یہ بات منقول ہے کہ وہ اصولی علما کی بعض کتابوں کو نجاست کے اندیشے سے براہِ راست ہاتھ لگانے سے اجتناب

(۱) دیکھیے: دائرۃ المعارف، از حسن الأمین، صفحہ ۱۰۷، بحر العلوم - التقلید فی الشریعہ، از عز الدین، صفحہ ۹۲؛ الأصولیون والأخباریون فرقۃ واحدۃ از فرج العمران، صفحہ ۱۹؛ الاجتہاد والفتوی از الغریفی، صفحہ ۹۹۔

(۲) مع علماء النجف، از محمد جواد مغنیہ، صفحہ ۷۴۔

کرتے تھے اور انہیں کسی کپڑے وغیرہ کے ذریعے پکڑتے تھے۔[1]

(اخباری فرقے کے ایک عالم) الاستراباذی نے بعض اصولیوں کی تکفیر کی اور ان پر دین میں بگاڑ پیدا کرنے کا الزام عائد کیا۔[2] اسی طرح الکاشانی، جو اخباری فرقےسے وابستہ اور الوافی کے مصنّف ہیں، انہوں نے بھی اپنے کئی علما کی تکفیر کی ہے۔[3]

اس کے جواب میں بعض لوگوں نے ان پر یہ اعتراض کیا کہ ان کی بعض ایسی آراء اور نظریات ہیں جن میں صوفیوں اور فلاسفیوں کے افکار کا اثر نظر آتا ہے، جو کہ موجبِ کفر ہے۔مثلاً :وحدت الوجود وغیرہ کا نظریہ ۔[4]

اثنا عشریہ کے ان دونوں گروہوں کے درمیان یہ کشمکش کئی پوشیدہ مذہبی حقائق کو آشکار کرنے کا موجب بنی، کیونکہ نزاع کی اس شدت میں تقیہ بھی ختم ہوگیا۔ چنانچہ اگر اس اختلاف کا ہی سنجیدگی سے غور وفکر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو مذہب کے کئی پوشیدہ پہلو اور اندرونی حقائق آشکار ہو سکتے ہیں۔

---

(۱) الشیخۃ، از محمد آل الطالقانی، صفحہ ۹۔

(۲) دیکھیے: لؤلؤۃ البحرین، از بحرانی، صفحہ ۱۱۸۔

(۳) دیکھیے: لؤلؤۃ البحرین، از بحرانی، صفحہ ۱۲۱۔

(۴) یہ بحرانی ہے۔ دیکھیے: لؤلؤۃ البحرین صفحہ ۱۲۱۔

دوسرا باب

عقائد و نظریات

پہلی فصل

اسلامی مصادر سے متعلق شیعی عقائد

◉ پہلا مبحث: شیعہ کا قرآن کے بارے میں عقیدہ:

- شیعہ کا عقیدہ ہے کہ امامِ قائم کے بغیر قرآن حجت نہیں ہے:

شیعوں کے شیخ کلینی ، جنہیں وہ "ثقۃ الاسلام" سے ملقب کرتے ہیں، وہ اپنی کتاب اصول الکافی میں یہ روایت نقل کرتے ہیں: "...قرآن اُس وقت تک حجت نہیں جب تک امامِ قائم نہ ہو اور علی قرآن کے قائم تھے، اُن کی اطاعت فرض تھی، اور رسول اللہ ﷺ کے بعد وہی لوگوں پر حجت تھے۔"[۱] بلاشبہ یہ دعویٰ خود قرآنِ مجید کے صریح مفہوم کے معارض ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے جواب میں فرماتا ہے جو رسول کی صداقت پر کوئی نشانی طلب کرتے تھے: ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ﴾ "کیا اُن کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی جو اُنہیں پڑھ کر سنائی جاتی

(۱) اصول الکافی، جلد ۱ صفحہ ۱۸۸۔

ہے؟“ [العنکبوت: ۵۱]۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم بذاتِ خود دلیل، گواہ اور حجت ہے۔

ان کےاس دعوے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ امام کا قول —— معاذ اللہ —— کلامِ الٰہی سے زیادہ بلیغ اور واضح ہے! اسی بنا پر وہ کتاب اللہ کو ”قرآنِ صامت“ یعنی (خاموش قرآن) اور امام کو ”قرآنِ ناطق“ (بولتا ہوا قرآن) کہتے ہیں، وہ علی کی طرف یہ قول بھی منسوب کرتے ہیں: ”یہ اللہ کی خاموش کتاب ہے اور میں اللہ کی بولتی ہوئی کتاب ہوں۔“ (۱)

جبکہ شیعی علماء یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ائمہ ہی درحقیقت قرآن ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ پاک کے اس فرمان میں وارد نور کی تفسیر علی اور ائمہ سے کرتے ہیں: ﴿وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ﴾ ”اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا۔“ [الأعراف: ۱۵۷] ۔(۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ﴾ ”اس کے سوا کوئی قرآن لے آ، یا اسے بدل دے۔“ [یونس: ۱۵] کے بارے میں ان کا کہنا

(۱) الفصول المہمۃ، از حرّ عاملی، صفحہ ۲۳۵۔

(۲) اصول الکافی، جلد ۱ صفحہ ۱۹۴۔

ہے کہ اس سے مراد ''امیر المؤمنین یعنی: علی'' ہیں۔[1]

- **ائمہ کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ کہ صرف انہی کو قرآن کی معرفت حاصل ہے' اس میں ان کا کوئی شریک نہیں:**

شیعی علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے ائمہ اثنا عشریہ کو قرآنِ کریم کے کامل اور جامع علم کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور اس کی صحیح تفسیر و تاویل بھی انہی کے ساتھ خاص ہے۔ لہذا جو شخص ان کے علاوہ کسی اور سے قرآن کا علم حاصل کرے گا تو وہ گمراہ ہو گا۔

۱- اصول الکافی میں جعفر صادق سے ایک طویل روایت مروی ہے: ''لوگوں کے لیے قرآن کافی ہے بشرطیکہ انہیں اس کا کوئی مفسر مل جائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر صرف ایک ہی شخص کو سکھائی اور امت کو ان سے متعارف کرا دیا اور وہ علی بن ابی طالب ہیں۔''[2]

۲- اسی طرح تفسیر فرات میں منقول ہے: ''لوگوں پر لازم ہے کہ قرآن کو اسی طرح پڑھیں جس طرح نازل ہوا، اور جب اس کی تفسیر کی ضرورت ہو تو

(۱) دیکھیے: تفسیر العیاشی، جلد ۲ صفحہ ۱۲۰، اصول الکافی، جلد ۱ صفحہ ۴۱۹، تفسیر البرہان، جلد ۲ صفحہ ۱۸۰، تفسیر القمی، جلد ۱ صفحہ ۳۱۰۔

(۲) اصول الکافی، جلد ۱ صفحہ ۲۵، وسائل الشیعہ، جلد ۱۸ صفحہ ۱۳۱۔

ہماری طرف رجوع کریں اور ہم ہی سے رہنمائی حاصل کریں۔"[1]

یاد رہے کہ قرآنِ کریم کوئی مخفی یا رازدارانہ کتاب نہیں تھی جو کسی مخصوص خاندان میں پوشیدہ طور پر منتقل ہوتی رہی ہواور نہ ہی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اس سلسلے میں دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر کوئی خصوصیت حاصل تھی۔ یہ دعویٰ کہ قرآن کی تفسیر صرف اہلِ بیت ہی کے ساتھ خاص ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس صریح فرمان کے خلاف ہے: ﴿وَأَنزلنا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتبُيَّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يتَفكَّرُونَ﴾ "اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔" [النحل: ٤٤]۔ نیز ان کا یہ کہنا کہ "رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی تفسیر صرف ایک ہی شخص کو بیان کی" اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا رسول اللہ ﷺ صرف ایک شخص، یعنی علی بن ابی طالب کی طرف مبعوث ہوئے تھے، اور علی تمام لوگوں کی طرف مبعوث تھے! اس سے قرآنِ کریم کی ان صریح آیات کی تکذیب ہوتی ہے، جن میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا، نہ کہ خاص اہلِ بیت کی طرف۔

(۱) تفسیر فرات، صفحہ ۹۱، وسائل الشیعہ، جلد ۱۸ صفحہ ۱۴۹۔

لہٰذا جو شخص اس نظریے کا قائل ہو، اس کے سامنے بالآخر دو ہی راستے باقی رہ جاتے ہیں: یا تو یہ تسلیم کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام مکمل طور پر لوگوں تک نہیں پہنچایا، یا پھر وہ قرآنِ مجید کو جھٹلائے۔

- **شیعہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام کا قول قرآنی حکم کو منسوخ بھی کر سکتا ہے اور اس کے عام کو خاص اور مطلق کو مقید بھی کر سکتا ہے:**

چونکہ شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ امام ہی قرآن کے حقیقی محافظ اور "قرآنِ ناطق" ہیں، اس لیے ان کے نزدیک قرآن کے عام احکام کی تخصیص، مطلق احکام کی تقیید، یا بعض احکام کی منسوخی رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ختم نہیں ہوا!

اسی بنا پر وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر کسی نے ابو عبد اللہ جعفر صادق سے کوئی حدیث سنی ہو تو وہ اسے ان کے والد یا ان کے اجداد میں سے کسی کی طرف منسوب کر کے بیان کر سکتا ہے بلکہ یہاں تک کہہ سکتا ہے کہ "یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔"[1] کیونکہ ان کے عقیدے میں امام کو قرآن کے کسی

(۱) شرح جامع علی الکافی از مازندرانی، جلد ۲ صفحہ ۲۷۲۔

حکم کو خاص کرنے، مقید کرنے یا منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہے ۔ اس لیے کہ وہ قرآن کی اس تخصیص، تقیید اور نسخ کودر حقیقت قرآن ہی قرار دیتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک امام کا قول اللہ کے فرمان کی طرح ہے!

شیعی عالم مازندرانی کے مطابق حکمتِ تدریج کا تقاضا یہ تھا کہ شریعت کے بعض احکام کو ابتدا میں ظاہر کیا جائے اور بعض کو حکمت کے تحت پوشیدہ رکھا جائے۔ ان کے بقول نبی کریم ﷺ نے وہ مخفی احکام اپنے اوصیاء کے سپرد کر دیئے، اور ہر وصی نے انہیں اپنے بعد آنے والے وصی کے حوالے کیا تاکہ موقع و محل اور حکمت کے مطابق انہیں ظاہر کیا جائے: چاہے وہ کسی عام حکم کی تخصیص ہو، مطلق کی تقیید ہو، مجمل کی وضاحت ہو یا اسی نوعیت کی دیگر تشریحات ہوں۔ کبھی تو نبی ﷺ نے کسی عام حکم کو بیان کرنے کے کچھ عرصہ بعد اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی اس کی تخصیص بیان کر دی ، اور اگرچہ اس موضوع پر متعدد کتابیں موجود ہیں، تاہم اس کتاب کو امتیاز حاصل ہے کہ یہ ایک باقاعدہ علمی و تحقیقی مقالہ ہے، جس پر مصنف نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ مصنف نے محض مختلف مصادر اور کتابوں سے مواد جمع نہیں کیا، بلکہ اس کی تالیف میں کافی محنت بھی صرف کی، چنانچہ مصر، عراق، بحرین، کویت اور پاکستان کا سفر کیا تاکہ شیعہ کی بنیادی اور مستند کتابوں تک براہِ

راست رسائی حاصل کر کے خود مطالعہ کر سکیں، حوالہ جات کی توثیق کر سکیں اور اپنے مقالے کو مضبوط علمی بنیادوں پر تالیف کریں۔ کبھی بالکل بیان نہیں کی بلکہ اسے اپنے وصیت کردہ شخص کے سپرد کر دیا تاکہ وہ مناسب وقت پر اسے ظاہر کردے۔(۱)

مثال کے طور پر قرآن مجید میں کفر، کافر، شرک اور مشرک کے الفاظ جو عمومی طور پر ہر اس شخص پر دلالت کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کفر کرے یا اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے، شیعہ کی بہت سی روایات میں ان کی تخصیص اس طرح کی گئی ہے کہ کفر سے مراد ولایتِ علی کا انکار اور شرک سے مراد ان کے ساتھ کسی اور کو امام مان لیناہے۔ چنانچہ انہوں نےمسئلہٴ امامت کو کفر و شرک سے بھی زیادہ سنگین قراردے دیا اور اس واضح لغت کو بھی نظر انداز کر دیا جس میں قرآنِ عظیم نازل کیاگیا: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ”بے شک ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے، تا کہ تم سمجھو۔“ (یوسف: ۲)

(۱) اِصول الشیعہ از محمد حسین آل کاشف الغطاء، صفحہ ۷۷۔

- ## شیعہ کا یہ دعویٰ کہ قرآنِ مجید کا بڑا حصہ ائمہ اور ان کے مخالفین کے بارے میں نازل ہوا ہے:

شیعہ کا کہنا ہے کہ " قرآن کا اکثر حصہ انہی ائمۂ اثنا عشریہ ، ان کے دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں نازل ہوا ہے۔"[۱] حالانکہ اگر کوئی شخص قرآنِ مجید کا بغور مطالعہ کرے تو اسے علی بن ابي طالب، ان کے صاحبزادگان: حسن بن علی اور حسین بن علی اور ان کی اولاد میں سے کسی کا نام بھی صراحت کے ساتھ قرآنِ کریم میں مذکور نہیں ملے گا۔

اس کے باوجود شیخ بحرانی کا یہ دعوی ہے کہ اکیلے علی کا تذکرہ قرآن میں (١١٥٤) مرتبہ آیا ہے اور اس موضوع پر انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا عنوان ہے: «اللوامع النورانية في أسماء علي وأهل بيته القرآنية»۔[۲] مگر افسوس کے اس کتاب میں عقل اور منطق کے مسلمہ اصولوں کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے۔

بعض شیعی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن چار حصوں میں نازل

(۱) تفسیر الصافی، جلد ۱، صفحہ ۲۴۔ الصافی نے اس نص کو دوسرے مقدمہ کا عنوان بنایا ہے۔

(۲) علمی پرنٹنگ پریس آف قم (۱۳۹۴ھ)۔

ہوا: ایک چوتھائی ہمارے بارے میں، ایک چوتھائی ہمارے دشمنوں کے بارے میں، ایک چوتھائی سنن اور مثالوں پر مشتمل ہے، اور ایک چوتھائی فرائض و احکام پر مشتمل ہے ۔ (۱)

• شیعہ کے نزدیک تحریفِ قرآن کا عقیدہ:

اکثر معاصر شیعہ اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں تحریف کا عقیدہ مذہبِ تشیع کا لازمی حصہ ہے۔ تاہم جب کوئی محقق ان کی قدیم بنیادی کتابوں اور مصادر کا مطالعہ کرتا ہے تو اس میں تحریف سے متعلق متعدد روایات ملتی ہیں، بلکہ شیعہ محدثین نے ان روایات کو صحیح بھی قرار دیا ہے، اور ان کے علماء کا اس پر اجماع بھی ملتاہے!

• شیعی علماء کی جانب سے تحریفِ قرآن کا اقرار:

شیعی عالم نعمت اللہ جزائری لکھتے ہیں: ”یہ روایات مشہور بلکہ متواتر ہیں، اور صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن میں الفاظ، مواد اور اعراب کے اعتبار سے تحریف ہوئی ہے۔“(۲)

---

(۱) اصول الکافی، جلد ۲، صفحہ ۶۲۷،البرہان، جلد ۱ صفحہ ۲۱۔

(۲) الأنوار النعمانیۃ، جلد ۲ صفحہ ۳۵۷۔

اسی طرح مجلسی کہتے ہیں: ”بہت سی صحیح اور صریح روایات قرآن مجید میں کمی اور تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔“[۱]

اور حرّ عاملی لکھتے ہیں: «جان لیجیے کہ حق بات یہی ہے جس سے فرار ممکن نہیں کہ بہت سی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد اس موجودہ قرآن میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور جن لوگوں نے اسے آپ ﷺ کے بعد جمع کیا انہوں نے بہت سے کلمات اور آیات کو اس میں سے نکال دیا ... میرے نزدیک روایات کے تتبع اور آثار کی جانچ پڑتال کے بعد اس قول کی صحت اس قدر واضح ہوجاتی ہے کہ اسے مذہبِ تشیع کی ضروریات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔»[۲]

- **ایسی چند مثالیں جنھیں وہ تحریف شدہ قرار دیتے ہیں:**

شیعی عالم کلینی نے اپنی کتاب (الکافی) میں، جو ان کے نزدیک معتبر ترین کتاب سمجھی جاتی ہے ؛ متعدد ایسی روایات نقل کی ہیں جو قرآن کریم میں تحریف واقع ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت کے مطابق، ابو عبد اللہ (جعفر صادق) علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

(۱) مرآۃ العقول، جلد ۲ صفحہ ۵۳۶۔

(۲) مرآۃ الاأنوار ، صفحہ ۳۶۔

کے بارے میں مروی ہے: ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ – فى ولايةِ عليّ والأئمة من بعده –فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾ ''جس نے اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت کی ۔یعنی علی اور ان کے بعد آنے والے ائمہ کی ولایت کے بارے میں۔ تو وہ ایک عظیم کامیابی سے سرفراز ہوا۔'' یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی تھی۔[۱]

علی قمی نے اپنی تفسیر میں ایک روایت ذکر کی ہے کہ جب ابو عبد اللہ (جعفر صادق) کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ''تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی۔'' [آل عمران: ۱۱۰]۔ تو انہوں نے کہا: کیا وہ بہترین امت ہوسکتے ہیں جو امیر المؤمنین اور حسن و حسین کو قتل کریں؟ قاری نے پوچھا: پھر یہ آیت کیسے نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا: یوں نازل ہوئی تھی: (كنتم خير أئمة) ''تم بہترین ائمہ تھے۔''[۲]

اسی طرح مجلسی نے اپنی کتاب ''بحار الأنوار'' میں سورۂ انشراح کے بارے میں تحریف نقل کی ہے کہ اصل آیت یوں نازل ہوئی تھی: (ألم نشرح لک صدرک،

---

(۱) الکافی، جلد ۱، صفحہ ۴۱۷۔
(۲) تفسیر القمی، جلد ۱ صفحہ ۱۱۰۔

ووضعنا عنک وزرک الذي أنقض ظهرک، ورفعنا لک ذکرک بعلي صهرک) ”
کیا ہم نے تیرے لیے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔ ہم نے تجھ سے تیرا بوجھ اتار دیا۔وہ جس نے تیری پیٹھ توڑ دی۔اور ہم نے تیرے لیے تیرا ذکر بلند کر دیا علی کو تمہارا داماد بنا کر۔“ اور یہ بھی کہا کہ نبی ﷺ نے اسے اسی طرح پڑھا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے مصحف میں ثابت رکھا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے نکال دیا۔(۱)

• تحریف کے صریح اقرار میں ایک مستقل کتاب:

نوری طبرسی نے تحریفِ قرآن کے اثبات میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس کا عنوان ہے: «فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب»۔ اس کتاب میں انہوں نے بہت سی ایسی چیزیں ذکر کی ہیں جن کے ذریعے وہ قرآن میں تحریف کا دعویٰ کرتے ہیں۔

- ان کے نزدیک قرآنی تحریف کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کی بعض عبارات انتہائی فصیح اور حدِّ اعجاز کو پہنچی ہوئی ہیں، جبکہ بعض دیگر عبارات —— ان کے بقول —— اس معیار کی نہیں ہیں۔

---

(۱) بحار الانوار، جلد ۳۶ صفحہ ۱۱۶۔

- اسی کتاب میں انہوں نے ایک سورت نقل کی ہے جسے ”سورۃ الولایۃ“ کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ذکر کیے گئے ہیں: (يأيها الذين آمنوا آمنوا بالنورين، أنزلناهما يتلوان عليكم آياتي ويحذرانكم عذاب يوم عظيم، نورا في بعضهما من بعض وأنا السميع العليم، إن الذين يوفون بعهد الله ورسوله في آيات لهم جنات النعيم، والذين كفروا من بعد ما آمنوا بنقضهم ميثاقهم وما عاهدهم الرسول عليه يقذفون في الجحيم، ظلموا أنفسهم وعصوا وصية الرسول أولئك يسقون من حميم) ” اے ایمان والو! ان دونوں نوروں پر ایمان لاؤ، جنہیں ہم نے ہی نازل کیا ہے کہ وہ تم پر میری آیات تلاوت کریں اور تمہیں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرائیں۔ دونوں نور ایک دوسرے سے ہیں، اور میں خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہوں۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے آیات میں کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں، ان کے لیے نعمتوں والی جنتیں ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر کرتے ہیں، اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور اس بات کی خلاف ورزی کرتے ہیں جس کا رسول نے ان سے عہد لیا تھا، وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور رسول کی وصیت کی نافرمانی کی، یہی لوگ کھولتا ہوا پانی پلائے جائیں گے۔“

آگے اسی طرح کی مزید تحریفات بھی ذکر کیں.... اور دعویٰ کیا کہ یہ ایک سورت تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی، مگر صحابۂ کرام نے اسے حذف کر دیا۔ اسی طرح کی بات شیعہ عالم ابن شہر آشوب نے بھی نقل کی ہے۔

• نوری طبرسی کون تھے؟

الکنی والألقاب کے مصنف عباس قمی لکھتے ہیں کہ ''طبرسی'' کا اطلاق ہمارے بزرگ شیخ، ثقۃ الاسلام حاجی مرزا حسین بن علامہ محمد تقی نور طبرسی پر بھی ہوتا ہے جو مستدرک الوسائل کے مصنف ہیں۔ وہی شیخ الاسلام والمسلمین، علومِ انبیاء و مرسلین کے مروّج، ثقہ اور جلیل القدر اور کامل عالم تھے۔اسی طرح آغا بزرگ طہرانی نے نور طبرسی کی سوانح میں لکھا ہے کہ ''وہ اپنے زمانے میں اورمتاخر ادوار میں علمِ حدیث و رجال کے اماموں کے امام، شیعہ کے عظیم علماء میں سے ایک، اور اس صدی کے اکابر رجالِ اسلام میں سے ہیں۔''

• مروياتِ تحریف پر شیعہ کا عمل!

شیعہ حضرات کے ہاں وضو کا طریقہ قرآنِ مجید کے صریح حکم کے خلاف ہے۔ مثال کے طور پر ہاتھ دھوتے وقت وہ کہنیوں سے ہتھیلیوں کی طرف دھونا

شروع کرتے ہیں جو کہ سورۂ مائدہ کی آیت کے برخلاف ہے۔ ان کے نزدیک اس طرزِ عمل کی بنیاد ایک ایسی روایت پر ہے جس میں قرآن کے الفاظ میں تحریف کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کی معتبر ترین کتب میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ہیثم بن عروہ تمیمی نے جعفر صادق سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں سوال کیا: ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ ''اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو۔'' [المائدۃ: ٦]۔ راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے (وضو کرتے ہوئے) اپنی ہتھیلیوں کی پشت سے کہنیوں تک مسح کیا۔ اس پر جعفر نے کہا: '' آیت کا نزول اس طرح نہیں ہے، بلکہ یوں ہے: (فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ من الْمَرَافِقِ) اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کو کہنیوں کی طرف سے شروع کر کے دھو لو۔ پھر وہ کھڑے ہوئے اور اپنی کہنی سے انگلیوں تک ہاتھ پھیر کر دکھایا۔''(۱)

اس روایت میں تعجب خیز امر یہ ہے کہ امام نے اس راوی کے وضو کو غلط قرار دیا جو آیت کے الفاظ: (إلی المرافق) کے عین مطابق تھا ۔ انہوں نے یہ دعوی کیا کہ اس کا اس طرح وضو کرنا غلط ہے۔ پھر اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا کہ آیت اس طرح نازل نہیں ہوئی بلکہ (من المرافق)کے الفاظ کے

(۱) الکافی از کلینی، جلد ۳ صفحہ ۲۸؛ بحار الانوار، جلد ۸۰ صفحہ ۲۴۳۔

ساتھ نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ آج بھی شیعہ حضرات اسی بیان کردہ طریقے کے مطابق وضو کرتے ہیں جو قرآنی آیت کے صریح خلاف ہے اور اس روایت پر عمل کرتے ہیں جس میں قرآن کے الفاظ میں تحریف کا اقرار پایا جاتا ہے۔

◉ دوسرا مبحث: سنتِ نبوی کے بارے میں ان کا عقیدہ:

علمائے اہلِ سنت شیعہ کو منکرینِ سنت شمار کرتے ہیں کیونکہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات کو قبول نہیں کرتے۔ تاہم شیعہ حضرات اپنی کتب میں اپنے ائمہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں: ”ہر چیز کو کتاب و سنت کی طرف لوٹایا جائے گا اور ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ من گھڑت ہے۔“(۱) اس سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ شیعہ سنتِ رسول ﷺ کے منکر نہیں بلکہ اسے کتاب اللہ کے ساتھ میزان اور معیارِ فیصلہ قرار دیتے ہیں۔

لیکن جو شخص شیعی نصوص اور روایات کا مطالعہ کرتا ہے وہ اس نتیجے تک پہنچ سکتا ہے کہ شیعہ بظاہر سنت کے قائل ہیں مگر درپردہ اس کی نفی کرتے ہیں کیونکہ ان کی اکثر روایات اور اقوال، فہم و عمل اور اسانید و متون کے اعتبار

(۱) صحیح الکافی از بہبودی، جلد ۱۱ صفحہ ۱۔

سے اس معروف سنت کے برخلاف ہوتے ہیں جسے عام مسلمان جانتے اور مانتے ہیں۔ اس کی وضاحت درج ذیل نکات سے ہوتی ہے:

- **پہلا نکتہ: امام کا قول، اللہ اور اس کے رسول کے قول کی مانند ہے:**

شیعہ کے نزدیک سنت سے مراد ہر وہ قول، فعل یا تقریر ہے جو امام معصوم سے صادر ہو۔[1] چنانچہ ان کے عقیدے کے مطابق بارہ امام معصوم ہیں، ان کا کلام اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کے کلام کی طرح حجت ہے جو اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے بلکہ ان کا فرمان وحی ہوتا ہے۔

ان کے ایک معاصر عالم کا قول ہے: "ائمہ کی عصمت کے عقیدے کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے صادر ہونے والی احادیث کو صحیح مانا جائے اگر چہ ان کی اسناد نبی کریم ﷺ تک متصل نہ بھی ہوں جیسا کہ اہلِ سنت کے ہاں شرط ہے[2]۔ اسلیے اس لیے کہ ان کے نزدیک امامت "نبوت کا ہی تسلسل" ہے۔[3]

بلکہ ان کے نزدیک اماموں کا رتبۂ و مقام رسولوں کے مانند ہے: ان کا قول، اللہ کا قول ہے۔ ان کا حکم، اللہ کا حکم ہے۔ ان کی اطاعت، اللہ کی اطاعت

---

(۱) الأصول العامة للفقه المقارن از محمد تقی الحکیم، صفحہ ۱۲۲۔

(۲) تاریخ الإمامیة از عبد اللہ فیاض، صفحہ ۱۴۰۔

(۳) عقائد الإمامیة از محمد رضا المظفر، صفحہ ۱۲۶۔

ہےاور ان کی نافرمانی، اللہ کی نافرمانی ہے۔ ائمہ جو کچھ کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کی وحی کے مطابق ہوتا ہے۔[۱]

ان کی معروف کتاب (الکافی) میں ایک روایت نقل کی گئی ہے جسے وہ اپنے اس عقیدے پر بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔ جس کی نسبت ابو عبد اللہ جعفر صادق کی طرف کی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میری حدیث میرے والد کی حدیث ہے اور میرے والد کی حدیث میرے دادا کی حدیث ہے اور میرے دادا کی حدیث حسین کی حدیث ہے اور حسین کی حدیث حسن کی حدیث ہے اور حسن کی حدیث امیر المؤمنین کی حدیث ہے اور امیر المؤمنین کی حدیث رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔"[۲] الکافی کے ایک شارح نے اس قول کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر امامِ ظاہر کی حدیث درحقیقت اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ توجس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام میں اختلاف نہیں اسی طرح ائمہ کے اقوال میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔[۳]

---

(۱) الاعتقادات از ابن بابویہ، صفحہ ۱۰۶۔

(۲) اِصولِ کافی، جلد ۱ صفحہ ۵۳۔

(۳) شرح جامع علی الکافی ازمازندرانی، جلد ۲ صفحہ ۲۷۲۔

وہ اس نظریے کو دو بنیادی قواعد اور خطرناک اصولوں پر قائم کرتے ہیں۔ان کے نزدیک ائمہ کا علم دو قسم کا ہے:

۱. علمِ حادث: جو الہام وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے۔

۲. علمِ مستودَع: جو ان کے بقول رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں ملا اور ان سب کو سنت ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔

ان کے آیتِ عظمی شہاب الدین نجفی کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو مکمل طور پر دین کے تمام احکام کی تعلیم دینے کا موقع نہ مل سکا ...آپ ﷺ نے جنگوں کی مشغولیت کو احکام کی تہذیب وتنقیح اور تفصیلات بیان کرنے پر مقدم کیا... خصوصاً اس وجہ سے کہ آپ کے زمانے کے لوگ آئندہ زمانوں میں پیش آنے والے تمام امور کو سیکھنے کی پوری استعداد نہیں رکھتے تھے۔(۱)

یہ نہایت سنگین نوعیت کا قول ہے! کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ پر یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ کے دین کی تبلیغ مکمل نہیں کی۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے صریح خلاف ہے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ ”آج میں نے

(۱) تعلیقات النجفی علی إحقاق الحق، جلد ۲۸ صفحہ ۲-۲۸۹۔

تمھارے لیے تمھارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔" [المائدہ: ۳]

مزید برآں، اس میں یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ نے اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی اور شریعتِ الٰہی کی تبلیغ پر جنگوں کو مقدم رکھا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ "اے رسول! پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔" [المائدۃ: ٦٧]۔

- دوسرا نکتہ: شیعوں کی کتبِ احادیث پر چند ملاحظات:

نمبر۱: ان کے نزدیک معتبر کتابیں:

شیعہ کے ہاں کتبِ احادیث کی بنیاد ان روایات پر ہے جو وہ اپنے ہاں معصوم سمجھے جانے والے ائمہ سے نقل کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک معتبر اور بنیادی کتب کی تعداد آٹھ ہے:

- اوّلین چار کتابیں: الکافی، تهذیب الأحکام، الاستبصار، من لا یحضره الفقیہ۔ان کے ایک معاصر عالم محمد صادق الصدر کا کہنا ہے کہ شیعہ... اس بات پر متفق ہیں کہ

کتبِ اربعہ معتبر ہیں اور وہ ان میں موجود تمام روایات کو صحیح مانتے ہیں۔[1]

- چار متاخر کتابیں: الوافي، بحار الأنوار، وسائل الشيعة ، مستدرک الوسائل۔ اس طرح ان کے بنیادی مصادر کی تعداد آٹھ ہوجاتی ہے ۔ ان کے ایک معاصر عالم محمد صالح الحائري کا کہنا ہے: ''امامیہ کی ''صحاح'' یعنی صحیح ترین آٹھ کتب ہیں: ان میں سے چار کتابیں :پہلے تین محمد نامی مصنفین (کلینی، صدوق، طوسی) کی ہیں ، پھراس کے بعد تین کتابیں آخری تین محمد نامی مصنفین کی ہیں اور آٹھویں کتاب معاصر عالم مرحوم محمد حسین نوری کی ہے ۔''[2]

چار کتابوں میں سے الکافی کو سب سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے۔[3] اس میں تقریباً (۱۶,۱۹۹) روایات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب ''الکافی'' کو مہدی کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''یہ ہمارے شیعہ کے لیے کافی ہے۔''[4] اسی بنا پر محب الدین الخطیب نے کہا کہ شیعہ کے نزدیک الکافی کا وہی مقام ہے جو مسلمانوں کے نزدیک صحیح بخاری کا ہے۔[5]

(۱) الشیعہ ، صفحہ ۱۲۷۔

(۲) منہاج عمليّ للتقریب از محمد صالح حائری، شامل در کتاب الوحدۃ الاِسلامیہ، صفحہ ۲۳۳۔

(۳) الشیعہ ، صفحہ ۱۳۳۔

(۴) مقدمۃُ الکافی از حسین علی محفوظ، صفحہ ۲۵۔

(۵) الخطوط العریضۃ، صفحہ : ۲۸۔

اسی طرح بحار الانوار شیعہ کے ہاں نہایت عظیم الشان کتاب سمجھی جاتی ہے بلکہ اسے ہی ان کے مذہبی معارف وحقائق کی تحقیق کا ماخذِ فرید قرار دیا جاتا ہے۔[1] عجیب بات یہ ہے کہ اس کے مؤلف مجلسی نے اسے ۲۶ جلدوں میں مرتب کیا تھا[2] لیکن کچھ معاصرین نے اس میں مزید کتابیں بھی شامل کردیں جن کا مصنف سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ اسی طرح اسنادی اجازات پر مشتمل بہت سی مجلدات کو اس لیے اس میں شامل کر دیا تاکہ نئی طباعت کو صفر[3] سے شروع کرکے اسے (۱۱۰) جلدوں تک پہنچا دیا جائے۔ یہ طرزِ عمل ایک ظاہری ثقافتی نمائش اور مذہبی تشہیر کے لیے اپنایا گیا ، یہ لوگ ایسے پروپیگنڈے کے نہایت دلدادہ ہیں۔

نمبر۲: ان کتب کی تدوین کا وقت:

قابل غور بات یہ ہے کہ شیعہ کی چاروں متأخرہ کتابیں گیارہویں صدی ہجری اور اس کے بعد تالیف کی گئیں اور ان میں آخری کتاب محمد حسین نوری طبرسی (وفات ۱۳۲۰ھ) کی ہے جس میں انہوں نے ائمہ سے تقریباً (۱۳,۰۰۰) حدیثیں

(۱) مقدمۃ بحار الانوار از بہبودی، صفحہ ۱۹۔
(۲) دیکھیے: الذریعہ، جلد ۳ صفحہ ۲۷۔
(۳) کیونکہ پہلی جلد کو صفر کا نمبر دیا گیا ہے۔

جمع کیں ہیں۔[1] یہ روایات پہلے معلوم نہیں تھیں! یہ کتب آئمہ کے زمانے سے سینکڑوں سال بعد لکھی گئی ہیں۔ یہ حقیقت ان کتب کی مصداقیت کو ختم کردیتی ہے کیونکہ ایسی روایت کیسے قبول کی جاسکتی ہے جو (۱۱ یا ۱۳) صدیوں تک تحریر ہی نہیں ہوئی؟ اور عجیب بات یہ ہے کہ بعض مصنفین نے اپنی کتب میں صراحت سے لکھا ہے کہ انہیں ایسی کتابیں ملیں جو پہلے ان کی معتبر کتب میں شامل نہ تھیں:

- مجلسی کہتے ہیں: ''اللہ کے فضل سے ہمارے پاس چار کتب کے علاوہ تقریباً دو سو کتابیں جمع ہیں جنہیں میں نے بحار الأنوار میں مرتب کردیا ہے۔''[2]

- ان کے عالم حرّ عاملی نے کہا کہ ان کے پاس چار کتب کے علاوہ (۸۰) سے زائد کتابیں جمع ہیں جنہیں انہوں نے وسائل الشیعہ میں جمع کردیا۔[3]

- اسی طرح نوری طبرسی نے بھی ایسی کتابیں دریافت کیں جو پہلے کبھی تحریر نہیں ہوئیں، حالانکہ وہ معاصرین میں سے ہیں۔ جیسا کہ آغا بزرگ طہرانی نے کہا: ''مصنف کو بعض اہم کتابیں دریافت ہوئیں جو اس سے پہلے شیعہ کی

(۱) الذریعہ، جلد۲۱ صفحہ ۷۔

(۲) اعتقادات المجلسی، صفحہ: ۲۴، الفکر الشیعی از مصطفیٰ الشیبی، صفحہ ۶۱۔

(۳) وسائل الشیعہ، جلد ۱، المقدمہ اور الذریعہ، جلد ۴ صفحہ ۳۵۲۔۳۵۳۔

جامع کتب میں شامل نہیں تھیں اور یہی چیز ان کی تالیف کا سبب بنی۔"[1]

ان نئی دریافت شدہ احادیث سے صرف نظر نہیں کیاجاسکتا جو کہ مستدرک الوسائل میں جمع کی گئیں ہیں، جیساکہ الذریعہ کے مصنف آیت اللہ الخراسانی کا قول نقل کرتے ہیں کہ عصر حاضر کے مجتہد کے لیے اس وقت تک حجت تمام نہیں ہوتی جب تک وہ مستدرک سے رجوع نہ کرلے اور اس میں موجود احادیث کا مطالعہ نہ کرلے۔[2]

چند سوالات:

۱. کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ (مستدرک) کی تالیف سے پہلے ان کے ہاں ان کے شیخ کے قول میں حجت نہیں تھی؟!

۲. نئی احادیث دریافت ہونے سے پہلے شیعہ کا کیا حال تھا؟ کیا وہ ہدایت یافتہ تھے یا گمراہ تھے یا ان کے دین میں کچھ نقص اور کمی تھی؟

۳. ان کے متقدم علماء نے یہ روایات کیوں نہیں جمع کیں؟ کلینی نے انہیں کیوں تحریر نہیں کیا حالانکہ وہ مہدی کے چار سفیروں کے زمانے میں موجود

(۱) الذریعہ، جلد ۷ صفحہ ۲۱۔

(۲) الذریعہ، جلد ۲ صفحہ ۱۱۱۔

تھےاور انہوں نے الکافی نام اسی لیے منتخب کیا کیونکہ یہ شیعہ کے لیے کافی ہے اور یہ مہدی کا قول بھی ہے!

۴. کیا طوسی نے جھوٹ بولا کہ انہوں نے اپنی کتاب ”تہذیب الأحکام“ (جو ان کی قدیم ترین چار کتابوں میں شمار ہوتی ہے) میں فقہ سے متعلق ان کے اصحاب کی تمام احادیث جمع کر دی ہیں ۔ نیز اس میں ان کی کتابوں اور اصولوں کو بھی اکٹھا کردیا ہے ۔ اب چند نہایت قلیل، نادر اور شاذ روایات کے علاوہ اس مجموعے سے کوئی چیز باہر نہیں رہی؟(۱)

نمبر۳: ان کتب کے متن اور نصوص:

ان کتب میں نمایاں اختلاف اورواضح تضاد پایا جاتا ہے۔ شیعہ کے عالم محمد بن حسن طوسی خود اس پرافسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ان کی روایات اختلاف، تباین، نفی اور تضادمیں اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ تقریبا ہر حدیث کے مقابلے میں ایسی حدیث موجود ہے جو اسے رد کرتی ہے اور ہر روایت کے ساتھ ایسی روایت ہے جو اس سے متصادم ہے۔“ انہوں نے اعتراف کیا کہ یہ اختلاف دیگر مذاہب کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اور یہ ان کے مذہب پر بڑے

(۱) الاستبصار، جلد ا صفحہ ۲۔

اعتراضات میں سے ایک ہے۔ اسی وجہ سے کچھ شیعہ حضرات نے اس مذہب کو چھوڑ دیا، جب یہ اختلاف اور تضاد ان پر آشکار ہو گئے ۔(۱)

ان کے عالم شیخ طوسی نے اس اختلاف کا ازالہ کرنے اور اس تضاد کو دور کرنے کی توجیہ پیش کرتے ہوئے ایک غیر علمی کوشش کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے بغیر کسی دلیل و برہان کے، روایات کے زیادہ تر اختلاف کو تقیہ پر محمول کر دیا! جس کی اس کے سوا کوئی دلیل نہ تھی کہ وہ حدیث اہلِ سنت کے موافق ہے۔

اسی طرح الوافی جو کہ ان کی آٹھ معتبر کتابوں میں سےایک ہے، اس کے مؤلف الفیض الکاشانی شکوہ کناں ہیں کہ ان کے فرقے میں اختلاف اس قدر ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ ایک ہی مسئلے میں بیس، تیس یا اس سے بھی زیادہ اقوال ہیں بلکہ یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ کوئی بھی جزوی مسئلہ ایسا نہیں جس میں اختلاف نہ ہو یا اس سے متعلقہ اجزامیں اختلاف نہ ہو۔(۲)

---

(۱) تہذیب الأحکام، جلد ا ص ۲-۳۔

(۲) الوافی، المقدمہ صفحہ: ۹۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ اختلاف فہم یا استنباط میں نہیں بلکہ روایات اور اصل متون والفاظ میں ہے۔ بلاشبہ یہ تضاد اس بات کی علامت ہے کہ یہ روایات بالکل بھی صحیح نہیں ہیں جو نبی ﷺ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی ذریت کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ۔

نمبر4: ان روایات کے مواد اورمعانی :

ان روایات میں ایسا مواد بھی ہے جو اصولِ اسلام اور صریح عقل دونوں کے سراسر خلاف ہے۔ لٰہذا محض ان کے متن پر غور کرنے سے ہی انسان فیصلہ کرسکتا ہے کہ یہ من گھڑت اور موضوع ہیں۔ مثلاً: ''بصائر الدرجات'' میں سفیان السمط سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو عبد اللہ جعفر صادق سے کہا:'' میں آپ پر قربان جاؤں ، ایک شخص آپ کی طرف سے ہمارے پاس آتا ہے جو جھوٹ میں مشہور ہےاور ایسی حدیث بیان کرتا ہے جسے ہم ناپسند کرتے ہیں۔ تو ابوعبد اللہ نے فرمایا: کیا وہ تم سے یہ کہتا ہے کہ میں نے رات کو دن اور دن کو رات کہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ ایسا کہہ دے کہ میں نے ہی ایسی بات کہی ہے، تو اسے مت جھٹلانا کیونکہ اس طرح تم دراصل مجھے جھٹلاؤ گے۔[۱]

---

(۱) بحار الأنوار، جلد ۲ صفحہ ۲۱۱۔۲۱۲۔

ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ ہماری احادیث سے دلوں میں تنگی اور اجنبیت سی محسوس ہوتی ہے۔ جو شخص انہیں قبول کر لے اس کے سامنے مزید بیان کرو اور جو انکار کردے اسے چھوڑ دو۔[۱]

ان کے عالم مجلسی نے اپنی کتاب الاتجاہ[۲] میں ایک باب قائم کیا ہے: "ان ائمہ علیہم السلام کی حدیث نہایت دشوار اور پیچیدہ ہے۔ ان کے کلام کے متعدد معانی اور جہات ہوتی ہیں۔ ان کی روایات میں غور و تدبر کرنا اور انہیں مکمل تسلیم کرنا باعثِ فضیلت ہے اور ان کی احادیث کو رد کرنا منع ہے۔"[۳]

جب آپ اس کا اہلِ سنت کے نقطۂ نظر کے ساتھ موازنہ کریں تو فرق پوری طرح نمایاں ہو جائے گا۔ جیساکہ الربیع بن خثیم (وفات ۶۱ھ) کا قول ہے جن کے بارے میں ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اگر اللہ کے رسول ﷺ آپ کو دیکھ لیتے تو آپ سے محبت کرتے۔" وہ فرماتے ہیں: بعض احادیث دن کی روشنی کی مانند روشن اور واضح ہوتی ہیں اور پہچان لی جاتی ہیں جبکہ بعض احادیث رات کی تاریکی کی طرح ہوتی ہیں جن کا ہم انکار کر دیتے

---

(۱) بحار الانوار، جلد ۲ صفحہ ۱۹۲۔

(۲) صفحہ ۱۱۶۔

(۳) ملاحظہ کیجیے: گزشتہ حوالہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۔۲۱۲۔

ہیں۔[۱]

چنانچہ ایک طرف اہلِ سنت کے پاس وہ حدیثِ نبوی ہے جو اپنی وضاحت اور صراحت میں روزِ روشن کی طرح ہےاور دوسری طرف اہلِ بیت کی طرف منسوب وہ کلام ہے جو نہایت مشکل، پیچیدہ اور کثیر الوجوہ ہے۔ اگر صورتِ حال یہی ہو تو پھر شیعہ لوگ یہ دعویٰ کس بنیاد پر کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم کا فہم اہلِ بیت کے کلام کے ذریعے ہی ممکن ہے؟ جب کہ وہ تو اپنی اصل کے اعتبار سے نہایت دشوار اور ناقابلِ فہم ہیں!

نمبر ۵: ان مدون کتابوں کی روایات کی صحت کا درجہ:

شیعی علما کے نزدیک اپنی چار کتب ِ احادیث کی صحت کے بارے میں دو مختلف آرا پائی جاتی ہیں:

۱. اخباری مکتبِ فکر: اخباری حضرات ان کتب کی کامل صحت کے قائل ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ان میں موجود ہر حرف ائمۂ معصومین سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ ان کے ایک عالم مامقانی اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”چاروں کتابوں میں سے ہرایک کے دو سرورق کے درمیان مجموعی طور

(۱) اسے خطیب بغدادی نے”الکافیہ“ (ص ۶۰۵) میں روایت کیا ہے۔

پر جو کچھ موجود ہے وہ متواتر ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں بلکہ غور کیا جائے تو یہ حدِّ تواتر سے بھی آگے ہے۔"[۱] اس بنا پر اخباری اثنا عشریہ کے نزدیک یہ چاروں کتابیں حدِّ تواتر سے بھی اعلیٰ درجہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ وہ ان میں وارد ان روایات کو بھی قبول کرتے ہیں جو کتاب اللہ سے متعارض ہیں بلکہ انہیں کتاب اللہ پر حاکم قرار دیتے ہیں۔

۲. اصولی مکتبِ فکر: اصولی علما ان کتب کو اخبارِ آحاد کے درجے میں شمار کرتے ہیں اور ان کی صحت کا فیصلہ سند کی تحقیق کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ اسی تناظر میں اپنے زمانے کے رئیسِ مذہب جعفر نجفی (متوفی ۱۲۲۷ھ) نے کتبِ اربعہ کے مؤلفین کے بارے میں کہا: "محمد نامی تینوں مؤلفین پر تحصیلِ علم میں کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے جبکہ ان میں سے بعض، بعض کی روایات کی تکذیب کرتے تھے... اور ان کی روایات بھی باہم متعارض ہیں... مزید یہ کہ ان کی کتب میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جن کے جھوٹا ہونے میں کوئی شک بھی نہیں ہے، جیسا کہ تجسیم و تشبیہ، قدمِ عالم، اور مکان و زمان کے ثبوت سے متعلق روایات ۔"[۲]

---

(۱) تنقیح المقال، جلد ا صفحہ ۱۸۳، سنِ طباعت: ۱۳۴۹ھ۔

(۲) کشف غطا، صفحہ ۴۰۔

لیکن یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ یہ چاروں کتابیں ایسے اصل مصادر سے ماخوذ ہیں جو ائمہ پر پیش کیے گئے تھے۔ بالخصوص الکافی کو ان کے مہدی پر پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”یہ ہمارے شیعہ کے لیے کافی ہے۔“ اسی طرح من لا یحضرہ الفقیہ کے مصنف نے غیبتِ صغریٰ کا بیس سال سے زائد کا زمانہ پایا تھا۔[1] سوال یہ ہے کہ اگر ان کتابوں میں موضوع (من گھڑت) روایات موجود تھیں تو ائمہ نے ان پر اعتراض کیوں نہ کیا؟ اس کے جواب میں جعفر کاشف الغطا کو کوئی جواب نہ مل سکا تو انہوں نے اسے تقیہ پر محمول کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ”ائمہ پر یہ لازم نہیں تھا کہ وہ فوراً انکار کرتے یا صحیح وغلط کے مابین تمیز کرتے۔ کیونکہ یومِ سقیفہ کے بعد کے حالات سے جو تقیہ پیدا ہوا تھا وہی مانع تھا۔“[2]

تاہم یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے: جب شیعہ کے اصولی علما نے اسناد کی تحقیق کے ذریعہ تصحیح و تضعیف کا منہج اختیار کیا ہے تو کیا ان کے ہاں علمِ رجال اور جرح و تعدیل کی باقاعدہ معرفت اور درایت موجود ہے؟

---

(۱) الصدر ۔الشیعہ ، صفحہ ۱۲۵۔

(۲) کشف غطاء، صفحہ ۴۰۔

- **اس کے جواب میں ہم درج ذیل باتیں نوٹ کر سکتے ہیں:**

- شیعی علما کے پاس ابتدائی زمانے میں رجال کے احوال پر کوئی مستقل کتاب موجود نہیں تھی۔ سب سے پہلے الكشي نے چوتھی صدی ہجری میں ان کے لیے اس فن میں ایک کتاب تصنیف کی۔

- ان کی پہلی کتاب رجال الكشي اس قدر مختصر تھی کہ اس موضوع پراس میں خاطر خواہ مواد موجود نہیں تھا۔

- اس کتاب میں جرح و تعدیل سے متعلق متعارض روایات بھی موجود ہیں۔(۱)

- رجال کی موجودہ شیعی کتابیں صرف بعض رواۃ کے حالات بیان کرتی ہیں۔(۲)

- «بہت سی اسناد میں غلطی یا شبہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً: راویوں کے اوران آباء کے ناموں میں، یا کنیت اور القاب میں۔» (۳)

---

(۱) مثال کے طور پر دیکھیے: زرارہ بن اِعین، ابوبصیر،اور جابر جعفی وغیرہ کے حالات۔

(۲) النواقض از شیرازی (مخطوط) صفحہ ۱۱۳۔

(۳) تنقیح القال از مامقانی، جلد ۱ صفحہ ۱۷۷۔

- حدیث کو صحیح اور غیر صحیح میں تقسیم کرنے کا طریقہ شیعی علماء کے ہاں ساتویں صدی ہجری میں رائج ہوا اور ان اصولوں کی تدوین میں انہوں نے اہل سنت کی تصنیفات سے مدد لی۔(۱)

- اصول حدیث اور علوم حدیث کے بارے میں تصنیف ان کے ہاں تقریباً معدوم تھی یہاں تک کہ زین الدین العاملی(۲) (الملقب بالشهيد الثاني، مقتول ۹۶۵ھ) نمودار ہوئے۔(۳) اس حقیقت کا اعتراف خود شیعی کتب نے بھی کیا ہے۔

ان کے عالم حائری کہتے ہیں: "اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے علماء میں قبل أز الشهيد الثاني حدیث کی درایت پر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، اور یہ علم عوام (اہل السنہ) میں زیادہ رائج تھا..."(٤) سوائے اس کے کہ ان کے کچھ اپنے مخصوص معیار بھی ہیں، جیسے کہ عادت وغیرہ۔

مثال کے طور پرآپ دیکھیں گے کہ وہ اس شخص کی توثیق کردیتے ہیں جو غائب مہدی کو دیکھنے کا دعوی کردے بلکہ وہ اسے عدالت سے بالا تر سمجھتے ہیں۔

---

(۱) التحفة الاثنا عشرية، قلمی نسخہ، صفحہ ۱۰۵۔

(۲) النواقض، صفحہ ۱۱۱-۱۱۲۔

(۳) دیکھیے: الكنى والألقاب از قمی، جلد ۲ صفحہ ۳۴۴۔

(۴) مقتبس الأثر، جلد ۳ صفحہ ۷۳، التحفة الاثنا عشرية، قلمی نسخہ، صفحہ ۱۰۵۔

جبکہ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا تزکیہ اور تعدیل میں کوئی اثر نہیں۔ غیر اثنا عشری شیعی راوی کی روایت ان کے ہاں صحیح نہیں مانی جاتی لیکن اثنا عشری شیعی راوی کی روایت مقبول ہے حتیٰ کہ اگر وہ ائمہ کی زبان میں مذموم بھی ہو۔ بلکہ ابنِ مطہر حلی نے صراحت سے فرمایا: ''کسی شخص کے دین پر طعن ، اس کی حدیث پر طعن کا موجب نہیں ہے۔''[1] لہذا اگر یہی شیعہ کے معیار ہیں تو ان کے رجال کی حقیقت کیا ہو گی؟

نمبر٦: ان کی اسانید کے رواۃ:

ان کتب کے مصنفین کو ائمہ سے شرفِ ملاقات نصیب نہیں ہوا، اور انہوں نے ان کے اقوال ان افراد کے ذریعہ حاصل کیے جو ان ائمہ اور خود مصنفین کے درمیان تھے۔ تو پھر ان افراد کے حالات کیا ہیں جنہوں نے جعفر صادق اور دیگر شیعی ائمہ سے یہ تمام روایات نقل کیں ہیں؟

- ان کے راویوں کے احوال پر نظر ڈالنے سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

- ان کی کتابوں کے رواۃ میں سے ایسے اشخاص بھی ہیں جو فاسق وفاجر، زندیق

(۱) رجال الحلی ، صفحہ ۱۳۷۔

اور کافر بھی ہیں،جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

- چنانچہ بعض وہ ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے عالم نہیں تھا —جسے ”البداء“ سے تعبیر کیا جاتا ہے— جیسے زرارہ بن اعین، بکیر بن اعین، سلیمان الجعفری، محمد بن مسلم الطحان وغیرہ ہیں۔

- ان میں ایسے افراد بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیااور وہ خالقِ قدیم، انبیاء علیہم السلام اور بعث و معاد پر ایمان نہیں بھی رکھتے۔ جیسے دیک الجن شاعر۔

- کچھ ایسے بھی ہیں جو نصرانی تھے، علانیہ اپنے نصرانی ہونے کا اظہار کرتے، انہی کا لباس پہنتے اور ان کی صحبت ترک نہ کرتے تھے۔ جیسے زکریا بن ابراہیم النصرانی، جن سے ابو جعفر طوسی نے اپنی کتاب ”التھذیب“ میں روایات لی ہیں۔

- بعض وہ ہیں جن کے متعلق خود جعفر صادق نے ان کے جھوٹے ہونے کا اظہارکیا اور شیعی کتابوں کے اعتراف کے مطابق فرمایا: ” وہ ہماری طرف

جھوٹی روایات منسوب کرتے اور ہم اہلِ بیت پر افتراپردازی کرتے ہیں‘‘[۱] جیسے تبّان جوکہ احمد نام سے معروف تھا۔

- تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا جب ہم زرارہ جیسے راوی کو دیکھتے ہیں کہ وہ کثیر تعداد میں روایات نقل کرتا ہے حالانکہ اس پر ان کے اپنے ائمۂ معصومین کی زبان سے لعنت منقول ہے۔

- اسی طرح بعض رواۃ ایسے بھی ہیں جن سے متعلق خود ائمہ نے متنبہ فرمایا ہے، جیسے ہشام بن سالم، میثمی اور صاحب الطاق۔ چنانچہ کلینی نے ابراہیم خراز اور محمد بن حسین سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا: ہم ابو حسن رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہشام بن سالم، میثمی اور صاحب الطاق یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سر سے ناف تک کھوکھلا ہے اور باقی حصہ ٹھوس ہے۔ یہ سن کر آپ سجدے میں گر پڑے، پھر فرمایا: «تو پاک ہے! انہوں نے نہ تیری معرفت حاصل کی اور نہ تیری وحدانیت کو پہچانا، اسی لیے انہوں نے تیرے بارے میں ایسے اوصاف بیان کیے...۔»[۲]

---

(۱) دیکھیے: التحفہ، ص ۹۷۔

(۲) الکافی، جلد اوّل، صفحہ ۱۰۱۔

ان کے راویوں کے احوال اس کے علاوہ بھی ہیں اور ان کی گمراہیوں کی اور بھی کئی اقسام ہیں۔ خود شیخ الطائفہ طوسی[۱] نے شیعہ راویوں کے حالات کی تلخیص کرتے ہوئے ایک ایسا نہایت اہم اعتراف کیا ہے جو اللہ تعالی نے ان کی زبان پر جاری کیا،وہ فرماتے ہیں: ''ہمارے اصحاب (شیعہ) کے بہت سے مصنفین فاسد مذاہب وافکار کے قائل تھے!۔''[۲] گویا ان کے نزدیک اصل اہمیت کسی شخص کےشیعہ ہونے کی ہے اس کے بعد وہ کسی بھی فاسد مذہب کا حامل ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مزید برآں، انہوں نے زیدیہ کی روایات کو رد کیایہاں تک کہ زید بن علی جو اہلِ بیت میں سے تھے، ان کی روایات کو بھی مسترد کر دیا، جیسا کہ طوسی نے ''الاستبصار'' میں کیا[۳]، حالانکہ زیدیہ بھی شیعہ ہی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف

---

(۱) وہ اُن کے ہاں حدیث کی چار معتمد کتب میں سے دو کے مصنف ہیں، یعنی التہذیب اور الاستبصار۔اسی طرح علمِ رجال کی چار معروف و معتبر کتابوں میں سے تین بھی انہی کی تصنیف کردہ ہیں، اور وہ ہیں: الفہرست، رجال الطوسی، اور تیسری کتاب رجال الکشی ہے، جس کی تہذیب و تنقیح طوسی نے کی۔ اصل کتاب اب شیعی حلقوں میں مفقود ہے اور آج اس کا وہی نسخہ دستیاب ہے جو طوسی کی مرتب کردہ تہذیب کی صورت میں موجود ہے۔

(۲) الفہرست، ص ۲۴ تا ۲۵۔

(۳) دیکھیے: کتاب الاستبصار، جلد اوّل، ص ۶۵ تا ۶۶۔

یہ لوگ جارودیہ کے موقف کو قبول کرتے ہیں حالانکہ وہ زیدیہ کے غالی فرقوں میں سے ہیں۔ اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اکثر صحابہ کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان کی روایات کو رد کرتے ہیں، یوں وہ اپنے عمومی مذہب میں ان کے ہم آہنگ ہیں۔[۱]

اس سے بھی زیادہ سنگین امر یہ ہے کہ اہلِ بیت کے ائمہ سے ثابت شدہ اور صحیح اسانید کے ساتھ ایسی روایات منقول ہیں جن میں راویوں کے ایک گروہ کو صراحت کے ساتھ کذاب قرار دیا گیا اور ان کے ناموں کے ساتھ ان کی مذمت کی گئی ۔

• پھر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟

افسوس کہ شیعی علماء نے ان راویوں کے بارے میں وارد ہونے والی مذمت کو قبول نہیں کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ ایسے راویوں کی روایات سے استدلال ترک کر دیتے جن پر خود ائمۂ اہلِ بیت نے جرح فرمائی تھی؛ انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ائمۂ اہلِ بیت کی جانب سے ان رواۃ کی مذمت دراصل تقیہ کے طور پر تھی!

---

(۱) جیسا کہ ان کے شیخ المفید نے اپنی کتاب اِوائل المقالات میں اس بات کو ثابت کیا ہے۔

اسی بات کا اعتراف معاصر شیعی عالم محمد رضا المظفر نے بھی کیا ہے کہ ان کے اکثر رواۃ کے بارے میں خود شیعی کتب میں ائمہ کی طرف سے مذمت منقول ہے۔ چنانچہ وہ ہشام بن سالم الجوالیقی کے بارے میں وارد جرح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان پر نقد واعتراضات ویسے ہی وارد ہوئے ہیں، جیسے کہ اہلِ بیت کے دیگر جلیل القدر انصار ومددگار اور ثقہ اصحاب پر وارد ہوئے ہیں اور ان کا جواب عموماً معروف ہی ہے۔''[1] اس سے وہی معروف جواب مراد ہے جو ان کے ہاں رائج ہے یعنی تقیہ!

پھر کہتے ہیں: ''ایسے بزرگوں پر جرح وقدح کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ جبکہ دینِ حق انہی کے قطعی دلائل کے ذریعے قائم ہوا ہےاور اہلِ بیت کا مسئلہ انہی کے ذریعے ظاہر ہوا ہے۔''[2]

سبحان اللہ! یہ تواہلِ حق کا منہج ہی نہیں ہے۔ کیا یہ زیب دیتا ہے کہ جو شخص اہلِ بیت کی محبت کا دعویٰ کرے، وہ ان افراد کا دفاع کرے جن کی مذمت خود ائمۂ اہلِ بیت کی زبان سے منقول ہو؟ کیا یہ بات مناسب ہے کہ جو اہلِ بیت کی اتباع کا دعویدار ہو وہ اہلِ بیت کے علماء سے مروی ان نصوص کو رد کر دے

(۱) الإمام الصادق از محمد حسین مظفر، صفحہ ۱۷۸۔
(۲) الإمام الصادق از محمد حسین مظفر، صفحہ ۱۷۸۔

جن میں ان راویوں پر طعن اور ان سے تحذیر ثابت ہو؟ جبکہ وہ نصوص خود شیعی کتب میں محفوظ ہوں! گویا اس طرزِ عمل سے وہ اہلِ بیت کی تکذیب اور ان افترا پردازوں کی تصدیق کر رہے ہیں! پھر یہ دعویٰ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ ائمہ کی مذمت تقیہ کے طور پر تھی جبکہ سوال کرنے والا اور جس کے بارے میں سوال کیا گیا، دونوں ہی شیعہ تھے؟

• ان میں سب سے زیادہ روایت کرنے والے:

ا. اجابر الجعفی: اس کے بارے میں حر عاملی لکھتے ہیں کہ اس نے امام باقر علیہ السلام سے ستر ہزار احادیث روایت کیں، اور اس کی روایت کردہ کل روایات کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار ہے اور بظاہر ائمہ سے بالمشافہ اس قدر کثرت سے روایت کرنے والا جابر جعفی سے زیادہ کوئی نہیں۔[1] تو تعدادِ روایات کے اعتبار سے جابر کو اوّلین درجہ حاصل ہے۔ لیکن رجال الکشی میں زرارہ بن اعین سے منقول ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ سے جابر کی احادیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: "میں نے اسے اپنے والد کے پاس صرف ایک مرتبہ دیکھا، اور وہ کبھی میرے پاس بھی نہیں آیا۔"[2] تو پھر سوال یہ ہے کہ

(۱) وسائل الشیعہ، جلد ۲۰ صفحہ ۱۵۱۔

(۲) رجال الکشی، صفحہ ۱۹۱۔

جس شخص نے صرف ایک ہی مرتبہ ملاقات کی ہو وہ اتنی کثیر تعداد میں احادیث کیسے روایت کر سکتا ہے؟

ان کے عالم ابو القاسم خوئی کے پاس جب اس روایت کا کوئی جواب نہ بن پایا جو جابر جعفی کی تکذیب کرتی ہے تو انہوں نے اسے تقیہ پر محمول کر دیا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں : "اسے کسی نہ کسی طرح توریہ پر محمول کرنا ضروری ہے۔"(۱)
حالانکہ جب سائل خود شیعہ تھا اور وہ زرارہ ہی تھا تو پھر تقیہ اور توریہ کی ضرورت کیا تھی؟ اگر ہم اس روایت کی دلالت کو تقیہ کے نام پر ساقط کر دیتے ہیں تو پھر اسی دلیل سے ائمہ سے مروی تمام روایات کی دلالت بھی ساقط ہو جاتی ہے! پھر اس کے بعد باقی روایات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ بلکہ خود شیعی کتب کی کیا مصداقیت باقی رہ جاتی ہے؟

۲۔ زرارہ بن اعین (متوفی ۱۵۰ھ): ان کے اکابر علماء جیسے الطوسي، النجاشي اور ابنِ مطہر نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ شیعی کتابوں میں بکثرت ان کی روایات موجود ہیں بلکہ ان کے بھائیوں اور بیٹوں نے بھی روایات میں حصہ لیا ۔

---

(۱) معجم رجال الحدیث، جلد ۵ صفحہ ۲۵۔

ان کی چاروں کتب میں مجموعی روایات کی تعداد بیان کرتے ہوئے خوئی کہتے ہیں کہ بہت سی روایتوں کی سندوں میں ”زرارہ“ کا دو ہزار چورانوے (۲۰۹۴) بار ذکر آیا ہے۔[۱] لیکن دوسری جانب سفیان الثوري کا کہنا ہے کہ زرارہ نے ابو جعفر (امام باقر) کو دیکھا تک نہیں تھا ۔[۲]

زرارہ کے بارے میں شیعی علماء کی تعریف وتوصیف مخفی نہیں ہے، لیکن ہمیں تویہ ملتا ہے کہ امام جعفر صادق نے ان پر سخت ترین جرح کرتے ہوئےفرمایا: ”اسلام میں کسی نے وہ بدعات ایجاد نہیں کیں جو زرارہ نے کیں، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔“[۳] اور فرمایا: ”...زرارہ یہودیوں اور نصرانیوں سے بھی بدتر ہے اوراس سے بھی برا ہے جو کہے کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے ۔“[٤]

زرارہ کا حال یہی ہے جیسا کہ خود شیعی کتابوں میں بیان ہوا ہے۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیعی علماء کس طرح زرارہ کو ثقہ قرار دیتے ہیں، جبکہ ان کے بقول معصوم کی زبان سے اس پر ایسی شدید جرح، تکفیر اور لعنت منقول ہے؟

---

(۱) معجم رجال الحدیث، جلد ۵ صفحہ ۲۵۔
(۲) معجم رجال الحدیث از خوئی جلد ۷ صفحہ ۲۴۷۔
(۳) دیکھیے: لسان المیزان، جلد ۲ صفحہ ۴۷۴۔
(۴) رجال الکشی، صفحہ ۱۴۹۔

اس کا جواب ان کے عالم حر عاملی دیتے ہوئے کہتے ہیں: ”زرارہ کی جرح اورمذمت سے متعلق وارد روایات کو تقیہ پر محمول کرنا چاہیےبلکہ ایسا کرنا ضروری ہے اور اسی طرح ان افراد کے بارے میں بھی جو اس جیسے جلیل القدر امام ہیں۔“(۱) اگر جعفر صادق کی زرارہ پر جرح کو تقیہ قرار دنیا تھا تو اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اس سے صرف براءت کا اظہار کردیتے، لیکن جب معاملہ لعنت، تبدیع اور تکفیر تک پہنچ گیا ہے تو پھر یہ نص کو اس کی اصل کے علاوہ پر محمول کرنے کے مترادف ہے۔

◉ تیسرا مبحث: اجماع کے بارے میں شیعی عقیدہ

اجماع ؛ اہلِ سنت کے اصولوں میں شامل ہے اور کتاب و سنت کے بعد تیسرا بنیادی ماخذ شمار ہوتا ہے جس پر علم و دین میں اعتماد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ”جو شخص کتاب وسنت اور اجماع کا قائل ہے، وہ اہلِ سنت والجماعت میں سے ہے۔“(۲) لیکن شیعہ حضرات صحابۂ کرام، سلف صالحین یا امت کےاجماع کو اجماع نہیں مانتے۔ اس سلسلے میں ان کے عقائد مختلف ہیں، جنھیں ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

---

(۱) رجال الکشی، صفحہ ۱۶۰۔

(۲) مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، جلد ۳ صفحہ ۳۴۶۔

پہلا نکتہ: حجت امام کے قول میں ہے، نہ کہ اجماع میں:

ابنِ مطہر حلی لکھتے ہیں: ''اجماع ہمارے نزدیک اس لیے حجت ہے کہ اس میں معصوم کا قول شامل ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی جماعت خواہ کم ہو یا زیادہ، اگر اس کے اقوال میں امام کا قول موجود ہو تو اس کا اجماع اسی کے سبب قابلِ حجت ہوگا، نہ کہ محض اجماع ہونے کی بنا پر۔''(۱)

دوسرا نکتہ: مخالفتِ عامہ میں رشد وبھلائی ہے:

جمہور مسلمانوں کے نزدیک اجماعِ امت کو معتبر سمجھا جاتاہے، کیونکہ امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ ''اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔'' (النساء: ۱۱۵)

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے امر پر قائم رہے گی۔ نہ ہی ان کی معاونت ومدد ترک کرنے والے انہیں

(۱) تہذیب الوصول إلی علم الأصول، صفحہ ۷۰۔

نقصان پہنچا سکیں گے اور نہ مخالفت کرنے والے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔"[۱]

لیکن شیعہ اس سے آگے بڑھ چکے ہیں وہ صرف اجماعِ اہلِ سنت کو ہی غیر معتبر قرار نہیں دیتے بلکہ ان کا کہنا کہ مسلمانوں کے اجماع کی مخالفت میں رشد و ہدایت ہے۔ یوں مخالفت کو انہوں نے اپنے ہاں اصولِ ترجیح اور مذہبی بنیاد کا درجہ دے رکھا ہے۔ان کے ہاں بہت سی ایسی نصوص موجود ہیں جو اس نظریئے کی تائید کرتی ہیں اور اسی کی طرف دعوت دیتی ہیں۔

جیساکہ اصول الکافی میں ہے کہ ایک سوال میں امام سے پوچھاگیا: "جب دو خبریں اور روایتیں ایسی ہوں کہ ایک عامہ (یعنی اہلِ سنت) کے موافق ہو اور دوسری ان کے مخالف، تو کس کو اختیار کیا جائے؟ انہوں نے جواب دیا : جو عامہ کے خلاف ہو، اسی میں رشدوبھلائی ہے۔"[۲] اسی طرح ان کے معتمد عالم کلینی نے اختلافِ روایات میں ترجیح کے اصول بیان کرتے ہوئے امام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:"جو رواتیں قوم کے موافق ہو اسے چھوڑ دو، کیونکہ ہداتیں ان کی مخالفت میں ہے۔"[۳]

---

(۱) صحیح مسلم۔

(۲) الکافی، جلد اوّل، صفحہ ٦٧-٦٨۔

(۳) اصول الکافی۔ خطبۂ کتاب، صفحہ ۸۔ اور دیکھیے: وسائل الشیعہ، جلد ۱۸ صفحہ ۸۰۔

دوسری فصل

ارکانِ ایمان سے متعلق شیعہ کا عقیدہ

ارکانِ ایمان میں: اللہ پر ایمان، اس کے فرشتوں پر ایمان، اس کی کتابوں پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، یومِ آخرت پر ایمان، اور تقدیر پر ایمان شامل ہیں ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ﴾ ''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو۔ لیکن اصل نیکی اس کی ہے جو اللہ اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے...۔'' (البقرۃ: ۱۷۷) اور فرمایا: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ ''بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے۔'' (القمر: ٤٩) لیکن شیعہ مذہب میں ارکانِ ایمان کی تفصیل میں ''امامت'' کے عقیدے کا نمایاں اثر ہے۔

◉ پہلا مبحث: اللہ کی توحید کے بارے میں ان کا عقیدہ:

توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت میں یکتا مانا جائے کیونکہ وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے عبادت کو خالص کیا جائے، اور اس کے سوا کسی اور کے لیے کسی بھی قسم کی عبادت انجام نہ دی جائے۔ توحید کی یہی وہ قسم ہے جس کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام نے دی، کیونکہ ان کی قومیں عموماً توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتی تھیں۔

جیساکہ اللہ تعالیٰ نوح،سیدنا ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام کے بارے میں خبر دی کہ انہوں نے اپنی قوموں سے کہا: ﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾ ”اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔“ (الأعراف: ۵۹)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ یہی تمام رسولوں کی عمومی دعوت رہی ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ ”اور بلاشبہ یقینا ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔“ (النحل: ۳۶)۔ نیز اللہ پاک نے فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ ”اور

ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو۔“ (الأنبیاء: ۲۵)۔

پہلا نکتہ: شیعہ نے توحید کی نصوص کو ائمہ کی امامت وولایت سے منسلک کر دیا:

سب سے پہلی حیران کن بات یہ ہے کہ قرآن کی وہ آیات جو صرف اللہ کی عبادت کا حکم دیتی ہیں، شیعہ نے ان کا مفہوم علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کی ولایت و امامت پر ایمان لانا قرار دے دیا، اور جو آیات شرک سے منع کرتی ہیں، ان کا مقصد ان کے نزدیک ائمہ کی ولایت میں شریک ٹھہرانا ہے۔

۱. چنانچہ قرآن مجید کی آیت: ﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ ”اور بلا شبہ یقینا تیری طرف وحی کی گئی اور ان لوگوں کی طرف بھی جو تجھ سے پہلے تھے کہ بلاشبہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو یقینا تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا۔“ (الزمر: ٦٥) ان کی معتبر تفسیر کی

کتابوں میں سے الکافی[1] اور تفسیر القمی[2] وغیرہ میں اس کی تفسیر یوں بیان ہوئی ہے: "اگر آپ نے کسی اور کو علی علیہ السلام کی ولایت کے ساتھ شامل کیا یا ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی اور کی ولایت کو علی علیہ السلام کی ولایت سے ملانے کا حکم دیا، تو آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا۔" ان کے مطابق اس کا سبب نزول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے لیے رہنما مقرر کریں۔ لیکن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی ولایت کو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل کر دیجیے تاکہ لوگ آپ ﷺ کی بات مانیں اور آپ ﷺ کی تصدیق کریں۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ "اے رسول! پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔" (المائدۃ: ٦٧)۔ تو رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے اللہ کے حضور عرض کیا کہ لوگ مجھے جھٹلاتے ہیں اور میری بات قبول نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ "بلاشبہ اگر تو نے

(۱) اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۴۲۷۔
(۲) تفسیر القمی، جلد ۲ صفحہ ۲۵۱۔

شریک ٹھہرایا تو یقینا تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا اور تو ضرور بالضرور خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائے گا۔" (الزمر: ٦٥)(١)

ذیل میں ہم اس سے پہلے اور بعد والے سیاق کو درج کررہے ہیں تاکہ قارئین کرام اس تفسیر کے بطلان کو سمجھ سکیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ﴾ "آپ کہہ دیجیے اے جاہلو! کیا تم مجھ سے اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کو کہتے ہو۔ یقینا تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تونے شرک کیا تو بلا شبہ تیرا عمل ضائع ہوجائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا بلکہ تو اللہ ہی کی عبادت کر اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔" (الزمر: ٦٤-٦٦)۔

٢۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ "اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، سو میری عبادت کرو" (الأنبیاء: ٢٥)۔ شیعی مفسرین کے نزدیک

(١) البرہان، جلد ٤ صفحہ ٨٣۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو صرف ہماری ولایت اور ہمارے دشمنوں سے براءت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔(۱)

دوسرا نکتہ: شیعہ کا عقیدہ ہے کہ ائمہ اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں :

مجلسی نے اپنے ائمہ کے بارے میں کہا: ''بے شک وہ ربّ کے حجاب ہیں، اس کے اور مخلوق کے درمیان واسطے کی حیثیت رکھتے ہیں۔''(۲) اس پر انہوں نے یوں ایک باب قائم کیا: ''اس بارے میں بیان کہ لوگ صرف انہی کے ذریعے ہدایت پاتے ہیں اور وہی مخلوق اور اللہ کے درمیان واسطے ہیں اور جنت میں داخلہ اسی کو ملے گا جو انہیں پہچانے گا۔''(۳) ان کی روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ جعفر صادق نے فرمایا: ''ہم تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سبب (واسطہ) ہیں۔''(٤) اسی طرح کتاب عقائدِ اِلامامیہ میں مذکور ہے کہ بارہ ائمہ اللہ کے دروازے اور اس تک پہنچنے کے راستے ہیں ...وہ نوح علیہ السلام

(۱) البرہان جلد ۲، صفحہ ۳٦۷، تفسیر الصافی، جلد ۳ صفحہ ۱۳۴۔

(۲) بحار الانوار، جلد ۲۳ صفحہ ۹۷۔

(۳) بحار الانوار جلد ۲۳ صفحہ ۹۷۔

(۴) بحار الانوار، جلد ۲۳ صفحہ ۱۰۱۔

کی کشتی کی مانند ہیں جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہا وہ غرق ہو گیا۔[1]

تیسرا نکتہ: شیعی زیارات کے لیے جانا بیت اللہ کے حج سے کہیں زیادہ عظیم ہے:

ان کی کتاب الکافي وغیرہ میں منقول ہے: ''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت بیس حج کے برابر ہےبلکہ بیس عمرے اور حج سے بھی افضل ہے۔''[2]
جب ایک شیعہ نے امام سے عرض کیا کہ میں انیس حج اور انیس عمرے ادا کر چکا ہوں تو امام نے اس کے عمل کو گویا کم تر ظاہر کرتے ہوئے فرمایا: ''ایک اور حج کر لو اور ایک اور عمرہ ادا کر لو، تمہارے نصیب حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت لکھ دی جائے گی۔''[3]

---

(۱) عقائد الإمامیہ از محمد رضا المظفر، صفحہ ۹۸-۹۹۔

(۲) فروع الکافی جلد ۱ صفحہ ۳۲۴؛ تہذیب الأحکام، جلد ۲ صفحہ ۱۶، کامل الزیارات ، صفحہ ۱۶۱، وسائل الشیعہ، جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۸۔

(۳) تہذیب الأحکام، جلد ۲صفحہ ۱۶، وسائل الشیعہ ، جلد ۱۰صفحہ ۳۴۸، بحار الأنوار ، جلد ۱۰۱صفحہ ۳۸۔

• حسین کی قبر کی زیارت سب سے افضل عمل:

ان کے نزدیک زیارتِ قبرِ حسین صرف حج ہی سے برتر نہیں، بلکہ تمام اعمال میں سب سے افضل ہے۔ جیساکہ ان کی روایات میں ہے کہ قبرِ حسین کی زیارت تمام اعمال میں سب سے افضل عمل ہے۔[1] ایک اور روایت میں ہے: محبوب ترین اعمال میں سے ، قبرِ حسین کی زیارت بھی ہے۔[2] مجلسی نے اس پر مستقل ایک باب قائم کیا اور اس کے تحت اسی نوعیت کی متعدد روایات ذکر کی ہیں۔[3]

چوتھا نکتہ: کربلا کعبہ سے افضل ہے:

مسلمانوں کا قبلہ، ان کے مقدس ترین شعائر میں سے سب سے عظیم، اور تمام مقامات سے افضل جگہ بیت اللہ الحرام ہے لیکن بعض روایاتِ امامیہ میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ سرزمینِ کربلا کے مقابلے میں گویا ایک حقیر اور تابع کی حیثیت رکھتاہے۔چنانچہ شیعہ حضرات نے کربلا اور دیگر بعض مقامات کو بھی حرمِ

---

(۱) کامل الزیارات ، صفحہ ۱۴۶،، بحار الأنوار ، جلد ۱۰۱ صفحہ ۴۹۔

(۲) کامل الزیارات ، صفحہ ۱۴۶، بحار الأنوار ، جلد ۱۰۱ صفحہ ۴۹۔

(۳) اس کا عنوان یہ تھا: "باب اِن زیارتہ من اِفضل الأعمال۔" بحوالہ: بحار الأنوار، جلد ۱۰۱صفحہ ۴۹۔

مقدس قرار دیا ہے۔ کوفہ اور قم کو بھی حرم قرار دیا گیا۔ ان کی روایات میں ہے کہ کوفہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کا اور امیرالمؤمنین کا حرم ہے اور وہاں کی ایک نماز ہزار نمازوں کے برابر ہے اور ایک درہم ہزار درہم کے برابر ہے۔(۱)

اسی طرح جعفر صادق سے منسوب ایک روایت ہے — اور ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ اس قول سے بری ہیں — جس میں بیان کیا گیا ہے: ''زمینِ کعبہ نے کہا: مجھ جیسا کون ہے، جب کہ میری پشت پر اللہ کا گھر بنایا گیا، لوگ دور دراز راستوں سے میرے پاس آتے ہیں اور مجھے اللہ کا حرم اور اس کی جائے امن قرار دیا گیا ہے۔ تو اللہ نے اس کی طرف وحی کی: بس کر اور ٹھہر جا۔ جو فضیلت تجھے دی گئی ہےوہ اس فضیلت کے مقابلے میں جو زمینِ کربلا کو عطا کی گئی، ایسی ہے جیسے سمندر میں سوئی ڈبوئی جائے اور وہ سمندر کا کچھ پانی لے کر نکل آئے۔ اگر کربلا کی مٹی نہ ہوتی تو میں تجھے فضیلت نہ دیتااور اگر وہ شخصیت نہ ہوتی جسے زمینِ کربلا نے اپنے اندر سمو رکھا ہے تو نہ میں تجھے پیدا کرتا اور نہ ہی اس گھر کو بناتا جس پر تو فخر کررہی ہے۔ لہذا ٹھہر جا، قرار پکڑ، اور زمینِ کربلا کے لیے پست، متواضع اور ذلیل و تابع ہو جا، تکبر

(۱) الوافی فی الفقہ - باب فضائل الکوفہ ومساجدہا، جلد ۲ صفحہ ۲۱۵۔

اور سرکشی نہ کر، ورنہ میں تجھے زمین میں دھنسا دوں گا اور جہنم کی آگ میں گرا دوں گا۔"[۱] ان کی روایات کے مطابق کعبہ نے نصیحت کو قبول نہ کیا اور نہ ہی زمینِ کربلا کے لیے تواضع اختیار کیا۔ جس کے نتیجے میں وہ ذلیل وحقیرِدُم کی مانند ہوگیا اور اس پر سزا نازل ہوگئی۔ بلکہ ان کے بقول یہ سزا کربلا کے سوا ہر پانی اور ہر زمین پر نازل ہوئی۔ چنانچہ ان کی روایات میں ہے: "...کوئی پانی اور کوئی زمین ایسی نہ تھی جسے اللہ کے لیے تواضع اختیارنہ کرنے پر عذاب نہ دیا گیا ہویہاں تک کہ اللہ نے کعبہ پر مشرکین کو مسلط کر دیااور زمزم میں کھارا پانی ملا دیا جس سے اس کا ذائقہ خراب ہو گیا...۔"[۲]

پانچواں نکتہ: امام ہی رب ہے:

ان کی روایتوں میں آیا ہے کہ علی بن ابی طالب نے فرمایا: "میں زمین کا رب ہوں، جو زمین پر اختیار وکنڑول رکھتا ہے۔"[۳] بلاشبہ یہ غلو اور مبالغہ ہے جسے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی کبھی پسند نہیں کریں گے! کیونکہ زمین کا پروردگار صرف ایک واحد وقہار ہے، جوزمین وآسمان پر کنڑول رکھتا ہے۔ وہی

(۱) کامل الزیارات، صفحہ ۲۷۰،بحار الاأنوار، جلد ۱۰۱ صفحہ ۱۰۹۔

(۲) کامل الزیارات صفحہ ۲۷۰،بحار الاأنوار، جلد ۱۰۱صفحہ ۱۰۹۔

(۳) مرآۃ الاأنوار، صفحہ ۵۹اور یہ بصائر الدرجات سے منقول ہے۔

ان کا خالق اور موجد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان بارے میں : ﴿أَمَّا مَن ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَى رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْرًا﴾ ”جو ظلم کرے گا اسے تو ہم بھی اب سزا دیں گے' پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اسے سخت عذاب دے گا۔“ [الکھف: ۸۷]۔ ان کا کہنا ہے کہ ظالم کو ، رب یعنی امیرالمؤمنین کے سامنے پیش کیا جائے گا تو وہ اسے بہت برا عذاب دیں گے۔(۱)

چھٹا نکتہ: دنیا اور آخرت امام کی ملکیت اور اختیار میں ہیں وہ ان میں اپنی مرضی سے ان میں تصرف کرتا ہے:

الکافی کے مصنف نے اس پر باب قائم کیا ہے: ”ساری زمین امام کی ملکیت ہے۔“(۲) اس میں ابو بصیر سے منقول ہے کہ ابو عبد اللہ جعفر صادق نے فرمایا: ”کیا تم نہیں جانتے کہ دنیا اور آخرت امام کی ملکیت ہیں، وہ انہیں جہاں چاہے رکھتا ہے اور جسے چاہے عطا کرتا ہے اور یہ سب اللہ کی طرف سے اس کے لیے جائز کیا گیا ہے....“(۳)

---

(۱) مرآۃ الأنوار ، صفحہ ۵۹۔ اس میں کنز الفوائد کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔

(۲) دیکھیے: اصول الکافی ، جلد ۱ صفحات ۴۰۷-۴۱۰۔

(۳) اصول الکافی ، جلد ۱ صفحہ ۴۰۹۔

حالانکہ دنیا و آخرت اور زمین وآسمان سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور ان میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ لات و عزی، نہ فرشتے، نہ انبیاء اور نہ ہی ائمہ و اولیا۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کا رب، مالک اور تدبیر کرنے والا ہے... جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ''کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ ہی ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔'' [البقرة: ۱۰۷]۔اور فرمایا: ﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس کی بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' [المائدة: ۱۸]۔

ساتواں نکتہ: وہ جزءِ الٰہی جو ائمہ میں حلول پذیر ہوا:

ان کی بعض روایات میں ہے کہ جعفر صادق نے فرمایا: ''پھر ہم نے اپنی دائیں ہاتھ سے انہیں چھوا اور ان کا نور ہمارے درمیان پھیل گیا۔''[۱] اور فرمایا: ''... لیکن اللہ نے ہمیں اپنی ذات سے ملا دیا...۔''[۲] یہ جزءِ الٰہی جو ائمہ میں ہے—جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں—اس سے ان ائمہ کو مکمل قدرت عطا کی

(۱) اصول الکافی، جلد ۱، صفحہ ۴۴۰، بحار الأنوار، جلد ا صفحہ ۴۴۱-۴۴۲۔

(۲) اصول الکافی، جلد ۱ صفحہ ۴۳۵۔

گئی ہے۔ اسی لیے جو شخص ائمہ کے معجزات سے متعلق پڑھتا ہے جو سینکڑوں روایات پر مشتمل ہیں' وہ دیکھتا ہے کہ ائمہ میں زندہ کرنے، موت دینے، پیدا کرنے اور رزق دینے کی قدرت موجود ہے۔(۱) مثال کے طور پر: علی نے مردہ کو زندہ کیا: ایک لڑکا جسے اس کے چچا نے قتل کر دیا تھا، اسے زندہ کر دیا۔(۲)، ایک پتھر پر ضرب لگائی تو اس سے سو اونٹنیاں نکل آئیں۔(۳) اور سلمان سے ایک قول نقل کرتے ہیں: ''اگر ابو الحسن اللہ پر قسم کھائیں کہ وہ سب اولین و آخرین کو زندہ کردے، تو وہ انہیں زندہ کر دے گا۔''(٤)

آٹھواں نکتہ: أسماء اللہ الحسنیٰ سے مراد ائمہ ہی ہیں:

شیعی تفسیر کے مطابق اللہ کے اسماء حسنیٰ جو قرآن میں ذکر ہوئے ہیں وہ بارہ ائمہ سے عبارت ہیں۔ جیسا کہ کلینی نے ابوعبد اللہ جعفر صادق سے روایت کیا ہے: اللہ تعالی کا فرمان: ﴿ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا ﴾ ''اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، سو اسے ان کے ساتھ پکارو۔''[الأعراف: ۱۸۰]۔

---

(۱) بحار الأنوار— باب "جوامع معجزاتہ" اس سے ان کی مراد علی علیہ السلام ہیں ، جلد ۴۲ ص ۱۷—۵۰۔

(۲) مدینة المعاجز ازہاشم بحرانی، جلد ۱ صفحہ ۲۵۱۔

(۳) بحار الأنوار ، جلد ۴۱ صفحہ ۱۹۸۔

(۴) بحار الأنوار ، جلد ۴۱ صفحہ ۲۰۱۔

انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم ہی وہ اسماءِ حسنٰی ہیں، جن کی معرفت کے بغیر اللہ تعالی بندوں کے اعمال قبول نہیں کرتا۔(۱) اور علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے: ''میں اللہ کی آنکھ ہوں، میں اللہ کا ہاتھ ہوں، میں اللہ کا محبوب ہوں اور میں اللہ کا دروازہ ہوں۔''(۲)

◉ دوسرا مبحث: فرشتوں پر ایمان کے بارے میں اُن کا عقیدہ:

ارکانِ ایمان میں سے اس رکن کو بھی ان کی تحریفات کا وافر حصہ ملا ۔ چنانچہ شیعہ روایات یہ عقیدہ یوں بیان کرتی ہیں :

• فرشتوں کو ائمہ کے نور سے پیدا کیا گیا ۔ ان کی بعض روایات میں مذکور ہے: ''اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب کے چہرۂ مبارک کے نور سے ستر ہزار فرشتے پیدا فرمائے جو قیامت تک اُن کے لیے اور اُن کے محبّین کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔''(۳) اور بعض دیگر روایات میں یہ کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو علی کے نور سے پیدا کیا۔(٤)

---

(۱) بحار الانوار، جلد ۴۱ صفحہ ۱۹۸۔

(۲) بحار الانوار، جلد ۴۱ صفحہ ۲۰۱۔

(۳) کنز جامع الفوائد: صفحہ ۳۳۴، اور بحار الانوار: جلد ۲۳، صفحہ ۳۲۰۔

(۴) المعالم الزلفی: صفحہ ۲۴۹۔

• فرشتوں کی حیات ائمہ پر اور ان پر درود بھیجنے پر موقوف ہےکیونکہ اُن کا کھانا پینا اور غذا صرف علی بن ابی طالب اور اُن کے محبّین پر درود بھیجنا ہے اور گناہ گار شیعوں کے لیے استغفار کرنا ہے۔(۱)

• ان کا یہ بھی خیال ہے کہ فرشتے ائمہ کے خادم ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: ”فرشتے ہمارے خادم ہیں اور ہمارے چاہنے والوں کے بھی خادم ہیں۔“(۲)

• اسی طرح ان کا خیال ہے کہ رحمان کے فرشتوں میں سے بعض کو حسین کی قبر پر جھکنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اور اُن کی کوئی ذمہ داری اس کے سوا نہیں کہ وہ قبرِ حسین پر گریہ وزاری کریں اور اُس کی زیارت کے لیے آتے جاتے رہیں۔ ان کا دعوی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے قبرِ حسین پر چار ہزار پراگندہ حال فرشتے مقرر کیے ہیں، جو قیامت تک اُن پر آہ وبکا کرتے رہیں گے۔“(۳)

مگر جب ہم قرآنِ کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس قسم کی کوئی بات

---

(۱) بحار الأنوار، جلد ۲۶ صفحہ ۳۴۹۔

(۲) بحار الأنوار: جلد ۲۶، صفحہ ۳۳۵؛ إکمال الدین از ابنِ بابویہ: صفحہ ۱۴۷، عیون إخبار الرضا، جلد۱، صفحہ ۲۶۲۔

(۳) وسائل الشیعہ، جلد ۱۰، صفحہ ۳۱۸؛ فروع الکافی، جلد ۱ صفحہ ۳۲۵۔ ثواب الأعمال، صفحہ ۴۹۔

نہیں ملتی۔ اس کے برعکس ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں میں سے بعض وہ ہیں جو وحی کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ جیسے روح الامین جبرائیل علیہ السلام۔داللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”کہہ دیجیے جو کوئی جبریل کا دشمن ہو تو بے شک اس نے اسے تیرے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔“ (البقرۃ: ۹۷)۔ اور فرشتوں میں سے بعض وہ ہیں جو روحیں قبض کرنے پر مامور ہیں، ان سے مراد ملک الموت اور اُن کے معاونین ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ﴾ ”کہہ دیجیے تمھیں موت کا فرشتہ قبض کرے گا، جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“ (السجدہ: ۱۱)۔

کچھ فرشتے وہ ہیں جو بندے کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں، سفر وحضر میں اور تمام احوال میں اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾ ”اس کے لیے اس کے آگے اور اس کے پیچھے یکے بعد دیگرے آنے والے کئی پہرے دار ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔“ (الرعد: ۱۱) اور بعض فرشتے وہ ہیں جو اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے: ”حالانکہ بلاشبہ تم پر یقینا

نگہبان (مقرر) ہیں۔ جو بہت عزت والے ہیں، لکھنے والے ہیں۔ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔'' (الانفطار: ۱۰-۱۲)۔ اسی طرح کچھ فرشتے جنت کے دربان اور کچھ جہنم کے داروغے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ﴾ ''اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے نگران ان سے کہیں گے کیا تمھارے پاس تم میں سے کچھ رسول نہیں آئے جو تم پر تمھارے رب کی آیات پڑھتے ہوں۔'' (الزمر: ۷۱)۔

اور اسی سلسلے میں آگے فرمایا: ﴿وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾ ''اور وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈر گئے، گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے، اس حال میں کہ اس کے دروازے کھول دیے گئے ہوں گے اور اس کے نگران ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ رہے، پس اس میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ رہنے والے۔'' (الزمر: ۷۳)۔ بعض فرشتے عرشِ الٰہی کو اٹھانے پر مامور ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾ ’’تیرے رب کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔‘‘ (الحاقۃ: ۱۷)۔ اور بھی بہت سے فرشتے ہیں جنہیں دیگر امور پر مقرر کیا گیا ہے۔

◉ تیسرا مبحث: آسمانی کتابوں پر ایمان کے بارے میں اُن کا عقیدہ:

شیعی روایات میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جس طرح اپنے انبیاء پر آسمانی کتابیں نازل کیں، اسی طرح اُن کے ائمہ پر بھی آسمان سے کتابیں نازل فرمائیں اوراُن کی کتب میں یہاں تک دعوی کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد فاطمہ پر ایک’’ مصحف‘‘ بھی نازل ہوا۔

ان کی کتاب’’الکافی‘‘ کی ایک روایت میں ’’مصحفِ فاطمہ‘‘ کے بارے میں مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی روح قبض کی تو فاطمہ علیہا السلام کو ایسا شدید غم لاحق ہوا جس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جو اُن کے غم کو ہلکا کرتا اور اُن سے گفتگو کرتا تھا۔ انہوں نے اس کا ذکر امیر المؤمنین سے کیا۔ توانہوں نے فرمایا: جب تم اس کیفیت کو محسوس کرو اور آواز سنو تو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ جب ایسا ہوتا تو

وہ اطلاع دیتیں اور امیر المؤمنین ہر اس بات کو لکھ لیتے جو وہ سنتے یہاں تک کہ اس سے ایک مصحف تیار ہوگیا... چنانچہ اس میں حلال و حرام سے متعلق کوئی بیان نہیں ہے صرف اس میں آئندہ پیش آنے والے امور کے بارے میں معلومات ہیں۔(۱)

اب سوال یہ ہے: کیا ہمارے نبی محمد ﷺ آخری نبی نہیں؟ کیا آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگیا؟ پھر یہ روایات کس بنیاد پر دین کے کامل ہو جانے اور نعمتِ اسلام کے تمام ہو جانے کے بعد بھی علم اور خبریں نازل ہونے کا دعویٰ کر رہی ہیں؟

◉ چوتھا مبحث: رسولوں پر ایمان کے بارے میں اُن کا عقیدہ:

رسول تمام انسانوں میں سب سے افضل اور منصبِ رسالت کے سب سے زیادہ حق دار ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کامل عبودیت، تبلیغ، دعوت اور جہاد کے لیے منتخب فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ ”اللہ زیادہ جاننے والا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے۔“ (الأنعام-۱۲٤)۔ چنانچہ وہ مرتبۂ رسالت میں ساری مخلوق سے ممتاز حیثیت رکھتے

---

(۱) اصول الکافی، جلد ۱، صفحہ ۲۴۰، بحار الانوار: جلد ۲۶، صفحہ ۴۴؛ بصائر الدرجات، صفحہ ۴۳۔

ہیں اور کسی بشر کو ان پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔لیکن شیعی مؤلفین یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بارہ ائمہ انبیاء سے بھی افضل ہیں۔ چنانچہ بحار الأنوار میں مجلسی نے ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے: "بیان ہے کہ ائمہ کی انبیاء اور تمام مخلوق پر فضیلت، اوران سے، فرشتوں سے اور تمام مخلوق سے ان کی ولایت کا عہد لیا گیا، اور اولوالعزم انبیاء بھی ان کی محبت کی وجہ سے اولوالعزم قرار پائے۔"(۱)

اسی طرح وسائل الشیعہ کے مصنف نے انبیاء پر ائمۂ اثنا عشر کی فضیلت کو مذہبِ شیعہ کے اصول میں شمار کیا ہے اور اسے ائمہ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس بارے میں ان کے ہاں روایات بھی بے شمار ہیں۔(۲) اسی نظریے کا اظہار عصرِ حاضر میں روح اللہ خمینی نے بھی اپنی کتاب الحکومۃ الإسلامیۃ میں کیا اور ان کے ہم خیال افراد بھی اس موقف کا اعادہ کرتے ہیں۔

بلاشبہ یہ قول قرآنِ مجید کی صریح آیتوں کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ

---

(۱) بحار الأنوار، جلد ۲۶ صفحہ ۲۶۷۔

(۲) دیکھیے: الفصول المہمہ فی إصول الأئمہ، باب: إن النبی والأئمہ الاثنی عشر إفضل من سائر المخلوقات من الأنبیاء والأوصیاء السابقین والملائکہ وغیرہم، صفحہ ۱۵۱–۱۵۴۔

حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴾ ''اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں دی، ہم درجوں میں بلند کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں۔ تیرا رب کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔اور ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیے، ان سب کو ہم نے ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور اس کی اولاد میں سے داود اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو، یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو، اور ان سب کو جہانوں پر فضیلت دی۔'' (الأنعام: ۸۳-۸۶)۔ چنانچہ ''عالمین'' (جہانوں) میں اولیا وصلحا اور ائمہ سبھی شامل ہیں تو انہیں انبیاء علیہم السلام پر فضیلت وفوقیت دینا اس قرآنی بیان کے منافی ہے۔

اسی بنا پر اہلِ سنت والجماعت کا اس امر پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں اور فضیلت و خیر میں کوئی ان پر سبقت نہیں لے سکتا:

• امام ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ کوئی ولی نبی سے افضل ہو سکتا ہے — جیسا کہ کرامیہ سے منقول ہے — تو یہ قول کفر، الحاد اور گمراہی ہے۔ کیوں کہ اجماع ہے کہ انبیاء اولیا سے افضل ہیں۔[1]

• اسی طرح تفسیرِ نسفی میں مذکور ہے کہ بعض گمراہ لوگوں کے قدم اس مسئلے میں پھسل گئے ہیں جو ولی کو نبی پر فضیلت دینے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ واضح کفر ہے۔[2]

• امام نووی نے اپنی کتاب بستان العارفین میں لکھا ہے: قشیری نے پوچھا: کیا ولی کو نبی پر فضیلت دی جاسکتی ہے؟ ہم نے کہا: اولیا کا رتبہ انبیاء علیہم السلام کے رتبے تک نہیں پہنچتا۔ اس بات پر اجماع ہے۔[3]

---

(۱) شرح الفقہ الأکبر: ص ۳۴۹–۳۵۰۔

(۲) تفسیر النسفی: جلد ۲ صفحہ ۲۵۲۔

(۳) بستان العارفین: جلد ۱ صفحہ ۲۲۔

◉ پانچواں مبحث: یومِ آخرت پر ایمان کے بارے میں ان کا عقیدہ:

یومِ آخرت پر ایمان قرآنِ کریم اور سنتِ نبویہ سے ثابت ہے۔ قرآن مجید ابتدا سے انتہا تک آخرت کے احوال اور اس کی تفصیلات کے ذکر سے معمور ہے۔ تاہم شیعہ حضرات کے ہاں یومِ آخرت سے متعلق بعض ایسے اقوال پائے جاتے ہیں جو ناقابلِ قبول اور مردود ہیں۔

- ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ یومِ آخرت سے متعلق قرآنِ کریم کی آیات کے معانی کو "رجعت" کے مفہوم پر محمول کرتے ہیں۔[1] یہ قول بالآخر یومِ آخرت کے کلی انکار تک پہنچادیتا ہے، اور کم از کم اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ شیعی عوام کے دلوں کو اس عظیم دن کی ہولناکیوں سے پھیر دیتا ہے یا ان کے نفوس سے یومِ آخرت کے معانی کو مٹا دیتا ہے۔

- ان اقوال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک آخرت کا اختیار امام کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی کتاب الکافی کے مؤلف اپنی روایات میں نقل کرتے ہیں: " آخرت امام کے لیے ہے وہ اسے جہاں چاہے رکھے اور جسے چاہے عطا

(۱) رجعت سے متعلق تفصیل آئندہ آئے گی۔

کرے، اللہ کی جانب سے اسے یہ اختیار حاصل ہے۔“[۱]

- آخرت کا معاملہ امام کے سپرد کیوں ہے؟ اس کی بنیاد ان کے جنت و دوزخ کے متعلق تصور پر ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”اگر ائمہ نہ ہوتے تو جنت اور دوزخ نہ بنائی جاتیں۔“[۲] نیز یہ کہ ”اللہ تعالیٰ نے جنت کو حُسین کے نور سے پیدا کیا۔“[۳] ان کے عالم ہاشم بحرانی نے اس بارے میں ایک مستقل باب بھی قائم کیا ہے۔[٤] کبھی وہ کہتے ہیں کہ جنت، علی سے فاطمہ کے نکاح میں حق مہر کے طور پر مقرر کی گئی تھی۔ حالانکہ اگر جنت ان کے بقول ان کے بیٹے کے نور سے پیدا کی گئی ہے تو پھر وہ حق مہر کیسے ہوسکتی ہے؟ مزید یہ کہ حق مہر کا اصول تو یہ ہوتا ہے کہ وہ شوہر کی جانب سے ادا کیا جاتا ہے۔

جب شیعہ عقیدے کے مطابق ان مذکورہ وجوہات کی بنا پر آخرت کا اختیار امام کو حاصل ہے تو انہوں نے حیاتِ اُخروی کے تمام مراحل کو بھی اپنے امام اور ائمہ سے متعلق غلو آمیز تصور کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ چنانچہ ان کے

---

(۱) اصول الکافی، جلد ۱، صفحہ ۴۰۹۔

(۲) الاعتقادات، صفحات ۱۰۶ تا ۱۰۷۔

(۳) المعالم الزلفی، صفحہ ۲۴۹۔

(۴) المعالم الزلفی، صفحہ ۲۴۹۔

نزدیک ائمہ موت کے وقت حاضر ہوتے ہیں ۔[1]

جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ان کے زعم کے مطابق حسین کی تربت کی کچھ مٹی بطورِ امان رکھی جاتی ہے۔ اس بارے میں حر عاملی نے ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے: "میت کے ساتھ کافور وحنوط میں، کفن اور قبر میں تربتِ حسینی رکھنے کے استحباب کا بیان۔"[2]

نیز ان کے مطابق قبر میں سب سے پہلا سوال بارہ ائمہ کی محبت کے بارے میں کیا جائے گا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: "سب سے پہلی چیز جس کے بارے میں بندے سے سوال ہوگا، وہ ہم اہلِ بیت کی محبت ہے۔"[3]

- **روزِ قیامت حشر میں جمع کیے جانے کے بارے میں ان کا عقیدہ:**

ان کی روایات کے مطابق قیامت کے دن تمام انسانوں کو جمع نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے بلکہ ایک ایسا گروہ بھی ہے جو میدانِ محشر میں شامل نہیں ہوگا ، نہ وہ اس دن کی ہولناکیوں سے دوچار ہوگا، نہ وہ اس عظیم

---

(۱) الاعتقادات، صفحات ۹۳ - ۹۴۔

(۲) وسائل الشیعہ، جلد ۲ صفحہ ۷۴۲۔

(۳) بحار الانوار، جلد ۲۷ صفحہ ۷۹، عیون اِخبار الرضا، صفحہ ۲۲۲۔

ماحول میں کھڑا ہوگا، اور نہ پل صراط سے گزرے گا بلکہ وہ اپنی قبروں سے سیدھا جنت میں منتقل کر دیا جائے گا۔ وہ شہرِ قم کے باشندے ہوں گے۔جیساکہ ان کی روایات میں مذکور ہے: ''اہلِ قم اپنی قبروں ہی میں حساب دیے جائیں گے اور اپنی قبروں ہی سے جنت کی طرف بھیج دیے جائیں گے۔''(۱)

بات یہیں تک محدود نہیں بلکہ ان کے دعوے کے مطابق جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اہلِ قم کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ جیساکہ ابو الحسن رضا سے منقول ہے: ''جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک اہلِ قم کے لیے ہے، چنانچہ ان کے لیے خوش خبری ہے، پھر خوش خبری ہے۔''(۲) بلکہ ان کے ایک معاصر عالم نے اہلِ قم کے لیے کھولے گئے دروازوں کی تعداد میں اضافہ کرتے ہوئے امام رضا کا یہ قول نقل کیا کہ ''جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے تین اہلِ قم کے لیے ہوں گے۔''(۳)

اسی طرح انہوں نے حساب وکتاب، پل صراط، میزان، جنت اور دوزخ کے امور کو بھی ائمہ کے اختیار میں قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ ابو عبد اللہ سے روایت کرتے

---

(۱) بحار الأنوار، جلد ۶۰ صفحہ ۲۱۸، الکنّی والألقاب، جلد ۳ صفحہ ۷۱۔

(۲) بحار الأنوار، جلد ۶۰ صفحہ ۲۱۵، سفینۃ البحار، جلد ۱ صفحہ ۴۴۶۔

(۳) اِحسن الودیعۃ از محمد مہدی الکاظمی، صفحات ۳۱۳-۳۱۴۔

ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''پل صراط ہمارے اختیار میں ہو گا، میزان ہمارے اختیار میں ہوگی اور ہمارے شیعوں کا حساب بھی ہمارے سپرد ہوگا۔''[۱] حر عاملی نے ائمہ کے اصول میں سے یہ بات بھی شمار کی ہے کہ اس بات پر بھی ایمان رکھا جائے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق کا حساب ائمہ کے سپرد ہوگا۔[۲]

جس جنت کا وہ ذکر کرتے ہیں، وہ ان کے نزدیک صرف شیعوں کے لیے مخصوص ہے، اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ان کے ائمہ کے لیے ہے۔ اسی طرح دوزخ — جس کی کنجیاں ائمہ کے ہاتھ میں ہیں — ان کے دشمنوں کے لیے ہے۔ ان کا کہنا ہے: ''جنت اہلِ بیت کے لیے پیدا کی گئی ہے اور دوزخ ان کے دشمنوں کے لیے۔''[۳]

---

(۱) رجال الکشی، صفحہ ۳۳۷۔

(۲) الفصول المہمہ فی اِصول الائمہ، صفحہ ۱۷۱۔

(۳) المعالم الزلفی، صفحہ ۲۵۱۔

◉ چھٹامبحث: ایمان بالقدر سے متعلق ان کا عقیدہ :

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: قدیم شیعہ تقدیر کے اثبات پر متفق تھے اور ان میں تقدیر کاانکاراس وقت عام ہوا جب وہ معتزلہ کے ساتھ ملے۔ (۱)

- **شیعہ کے مصادر کا جائزہ لینے سے درجِ ذیل بات واضح ہوتی ہے:**

ان کے عالم مفید کہتے ہیں کہ آلِ محمد ﷺ سے صحیح قول یہ منقول ہے کہ بندوں کے اعمال اللہ کی طرف سے تخلیق کردہ نہیں ہیں...۔ (۲)

ان کے عالم حر عاملی (وفات ۱۱۰٤ھ) نے اس عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے: ’’بندوں کےاعمال کے سوا اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا خالق ہے۔‘‘(۳) اور کہا: ’’میں کہتا ہوں: امامیہ اور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال ان سے صادر ہوتے ہیں اور وہ خود ہی ان کے خالق ہیں۔‘‘(٤)

اسی طرح ان کے عالم طبطبائيؒ کا قول ہے: ’’امامیہ اور معتزلہ کے نزدیک بندوں کے اعمال اور حرکات ان کی اپنی ہی قدرت اور اختیار سے واقع ہوتی

(۱) منہاج السنہ، جلد ۲ صفحہ ۲۹۔
(۲) شرح عقائد الصدوق، صفحہ ۱۲۔
(۳) الفصول المہمہ فی اِصول الائمہ، صفحہ ۸۰۔
(۴) الفصول المہمہ فی اِصول الائمہ، صفحہ ۸۱۔

ہیں، یعنی وہی ان کے خالق ہیں۔ اور جو ان آیات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا خالق ہے ' تو اس سے مراد اعمالِ عباد کے علاوہ ہر چیز ہے یا اس کی تأویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ یا اپنی مخلوقات کے واسطہ سے ساری چیزوں کا خالق ہے ۔''(۱)

بلاشبہ، جو لوگ تقدیر کے انکاری ہیں انہوں نے کچھ دلائل کو لیا اور باقی کو ترک کر دیا ہے ۔ جو کہتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے انہوں نے بھی کچھ دلائل کو لیا اور باقی کو ترک کردیا۔ جنہوں نے درمیانہ موقف اختیار کیا ہے انہوں نے تمام دلائل کو لے کر ان پر عمل کیا۔ چنانچہ قرآنِ مجید کی آیات واضح کرتی ہیں کہ انسان کے پاس فعل، قدرت اور مشیت وارادہ سب ہے لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کے تابع ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾ ''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔'' [الإنسان: ۳۰]-[التکویر: ۲۹]۔ سلف وخلف میں اہل سنت کے جمہور علماء کہتے ہیں کہ انسان کے پاس قدرت، ارادہ اور فعل ہے، اور اللہ تعالیٰ ان سب کا خالق ہے، جیسا کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے، اور یہ بات کتاب و سنت سے ثابت ہے۔(۲)

---

(۱) مجالس الموحدین فی بیان إصول الدین، صفحہ ۲۱۔

(۲) دیکھیے: منہاج السنہ، ص ۲۰ - ۲۱۔

تیسری فصل

شیعہ کے منفرد اور خاص اصول وعقائد

پہلا مبحث: امامت:

شیعہ کے نزدیک امامت ہی وہ اصل ہے جس کے گرد ان کی تمام روایات گھومتی ہیں۔ یہی ان کے عقائد کا محور ہے، اس کا اثران کی فقہ، اصول، تفسیر اور دیگر علوم میں نظر آتا ہے۔

پہلا نکتہ: امامت کا معنی ومفہوم:

کلینی نے اپنی کتاب الکافی میں باب قائم کیا ہے: "امامت اللہ کی جانب سے ایک عہد ہے جو ایک سے دوسرے کو سپرد کیا جاتا ہے۔امامت اللہ کی جانب سے ایک عہد ہے جو ایک سے دوسرے کو سپرد کیا جاتا ہے۔"[1] عصر حاضر کے شیعہ کا مرجع سمجھے جانے والے محمد حسین آل کاشف الغطا اس کے اثبات میں فرماتے ہیں: "امامت بالکل نبوت کی طرح ایک الٰہی منصب ہے ۔ جس طرح

(۱) اِصول الکافی: جلد ا، صفحہ ۲۲۷۔

اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے کسی کو نبوت اور رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے اور اپنی طرف سے معجزے عطا کرکے اس کی تصدیق فرماتا ہے، بالکل اسی طرح وہ اپنی مرضی سے کسی کو امامت کے لیے منتخب کرتا ہے اور اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اس کی صراحت کرے اور اپنے بعد اسے لوگوں کے لیے امام مقرر کردے۔"(۱)

یعنی شیعہ کے نزدیک امامت کامفہوم بالکل نبوت کی مانند ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے انبیاء کا انتخاب کرتا ہے اسی طرح ائمہ کو منتخب بھی کرتا ہے،ان کی تعیین کی صراحت کرتا ہے،لوگوں کو ان سے متعلق آشنا کرتا ہے، انہی کی وساطت سے لوگوں پر حجت قائم کرتا ہے اور ان معجزات کے ذریعے کی تصدیق کرتا ہے!

ابتدائی طور پر جس نےشیعہ کے ہاں مروجہ امامت کے اس تصور کو فروغ دیا، وہ ابن سبأ تھا، جس نے کہا کہ امامت نبی کی جانب سے ایک وصیت ہوتی ہے جو صرف وصی کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ اگر کسی اور نے اس منصب کو سنبھالا تو اس سے براءت کا اظہار کرنا اور اس کی تکفیر کرنا لازم ہے۔ اوائل

(۱) إصل الشیعۃ وإصولہا، صفحہ ۵۸۔

شیعی علماء نے بھی اعتراف کیا ہےکہ ابن سبأ نے سب سے پہلے علی کی امامت کی فرضیت کا موقف مشہور کیا اور ان کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا، ان کے مخالفین کو بے نقاب کیا اور ان کی تکفیر کی۔[1] اماقت کے اس مفہوم پر تنقید کرنے کے لیے یہی کافی ہے کہ ان کے پاس اس مسئلہ میں ابنِ سبأ اور یہودیت کے سوا کوئی اور مرجع نہیں ہے۔

دوسرا نکتہ: شیعہ کے نزدیک امامت کا مقام ومرتبہ:

اہلِ سنت کے نزدیک مسئلۂ امامت دین کے ان اصولوں میں سے نہیں ہے کہ جن سے لا علم رہنا مکلف کے لیے جائز نہ ہو، جیسا کہ اہلِ علم کے ایک گروہ نے بیان کیا ہے۔[2] لیکن شیعہ کے نردیک اماقت کی اہمیت بالکل مختلف ہے۔ جیسا کہ کلینی نے اپنی سند سےابو جعفر سے روایت نقل کی ہے: ''اسلام پانچ ستونوں پر قائم ہے: نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور ولایت۔ ان میں سے جو تاکید ولایت کے بارے میں وارد ہوئی وہ کسی اور کے بارے میں نہیں ہوئی۔ مگر لوگوں نے چار ستونوں کو اختیار کر لیا اور اس ایک- ولایت- کو ترک کر

(۱) رجال الکشی، صفحہ ۱۰۸، المقالات والفرق ازقمی، صفحہ ۲۰،فرق الشیعہ ازنوبختی، صفحہ ۲۲۔

(۲) دیکھیے: غایۃ المرام ازآمدی، صفحہ ۳۶۳،الاقتصاد ازغزالی، صفحہ ۱۳۴، مقدمہ ابن خلدون، جلد ۳ صفحہ ۱۰۸۰۔

دیا۔''[۱] ملاحظہ کیجیے کہ ارکانِ اسلام میں سے شہادتین کو نکال کر اس کی جگہ ولایت کو شامل کر دیا اور اسے سب سے عظیم رکن بنادیا۔

- **امامت کا مرتبۂ نبوت سے موازنہ کرنے کے لیے شیعی علماء کے چند اقوال یہ ہیں:**

- نوبختی فرماتے ہیں کہ بعض شیعی فرقوں کے نزدیک نبوت کے بعد امامت اہم ترین امور میں سے ہے۔[۲]

- آل کاشف الغطاء کے نزدیک تو امامت بالکل نبوت کی طرح ایک الٰہی منصب ہے ۔[۳]

- کلینی کی کتاب الکافی کی بعض روایات کے مطابق ولایت مرتبہ نبوت سے بھی بلند ہے۔[٤]، اور یہ ان کے بہت سے علما نے علانیہ لکھا ہے ۔ان کے عالم نعمۃاللہ الجزائری لکھتے ہیں: ''عمومی امامت وہ ہے جو نبوت اور رسالت سے

(۱) اصول الکافی، جلد ۲ صفحہ ۱۸۔ اس حدیث کا ان کے نزدیک حکم: "بالکل صحیح کی طرح مستند ہے۔" (الشافی شرح الکافی : جلد۵، صفحہ ۲۸ نمبر ۱۴۸۷)۔

(۲) فرق الشیعہ ، صفحہ ۱۹۔

(۳) اِصل الشیعہ واِصولہا، صفحہ ۵۸۔

(۴) دیکھیے: اصول الکافی، جلد ۱ صفحہ ۱۷۵۔

بھی بلند مقام رکھتی ہے۔"[1] اور ان کے مرجع اور آیت سمجھے جانے والے عالم هادي الطهراني کا قول ہے: "امامت نبوت سے بلند مقام رکھتی ہے، یہ وہ تیسرا رتبہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور خلت کے بعد عطا فرمایا تھا..."[2]

اس تناظر میں،امامت ہی نبوت ہےاور امام ہی نبی ہوتا ہے۔ صرف نام کا فرق ہے۔ اسی لیے مجلسی نے کہا: "ان روایات سے نبی اور امام میں فرق نکالنا مشکل ہے۔ پھر انہوں نے کہا: خاتم الأنبیاء کی رعایت کے علاوہ ہم نہیں جانتے کہ انہیں وصفِ نبوت سے متصف نہیں کرنے کی کوئی اور وجہ ہے ۔مگر عقل سے ہم نبوت اور امامت کے درمیان فرق معلوم نہیں کر سکتے۔"[3]

تیسرا نکتہ: مسئلۂ امامت پر شیعہ کے استدلال:

شیعہ حضرات کا موقف یہ ہے کہ قرآن و سنت میں امامت پر صریح نص موجود ہے۔ اسی بنا پر ہم اس باب میں کتاب و سنت سے ان کے مضبوط ترین دلائل پیش کرتے ہیں۔

---

(۱) زہر الربیع، صفحہ ۱۲۔

(۲) ودائع النبوۃ، صفحہ ۱۱۴۔

(۳) بحار الانوار، جلد ۲۶ صفحہ ۸۲۔

- **قرآن سے ان کے دلائل:**

طوسی کا قول ہے جنھیں وہ شیخ الطائفہ کے لقب سے پکارتے ہیں: ''امامت پر قرآنی نصوص میں سے سب سے قوی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ ''تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، وہ جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔'' [المائدہ: ۵۵]۔[۱] اور طبرسی کہتے ہیں: ''نبی ﷺ کے بعد علی کی امامت کے درست ہونےپر بلا نزاع یہ آیت ایک واضح ترین دلیل ہے۔''[۲]

اب سوال یہ ہے کہ وہ اس آیت سے اپنے مدعا پر کیسے استدلال کرتے ہیں؟ تواس کے جواب میں شیعی عالم علامہ ابنِ مطہر حلی کہتے ہیں: ''اہلِ سنت کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور یہ واقعہ صحاحِ ستہ میں بھی مذکور ہے کہ انہوں نے نماز کی حالت میں، صحابہ کی موجودگی میں، اپنی انگوٹھی ایک مسکین کو صدقہ کر دی

(۱) تلخیص الشافی، جلد ۲ صفحہ ۱۰۔
(۲) مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۔

تھی‘‘[1]۔ اور لفظِ :«إنما» پر اہلِ لغت کا اتفاق ہے کہ یہ حصر کے لیے آتا ہے، اور لفظِ :«ولی» سے مراد ”أولیٰ بالتصرف“ ہے یعنی تصرف کا زیادہ حق رکھنے والا ۔ جو کہ امام اور خلیفہ کے ہم معنیٰ ہے۔[2]

- اس استدلال کا جائزہ:

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ شیعہ حضرات اس آیت سے استدلال میں دراصل اس کے سببِ نزول سے متعلق روایت پر اعتماد کرتے ہیں کیونکہ خود آیت کے الفاظ میں ایسا کوئی صریح لفظ موجود نہیں جو ان کے مدعا پر دلالت کرتا ہو۔ اس طرح ان کا استدلال قرآن سے نہیں بلکہ روایت سے ہے۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ کیا یہ روایت ثابت ہے؟ اور کیا ان کے استدلال کا طریقہ درست ہے؟ اس کی حقیقت درج ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے:

۱. ان کا یہ دعویٰ کہ اہلِ سنت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ، بالکل بے بنیاد ہے۔ بلکہ روایات کا علم رکھنے

(۱) نہج الحق وکشف الصدق، صفحہ ۱۷۲۔ مصنف کا یہ کہنا کہ ”الصحاح الستہ“: یہ درست تعبیر نہیں ہے کیونکہ اہلِ سنت تمام چھ کتابوں کو صحیح قرار نہیں دیتے، اسی لیے وہ انہیں ”الکتب الستہ“ کہتے ہیں۔

(۲) حق الیقین از شبر: جلد ۱، صفحہ ۱۴۴، عقائد الامامیہ الاثنا عشریہ از زنجانی، جلد ۱ صفحہ ۸۱-۸۲۔

والے علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت خاص طور پر علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ انہوں نے نماز کے دوران اپنی انگوٹھی صدقہ کی ۔ بلکہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس سلسلے میں بیان کی جانے والی کہانی من گھڑت اور بے بنیاد ہے۔(۱)

ان کا یہ کہنا کہ یہ روایت صحاحِ ستہ میں مذکور ہے، یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس روایت کا کتبِ ستہ میں کہیں وجود نہیں ملتا۔ امام ابنِ کثیر نے ان تمام آثار کو ذکر کیا ہے جو اس بارے میں روایت کیے جاتے ہیں کہ یہ آیت علی رضی اللہ عنہ کے اس واقعے کے موقع پر نازل ہوئی جب انہوں نے اپنی انگوٹھی صدقہ کی، پھر ان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ان میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں کیونکہ ان کی اسانید ضعیف اور ان کے رواۃ مجہول ہیں۔"(۲)

۲. یہ دلیل، جس سے وہ استدلال کرتے ہیں، خود اثنا عشریہ کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ آیت میں حصر کے صیغے : «إنما» کے ذریعے ولایت کو صرف امیر المؤمنین تک محدود کیا گیا ہے۔ اس سے باقی ائمہ سے امامت کی نفی

(۱) منہاج السنۃ از ابن تیمیہ، جلد ۴ صفحہ ۴۔
(۲) تفسیر ابن کثیر، جلد ۲ صفحہ ۷۶-۷۷۔

لازم آتی ہے ۔اگر وہ اس اعتراض کا جواب یہ دیں کہ آیت میں ولایت کا حصر بعض اوقات کے لیے ہے یعنی صرف اس زمانے کے لیے جب وہ امام تھے، نہ کہ ان کے بعد آنے والے ائمہ کے زمانے کے لیے تو اس صورت میں وہ اہلِ سنت کے اس موقف سے متفق ہو جاتے ہیں کہ انہیں عمومی ولایت اسی وقت حاصل تھی جب وہ امام بنے تھے، اس سے پہلے سابقہ تینوں خلفاء کی خلافت کے زمانے میں نہیں تھی۔

۳. اللہ تعالیٰ کسی انسان کی تعریف صرف اسی عمل پر کرتا ہے جو اس کے نزدیک قابلِ تعریف ہو، یعنی یا تو واجب ہو یا مستحب۔ علماء امت کے اتفاق کے مطابق نماز کے دوران صدقہ کرنا مستحب عمل نہیں ہے۔ اگر یہ مستحب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ خود اس پر عمل فرماتے، اس کی ترغیب دیتے اور اسے بار بار انجام دیتے حالانکہ نماز میں تو پہلے ہی خاص قسم کی مشغولیت ہوتی ہے۔مزید یہ کہ سائل کو صدقہ دینا کوئی ایسا عمل نہیں جو فوت ہوجائے کیونکہ نمازی سلام پھیرنے کے بعد بھی صدقہ دے سکتا ہے۔ بلکہ بہت سے اہلِ علم کے نزدیک تو نماز کے دوران سائل کو کچھ دینے کے لیے حرکت کرنانماز کو باطل کر دیتا ہے۔

۴. اگر بالفرض یہ عمل نماز کے دوران مشروع بھی مان لیا جائے تو یہ صرف

رکوع کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ولی صرف وہی ہیں جو رکوع کی حالت میں صدقہ دیتا ہو؟

۵. ان کا یہ کہنا کہ علی نے حالتِ رکوع میں اپنی انگوٹھی بطورِ زکوٰۃ دے دی، جس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی تو یہ حقیقتِ حال کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ عہدِ نبوی میں علی ان لوگوں میں شامل ہی نہیں تھے جن پر زکوٰۃ فرض ہو، کیونکہ وہ اس وقت تنگدست تھے۔

٦. جب یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ روایات جن کی بنیاد پر انہوں نے اس آیت کی تاویل کی ہے، سند اور متن دونوں اعتبار سے باطل ہیں؛ تو پھر ان کے لیے اس آیت سے استدلال کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ بلکہ یہ آیت تو خود انہی کے خلاف حجت ہے۔ کیونکہ اس میں مومنوں سے دوستی اور موالات رکھنے کا حکم اور کافروں سے موالات ودوستی رکھنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ یہ مفہوم آیات کے سیاق و سباق سے پوری طرح واضح ہے۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَرَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان کے بعض

بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقینا وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔" [المائدۃ:۵۱] ۔ اس میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ محبت، مودّت اور نصرت کی بنیاد پر دوستی رکھنے سے صراحت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد ولایت بمعنی امارت نہیں ہے، بلکہ یہ معنی یہاں سرے سے مراد ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد ان کا ذکر کیا گیا ہے جن سے موالات ودوستی رکھنا واجب ہےیعنی اللہ، اس کے رسول اور اہلِ ایمان ۔

لہٰذا اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جس قسم کی موالات ودوستی یعنی محبت اور نصرت کی بنیاد پر دوستی سے پہلی آیت میں منع کیا گیا تھا اسی قسم کی موالات ودوستی کا حکم اس آیت میں اہلِ ایمان کے لیے دیا گیا ہےاور تقابل کایہ اسلوب عربی زبان میں بالکل واضح ہے۔ چنانچہ فخر الدین رازی کہتے ہیں: "جب سابقہ آیات میں کفار سے دوستی رکھنے سے منع کیا گیا، تو اس آیت میں ان لوگوں سے موالات ودوستی رکھنے کا حکم دیا گیا جن سے موالات ودوستی رکھنا واجب ہے۔"(۱)

(۱) تفسیر فخر الرازی، جلد ۵ صفحہ ۱۲۔

٧. ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالی کے فرمان :﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ﴾ [المائدة: ٥٥] سے امارت مراد ہے، یہ خود آیت کے سیاق والفاظ :﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ [المائدہ: ٥٥] سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ بندوں پر متولّی یا امیر ہے۔ وہ تو ان کا خالق، رازق، رب اور مالک ہے، پیدا کرنااور حکم دینا دونوں اسی کے کام ہیں۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاتا کہ اللہ "امیرالمؤمنین" ہے، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کو یا کسی والی وحاکم کو امیر المومنین کہا جاتا ہے۔اسی طرح رسول اللہﷺ کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ لوگوں پر محض متولی یا امیر ہیں کیونکہ آپ کا مقام اس سے کہیں بلند و برتر ہے۔

٨. عربی زبان میں وَلایۃ (فتحہ کے ساتھ) اور وِلایۃ (کسرہ کے ساتھ) کے درمیان فرق معروف ہے۔ وَلایت، دشمنی کا متضاد ہے، اور ان مذکورہ نصوص میں یہی معنی مراد ہےجب کہ وِلایت (کسرہ کے ساتھ) سے مراد امارت اور حکمرانی ہے، وہ یہاں مراد نہیں ہے۔ چنانچہ ولی کو امیر کے معنی میں لینا غلط اور الفاظ کی دلالتوں سے ناواقفیت کی علامت ہے۔ واضح رہے کہ وَلاء (فتحہ کے ساتھ) دشمنی کے متضاد معنی میں ہے، چنانچہ مولیٰ اور ولی کے الفاظ بھی اسی

سے ہیں؛ جب کہ وِلایت (کسرہ کے ساتھ) سے والی اور متولی کے الفاظ بنتے ہیں۔[1] اگر اللہ تعالیٰ کی مراد اس سے امارت ہی ہوتی تو اللہ تعالی یوں فرماتا: ''إنما یتولی علیکم'' یعنی تم پر حکومت کرنے والا۔

یہی وہ سب سے مضبوط آیت ہے جس سے شیعہ حضرات استدلال کرتے ہیں اور اسے آیتِ ولایت کہتے ہیں۔ جب یہی ان کی سب سے قوی دلیل ہے — جیسا کہ ان کے اپنے علماء کہتے ہیں — تو پھر اسی سے ہی ان کے موقف کی کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ جب یہ شیعہ کے نزدیک دین کے سب سے بڑے مسائل میں سے ہے اور جس کے منکر کو وہ کافر قرار دیتے ہیں تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ اتنے عظیم مسئلے کے بیان کے لیے ایسی واضح اور صریح تعبیر استعمال کی جاتی جو ہر طبقے کے لوگ بآسانی سمجھ سکتے، جسے عام آدمی بھی اسی طرح سمجھتا جیسے عالم سمجھتا ہے۔چونکہ قرآنِ کریم میں اس معاملے میں ایسی کوئی صریح اور واضح نص استعمال ہی نہیں کی گئی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا وہ دعویٰ کرتے ہیں ویسی کوئی نص موجود ہی نہیں ہے۔

---

(۱) دیکھیے: مختار الصحاح، مادہ ولی ۔

• سنت سے ان کے دلائل:

جیسا کہ ہم اس سے پہلے قرآن مجید سے وہ دلیل ذکر کر چکے ہیں جسے شیعہ حضرات اپنے تصورِ امامت کے اثبات کے لیے سب سے مضبوط دلیل سمجھتے ہیں، اسی طرح اب ہم سنتِ نبوی سے وہ دلیل بھی ذکر کرتے ہیں جسے وہ اپنے نزدیک سب سے قوی سمجھتے ہیں، اور ساتھ ہی اس کا جائزہ بھی لیں گے۔

• سنت سے ان کی بنیادی دلیل:

سنت سے ان کی مرکزی دلیل وہ روایت ہے جسے وہ "حدیثِ غدیر" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے واپسی پر "غدیرِ خم"(۱) پر پہنچے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کے سامنے یہ واضح فرمایا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کے وصی اور خلیفہ علی بن ابی طالب ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی کا حکم دیا ہے۔

ان کے عالم مجلسی کہتے ہیں: ہم اور ہمارے مخالفین دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے غدیرِ خم کے دن، جب

(۱) خم: مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے، جس میں ایک تالاب (غدیر) واقع ہے۔ یہ وادی مضرِ صحت آب و ہوا کی کثرت کے باعث معروف تھی۔ دیکھیے، معجم البلدان، جلد ۲ صفحہ ۳۸۹۔

مسلمانوں کا ایک بڑا مجمع تھا، کھڑے ہو کر فرمایا: ”اے لوگو! کیا میں مؤمنوں پر ان کی اپنی جانوں سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ لوگوں نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں، اس کے علی مولا ہیں۔ اے اللہ! جو اس سے محبت رکھے تو اس سے محبت رکھ، جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی رکھ، جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد فرما، اور جو اسے رسوا کرے تو اسے رسوا کر...“[۱] اسی طرح ان کے ایک اور عالم عبد اللہ شبر کہتے ہیں: ”اس حدیثِ غدیر کو عامہ (یعنی اہلِ سنت) نے متعدد متواتر طرق سے نقل کیا ہے جو باہم ایک دوسرے کو تقویت بھی دیتے ہیں اور جن کی تعداد سو سے زائد ہے۔ اس کی صحت پر ان کا اتفاق بھی ہے اور وہ اس حدیث غدیر کے وقوع کے معترف بھی ہیں۔“[۲]

- **اس سے متعلق اہلِ سنت کا جواب اختصار کے ساتھ درجِ ذیل ہے:**

ا. یہ دعویٰ کہ یہ حدیث اہلِ سنت کے نزدیک متواتر ہے اور اس کی صحت پر اتفاق ہے، درحقیقت ایک مبالغہ ہے جو کذب بیانی سے قریب تر ہے کیونکہ بعض اہلِ علم کے نزدیک تو اس حدیث کا کوئی حصہ بھی صحیح ثابت نہیں ہے۔ جیساکہ

---

(۱) بحار الأنوار، جلد ۳۷ صفحہ ۲۲۵۔

(۲) حق الیقین، جلد ۱، صفحہ ۱۵۳۔

ابن حزم کہتے ہیں: ''حدیث: « من کنت مولاہ فعلي مولاہ » یہ ثقہ راویوں کی سند سے بالکل ثابت نہیں ہے۔''[1] اور ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''حدیث: «من کنت مولاہ فعلي مولاہ » یہ صحاح میں مذکور نہیں ہے۔ البتہ اسے بعض اہلِ علم نے روایت کیا ہے اور اس کی صحت کے بارے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔''[2]

۲. اہلِ سنت کے بعض علماء نے اس حدیث کے جس حصے کو صحیح قرار دیا ہے، وہ صرف یہ الفاظ ہیں: «من کنت مولاہ فعلي مولاہ»۔[3] اس کے علاوہ روایت کے دیگر الفاظ میں کلام ہے۔

۳. اس حدیث میں حدیثیں گھڑنے والوں نے متعدد الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے، مثلاً یہ الفاظ: « **اللهم وال من والاہ، وعاد من عاداہ، وانصر من نصرہ، واخذل من خذله** » محدثین کے نزدیک یہ اضافہ بالاتفاق موضوع اور من گھڑت ہے۔[4] پھر اس کے بے بنیاد ہونے کی علامت خود اس کے متن سے بھی ظاہر ہےکیونکہ اس میں دعا کے طور پر کہا گیا ہے: « اللهم انصر من

(۱) الفصل از ابن حزم، جلد ۴ صفحہ ۲۲۴۔

(۲) منہاج السنہ ، جلد ۴ صفحہ ۸۶۔

(۳) سنن ابنِ ماجہ ، جلد ۱ صفحہ ۴۳، جامع ترمذی، جلد ۵ صفحہ ۶۳۳۔

(۴) منہاج السنہ ، جلد ۴ صفحہ ۱۶۔

نصرہ...››، یہ ثابت شدہ تاریخی حقیقت کے خلاف ہے۔ چنانچہ جنگِ صفین میں کچھ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے مگر انہیں فتح حاصل نہیں ہوئی اور کچھ لوگ ان کے ساتھ شریک نہ ہوئے مگر وہ مغلوب بھی نہیں ہوئے۔ مثلاً: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جنہوں نے عراق کو فتح کیا مگر علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور بنو امیہ، جنہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیااور بعد میں انہوں نے کفار کے بہت سے علاقوں کو فتح کیا اور اللہ نے ان کی مدد کی۔

۴. آپ ﷺ کے فرمان : ‹‹من کنت مولاہ فعلي مولاہ›› سے قطعاً خلافت مراد نہیں ہے؛ کیونکہ الفاظ میں اس پر کوئی دلالت موجود نہیں ہے۔ حالانکہ خلافت جیسا عظیم معاملہ واضح اور صریح انداز میں بیان کیا جانا ضروری تھا۔یہاں ’’موالاۃ‘‘ کا مفہوم ’’معاداۃ‘‘ (یعنی دشمنی) کے مقابلے میں ہے اور یہ حکم ہر مؤمن کے بارے میں ثابت ہے۔ لہٰذا علی رضی اللہ عنہ بھی ان مؤمنین میں سے ہیں جو دیگر مؤمنوں سے محبت رکھتے ہیں اور مؤمنین بھی ان سے محبت رکھتے ہیں۔

اس حدیث میں دراصل علی رضی اللہ عنہ کے باطنی ایمان کا اثبات اور اس بات کی گواہی ہے کہ وہ ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے محبت اور موالات کے لائق ہیں۔ نیز اس میں خارجیوں اور ناصبیوں کے ان اعتراضات کا رد ہے

جو وہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کرتے تھے۔ تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مؤمنوں میں علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور مولا نہ ہو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کےاور بھی بہت سے اولیاء تھے جو نیک وصالح مؤمنین تھے۔

۵. ان کا استدلال لغوی اعتبار سے بھی درست نہیں؛ کیونکہ ''وَلایت'' (واو کے فتحہ کےساتھ) دشمنی کی ضد ہے، اور حدیث میں یہی معنی مراد ہے۔ اس سے بننے والا اسم (مولیٰ) اور (ولی) ہے۔جبکہ ''وِلایت'' (واو کے کسرہ کے ساتھ) اس کے معنی امارت و حکومت کے ہیں، اور اس سے بننے والا اسم (والی) اور(متولی) ہے۔

یہ بات شرعی اعتبار کے ساتھ لغوی، عقلی اور عرفی ہر اعتبار سے واضح ہے کہ خلافت جیسے منصب کے لیے اس قسم کے الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے۔ اسی لیےحسن بن حسن بن علی بن ابی طالب سے جب کہا گیا کہ کیا رسول اللہﷺ نے یہ نہیں فرمایا: «من كنت مولاه فعلي مولاه»؟ تو انہوں نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ اس سے امارت، سلطنت اور اپنے بعد لوگوں پر قیادت مراد لیتے تو آپ ﷺ اسے اسی طرح صراحت کے ساتھ بیان فرمادیتے جس طرح آپ نے نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزوں اور حج کے

بارے میں واضح طور پر بیان فرمایا۔ اس سے متعلق آپ یہ فرماتے: یہ میرے بعد تمہارے حاکم ہیں، ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ تو اس کے بعد پھر کوئی بات پوشیدہ نہ رہتی کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے لیے سب سے بڑے خیر خواہ تھے۔''(۱)

۶. اس حدیث کا ایک سبب بھی منقول ہے جو اس کے معنی کو واضح کرتا ہے۔جیساکہ بیہقی کہتے ہیں: ''جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو لوگوں نے ان کے بارے میں بہت سی شکایات کیں اور ان کے خلاف ناراضی وبغض کا اظہار کیا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ ان کے ساتھ اپنے خصوصی تعلق اور محبت کو بیان فرمائیں اور لوگوں کو ان سے محبت و موالات کی ترغیب دیں اور انہیں ان سے عداوت ودشمنی رکھنے سے روکیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «من كنت وليه فعلي وليه» ''میں جس کا دوست ہوں علی بھی اس کے دوست ہیں۔'' اور بعض روایات میں ہے: «من كنت مولاه فعلي مولاه» ''میں جس کا مولی ودوست ہوں علی بھی اس کے دوست ہیں۔'' اس سے مراد اسلام کی بنیاد پر دوستی اور محبت ہے اور مسلمانوں پر لازم

---

(۱) الاعتقاد از امام بیہقی، صفحہ ۱۸۲-۱۸۳، نیز دیکھئے: تہذیب تاریخ دمشق از ابن عساکر، جلد ۴ صفحہ ۱۶۹۔

ہے کہ وہ ایک دوسرے سے محبت رکھیں اور آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی نہ کریں۔" (۱)

چوتھا نکتہ: معروف اور متفق علیہ امور سے امامت پر استدلال:

اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان امامت پر نص (دلیل) کے مسئلے میں اختلاف ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ ہم ان امور کی طرف رجوع کریں جو تواتر سے ثابت ہیں اور عقل و عادات سے بھی معلوم ہیں۔ چنانچہ متفق علیہ نصوص سے جو امور ثابت ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱. آیئے اُن روایات سے صرفِ نظر کرتے ہیں جن میں اختلاف پایا جاتا ہے اور قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسے عربی زبان کے اصولوں کے مطابق سمجھتے ہیں کیونکہ دونوں فریق عربی زبان کے دائرۂ کار پر متفق ہیں۔ لفظِ نص لغوی اعتبار سے (منصّہ) سے ماخوذ ہے، جس کا معنی وہ چیز ہے جو گھوڑے پر نمایاں اور ظاہر ہو۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ ایسی واضح اور صریح نص کہاں ہے؟ کیا ہمیں قرآن میں بارہ ائمہ کے ناموں کا اس صراحت کے ساتھ ذکر ملتا ہے،

---

(۱) الاعتقاد از امام بیہقی ، جلد ۱صفحہ ۱۸۱، نیز دیکھئے: سیرۃ ابن ہشام از ابن ہشام ، جلد ۲صفحہ ۶۰۳اور البدایہ والنہایہ از ابن کثیر ، جلد ۵ صفحہ ۱۰۴–۱۰۵۔

جس طرح رسول اللہ ﷺ کا نام اور وصف ذکر کیا گیا ہے؟ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''محمد رسول اللہ''۔ کیوں کہ ان کے نزدیک امام کا مقام نبی کے مانند ہے! لہٰذا اس کی اصل کو جاننے کے لیے نہ کسی باطنی تاویل کی ضرورت ہونی چاہیے اور نہ ہی روایات و احادیث کے سہارے کی۔ ان کے عقیدے کے مطابق تو امامت اسلام کا سب سے عظیم رکن ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن میں نہ اس کا ذکر کیا گیا ہو اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ ملتا ہو؟ کیا یہ بات اس امر کی دلیل نہیں کہ امامت پر صریح نص کے وجود کا دعویٰ ہی بے بنیاد ہے؟

۲۔ امامت پر واضح نص ایک بڑا معاملہ اور اہم واقعہ ہےاور ایسے بڑے واقعات لازمی طور پر بہت زیادہ مشہور ہوتے ہیں۔ اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو یقیناً اسے بھی اسی طرح نقل کیا جاتا جیسے نبی ﷺ کے دیگر اقوال و واقعات منقول ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ بیت کے فضائل بڑی کثرت سے روایت کیے گئے ہیں۔ اگر صحابہ کرام نے امامت کے بارے میں کسی نص کو چھپایا ہوتا تو وہ علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کوہی چھپا لیتے اور اس طرح کی کوئی بھی روایت نقل نہ کرتے، حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس بارے میں

کوئی نص موجود ہوتی تو وہ ضرور منقول ہوتی۔

۳. اگر یہ کہا جائے کہ نبی ﷺ نے کسی متعین شخص کے حق میں امامت کی نامزدگی فرمائی تھی اور صحابہ نے اسے بدل دیا تھاتو پھر ہر ملحد وبےدین کے لیے یہ کہنا ممکن ہو جائے گا کہ اصل میں نمازیں پانچ کی بجائے دس تھیں، مگرصحابہ نےچھپا کر اپنی خواہشات کے مطابق پانچ کر دیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ نبی ﷺ کی بیان کردہ کسی حکم کو بدل دیا گیا ہے، تو پھر یہی دعویٰ تمام فرائض کے بارے میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں دین کے کسی حکم پر بھی کچھ بھی اعتماد باقی نہیں رہے گا۔

۴. ہم دیکھتے ہیں کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تو اس پر کسی بھی دو فرد میں بھی اختلاف نہیں ہوا۔ اسی طرح جب عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد چھ افراد کو شوریٰ کے لیے نامزد کیا جس میں بالآخر معاملہ عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچا تواس میں بھی لوگوں کے مابین کوئی نزاع نہیں ہوا۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا مقام ومرتبہ سب سے بلند ہے۔ لہذالوگوں کو تو آپ کے حکم کی تعمیل میں سب سے بڑھ کر آگے ہونا چاہیے تھا۔ تو پھر یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کو

نامزد کریں ، مہاجرین و انصار اور تمام مسلمان اس فیصلے کو قبول کر لیں، اور عمر رضی اللہ عنہ کی امامت پر دو افراد بھی اختلاف نہ کریں ۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بعد والوں کو نامزد کیا ۔ لیکن اگر نبی ﷺ علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی تعیین فرمائیں تو صحابہ اسے چھپا لیں اور آپ کے حکم کی نافرمانی کریں؟ کیا مسلمان رسول اللہ ﷺ کی بہ نسبت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زیادہ اطاعت گزار بن گئے تھے؟!

۵. یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان نماز، زکوۃ، روزہ، حج، جہاد اور اسلام کے دیگر تمام فرائض تو ادا کریں، لیکن ایک ایسے فریضے کو چھوڑ دیں جو ان کے تمام اعمال کو باطل کر دے۔یعنی علی رضی اللہ عنہ کی بیعت؟ بھلا ان کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے اور علی رضی اللہ عنہ کی بیعت چھوڑ دینے میں آخر کیا مصلحت ہو سکتی تھی؟

٦. اگر علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت پر نص ثابت تھی اور رسول اللہ ﷺ کے بعد امت کا معاملہ ان کے سپرد کیا گیا تھا، تو وہی کام انجام دینا ان پر واجب تھا جو انہیں سونپا گیا تھا۔ لہذا علی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ جائز نہ تھا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے منتخب چھ صحابہ کے ساتھ شامل ہوتے،

بلکہ ضروری تھا کہ وہ اس موقع پر کہتے: میری خلافت کی تو نص موجود ہے۔ ان لوگوں میں شامل ہونے کی مجھے ضرورت نہیں ہے جنہیں عمر رضی اللہ عنہ نے منتخب کیا ہے۔ اسی طرح ان کے لیے یہ بھی درست نہ تھا کہ وہ ابوبکرو عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم سے بیعت کرتے۔ نیزان کا اور ان کی اولاد کا خلفائے ثلاثہ کی ریاست میں شامل ہونا جائز ہی نہ تھا، خواہ وہ مذہبی معاملات ہوں یا قضائی یا مشاورتی یا سیاسی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے یہ سب کچھ کیا۔

بلکہ ان پر ذمہ داری تھی کہ وہ اپنا حق مارنے والوں کے خلاف محاذ آرائی کرتے۔ اگر انہو ں نے اسے بغیر کسی وجہ کے نظر انداز کیا تو یہ مخالفت کے زمرے میں آتا ہےجبکہ علی رضی اللہ عنہ سے ایسی امید بھی نہیں کی جاسکتی۔ ہم نے دیکھا کہ جب عرب قبائل مرتد ہوئے اورانہوں نے زکٰوۃ دینے سے انکار کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش نہیں رہے، نہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے، نہ تقیہ کیا اور نہ ہی مجبور ہوکر ان کے سامنےہتھیار ڈالے بلکہ انہیں شمشیر کے زور پر قابو کیا یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کے خلاف آپ کی نصرت فرمائی۔

اسی طرح ہم نے دیکھا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جوتمہارے نزدیک علی رضی اللہ عنہ سے کمزور تھے انہوں نے مسلمانوں کا خلیفہ ہونےکے باوجود

شہادت گلے لگالی مگر غاصبوں کو حکومت پر ڈاکہ ڈالنے نہیں دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی بھی حق دیکھ کر خاموش رہنے والا نہیں تھا تو پھر شیعہ علی رضی اللہ عنہ پر اپنے حق کا مطالبہ کرنے میں بزدلی اور خوف کا الزام کیسے لگا سکتے ہیں؟ حتی کہ اپنے حق کے اعلان اور حق کی طرف دعوت دینے میں تاخیر کی وجہ سے لوگ مرتد ہو گئے اور صرف چند افراد باقی رہ گئے تھے—جیسا کہ ان کا گمان ہے۔ یعنی اللہ کا شیر اور اس کے رسول کا شیر؟!

بلکہ ایسا بالکل بھی منقول نہیں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے خود اپنی طرف لوگوں کو بلایا ہویا اپنی بیعت کے لیے جھگڑا کیا ہو، چہ جائیکہ وہ جنگ کرتے۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ مشہور ومعروف ہوتاکیونکہ ایسے اہم واقعات اور سنگین حادثات رونما بھی ہوئے تھے کہ جہاں اس نص کو ظاہر کرنے کی بہت ضرورت تھی، جیسے واقعۂ سقیفہ اور واقعۂ شوریٰ وغیرہ، لیکن انہوں نے اس وقت ایسا کوئی اقدام نہیں کیا۔ ان کے عالم شیخ بیاضی کے مطابق علی نے نصِّ امامت کا اعلان دو وجوہات کی بنا پر نہیں کیا:

- اگر آپ اعلان کردیتے اورلوگ نہ مانتے تو ان پر کفر کا حکم لگ جاتا کیونکہ اس وقت وہ ایک متواتر امر کے منکر ہوتے۔

- انہوں نے شوری میں افضل شخصیت کو منتخب کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے ان کے مقابلےمیں ایسی حجت قائم کی جسے مقدم کرنا ضروری تھا۔[۱]

ان کے جواب میں پائے جانے والے تضاد پر غور کیجیے! انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ علی نے امامت سے متعلق نص کے اعلان کو اس خوف سے ترک کر دیا کہ لوگ اس کا انکار کر دیں گے اور مرتد ہو جائیں گے حالانکہ یہی لوگ اپنے دعوے کے مطابق نص کے انکار کی بنا پر صحابہ کو کافر قرار دیتے ہیں۔

پھر یہ دلیل نہایت کمزور اور ناقابلِ اعتبار ہے، کیونکہ اس کا لازمی مطلب یہ بنتا ہے کہ دین کی اصل اور اس کے بنیادی جوہر کی طرف صرف اس اندیشے سے دعوت نہ دی جائے کہ کہیں اس کا انکار نہ کر دیا جائے اور منکر کافر نہ ہو جائے۔

---

(۱) الصراط المستقیم: جلد ۱ صفحہ ۲۹۹۔

رہی یہ بات کہ واقعۂ شوریٰ کے موقع پر نص کا ذکر نہیں کیا گیا، تو ان کا یہ اعتراف ہی کافی ہے کہ وہاں آپ رضی اللہ عنہ نے نص کو ظاہر نہیں کیا۔ اور یہ کہنا کہ وہاں نص کے ذکر کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی، یہ بات عقل اور منطق دونوں کے خلاف ہے خصوصاً اس صورت میں جب معاملہ منصبِ امامت کا ہو، جسے وہ خود اصولِ دین کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

۷۔ اگر امامت پر واضح نص ثابت ہوتی، تو حسن رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیتے؟ اس طرح تو گویا انہوں نے ان کی گمراہی میں مدد کی، حق کو باطل کرنے اور دین کو کمزور کرنے میں ان کے معاون بنےاور ہر ظلم میں ان کے شریک قرار پائے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد وپیمان کو بھی باطل کر دیا۔ مزید یہ کہ ان کے بھائی حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اس پر ان کی موافقت کی اور انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو اپنی وفات تک کبھی نہیں توڑا۔ پھر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے خود اپنی مرضی سے، بغیر کسی دباؤکے رسول اللہ ﷺ کےعہد وپیمان کو توڑنا جائز سمجھ لیا ہو؟ حالانکہ حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ ایسے شہسوار موجود تھے جو ان کے لیے جان دینے کو تیار تھے۔

اس موضوع پر اس طرح کے واضح اور قطعی دلائل بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے چند دلائل ہی حق کی معرفت کے لیے کافی ہیں بشرطیکہ انسان خواہشِ نفس اور تعصب سے پاک ہو۔

پانچواں نکتہ: کیا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی امامت پر نص کا دعویٰ کیا؟

وہ واحد کتاب جس کی ہر بات پر شیعہ کو اطمینان ہے وہ "نہج البلاغہ" ہے اور ان کے نزدیک اس کی تمام باتیں صحیح ہیں۔(۱) تواس لیے اب اسی نہج البلاغہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جہاں ہمیں درج ذیل تین نصوص ملتی ہیں:

- **پہلی نص:**

نہج البلاغہ میں مذکور ہے کہ امیر المؤمنین علی نے اس وقت فرمایا جب لوگوں نے آپ سے بیعت کرنے کا ارادہ کیا: "مجھے چھوڑ دو اور کسی اور کو تلاش کرو کیونکہ ہم ایک ایسے معاملے کا سامنا کرنے والے ہیں جس کے کئی پہلو اور رنگ ہیں، جسے نہ دل برداشت کر سکیں گے اور نہ عقلیں اس پر ثابت رہ سکیں گی۔

(۱) حالانکہ یہ صرف چوتھی صدی میں جمع کی گئی ہےاور اس کی کوئی معروف سند بھی موجود نہیں ہے۔

اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں تمہاری ہی طرح کا ایک فرد بن کر رہوں گا اور جسے تم اپنے امور کا ذمہ دار بناؤ گے شاید میں تم میں سب سے زیادہ اس کی بات سننے والااور اطاعت کرنے والا رہوں گا۔ میرا تمہارے لیے وزیر بن کر رہنا امیر بننے سے بہتر ہے۔''(۱)

اب سوال یہ ہے کہ جو شخص خلافت کا خواہاں ہواور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ صحابہ کے گھروں پر جا کر بیعت کا مطالبہ کرتا رہاہو، کیا وہ اس طرح کے الفاظ کہہ سکتا ہے؟ کیا اس قول کے بعد امامت پر نص اور اس کے مخالف کو کافر قرار دینے کے دعوے کی کوئی حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا یہ بات عقل میں آ سکتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو کفر کی طرف بلائیں؟ کیونکہ شیعہ کے نزدیک جو شخص اس امام کی بیعت نہ کرے جس پر نص ہو وہ کافر ہے... جبکہ یہاں علی رضی اللہ عنہ خود بیعت کو قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں؟!

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک معصوم امام اپنی امامت کی بیعت کو یہ کہہ کر رد کر دیں: ''مجھے چھوڑ دو'' حالانکہ ان کے نزدیک امامت دین کا سب سے

(۱) نہج البلاغہ : صفحہ ۱۳۶۔

اہم رکن ہے؟ وہ کیسے لوگوں کو کسی اور کی بیعت کا حکم دیتے ہوئے فرمائیں کہ: ''میرے سواکسی اور کو تلاش کرو'' جبکہ شیعی کتابوں میں یہ روایت بھی نقل کی جاتی ہے: ''تین لوگوں کی طرف اللہ تعالی قیامت کے دن نہ دیکھے گا، نہ ان سے کلام کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو ایسے امام کی بیعت کرے جو اللہ کی طرف سے مقرر نہ کیا گیا ہو؟''!

توکیا علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو ایمان کے بعد کفر کی طرف بلارہے تھے؟ ابنِ مطہر حلی بیان کرتے ہیں کہ جو شخص منصب سے مستعفی ہونے کی درخواست کرے، وہ امام نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ امام ہوتا تو اس کے لیے استعفیٰ دیناجائز نہ ہوتا۔(۱) تو پھر جو اپنی بیعت کو رد کرتا ہے اور لوگوں کو کسی اور کی بیعت کرنے کا حکم دیتاہے...کیا یہ واضح ثبوت نہیں کہ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی نص موجود نہیں تھی؟

یہ مفہوم جو نہج البلاغہ میں آیا ہے یہ تاریخی شواہد اور واقعات کے ساتھ بھی مطابقت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم منصب خلافت کی

(۱) منہاج الکرامہ، صفحہ ۱۹۵۔

خواہش نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی اسے تلاش کرتے تھےکیونکہ ان کے نزدیک یہ ایک عظیم امانت اور بڑی ذمہ داری تھی۔

علی رضی اللہ عنہ نے کہا: (ولعلي أسمعكم وأطوعكم لمن وليتموه أمركم) یعنی: ”جسے تم اپنے امور کا ذمہ دار بناؤ گے شاید میں تم میں سب سے زیادہ اس کی بات سننے والا اور اطاعت کرنے والا رہوں گا۔“ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ اس شخص کی بات سب سے زیادہ سننے والے اور اطاعت کرنے والے ہوں گے جسے مسلمان اپنا خلیفہ منتخب کریں گے۔ تواب یہ کہنا کہ علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کرتے ہوئے سابقہ خلفاء کی بیعت کی تھی' یہ فرمان شیعہ کے اس دعوے کو رد کرتا ہے کیونکہ جو شخص تقیہ کرتا ہے وہ بیعت کرنے والے دیگر مسلمانوں کی طرح اطاعت گزار نہیں ہوتاچہ جائیکہ وہ ان سب سے زیادہ سننے والا اور اطاعت وفرمانبرداری کرنے والا ہو۔

ان کے قول: (لمن وليتموه) ”جسے تم والی وحاکم بناؤ۔“ سے مراد یہ ہے کہ امامت کا فیصلہ مسلمان عوام کی رائے اور اتفاق سے ہوگا نہ کہ کسی مذعومہ نص سے، اور یہ ولایت بھی کسی خاص شخص میں محصور نہیں ہے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ بیعت کو رد کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں: (وأنا لكم وزيرا خير مني لكم

أميرًا) ’’یعنی: میرا تمہارے لیے وزیر بن کر رہنا امیر بننے سے بہتر ہے۔‘‘ یہ فرمان بھی شیعہ کے اس دعوی کو رد کرتا ہے جسے وہ علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے فضائل پر فخر کیا، کرامات دکھائیں، اورسابق خلفاء پر طعن وتشنیع کیا تاکہ اپنی امامت کو ثابت کر سکیں۔

- **دوسری نص:**

ایک اور نص میں کہا گیا ہے کہ علی نے خلافت اپنی خواہش یا دلچسپی سے نہیں قبول کیا، بلکہ یہ مسلمانوں کی طرف سے ان پر عائد کی گئی ایک ذمہ داری پوری کرنے کے قبیل سے تھی۔ چنانچہ انہوں نے کسی نص یا وصیت کا دعوی نہیں کیا۔ وہ فرماتے ہیں: ’’اللہ کی قسم! مجھے خلافت کی کوئی خواہش نہیں تھی، نہ ہی کسی حکومتی منصب کی طلب تھی، لیکن تم نے مجھے اس کی طرف بلایا اور میرے اوپر یہ ذمہ داری ڈال دی۔‘‘[۱] سوال یہ ہے کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے مقرر کی ہوئی نص ہوتی ، توکیا علی رضی اللہ عنہ یہ کہہ سکتے تھے کہ انہیں خلافت کی کوئی خواہش نہیں ہے؟

---

(۱) نہج البلاغہ ، صفحہ ۳۲۲۔

- **تیسری نص:**

علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی خلافت مہاجرین وانصار کی بیعت کے ذریعے قائم ہوئی، کیونکہ شوریٰ کا اختیار انہی کے پاس تھا، اور انہی کا اجماع اس وقت معتبر تھا۔ اگر یہ لوگ واقعی مرتد ہوتے جیسا کہ شیعی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے تو ان کی بیعت اور اجماع کو معتبر نہ مانا جاتا۔ نیز اگر نص کا وجود ہوتاتو بیعت اور اجماع کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

جیساکہ علی رضی اللہ عنہ خودفرماتے ہیں: ”میرے ہاتھ پر انہی لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی، اور انہوں نے اسی بنیاد پر بیعت کی جس بنیاد پر پہلے بیعت کی جاتی رہی ۔ بیعت کا طریقہ پہلے والوں سے کچھ مختلف نہ تھا، جس میں نہ موجود لوگوں کے پاس یہ اختیارتھا کہ وہ کسی اور کو منتخب کریں اور نہ ہی غیر حاضر لوگوں کو اس بیعت کو رد کرنے کا حق تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت پہلے سے ثابت شدہ نہیں تھی جیسا کہ امامیہ کا خیال ہے۔ بلکہ بیعت کے بعد جب خلافت قائم ہو گئی تو اس کے بعد رد یا انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی۔دراصل خلافت کا معاملہ مہاجرین اور انصار کی شوریٰ کے سپرد تھا، چنانچہ جب وہ کسی شخص پر متفق ہو جاتے اور اسے امام مقرر کردیتے تو اسی کو ان کی

رضامندی تصور کیا جاتا تھا، کیونکہ انتخابِ امام کی اصل بنیاد کسی منصوص تعیین کی بجائے انہی کا اجماع تھا ۔پھر اگر کوئی شخص ان کے فیصلے کے خلاف طعن وتشنیع یا کسی بدعت کے نام پر بغاوت کرتا تو اسے واپس اسی بات کی طرف لوٹایا جاتا جس سے وہ ہٹا تھا اور اگر وہ باز نہ آتا تو اس سے قتال کیا جاتا کیونکہ وہ مؤمنوں کے راستے کے خلاف چل رہا ہوتا، اور اللہ تعالی پھر اسے اسی حال پر چھوڑ دے گا جو اس نے اختیار کیا ۔''(۱)

یہ بھی ایک صریح نص ہے کہ امامت کے بارے میں کوئی پہلے سے مقرر کردہ نص موجود نہیں تھی کیوں کہ امامت کا معاملہ مہاجرین وانصار کی شوریٰ کے سپرد تھا۔ جس شخص پر وہ متفق ہو جاتے وہی امام ہوتا تھا اور جو بھی اس اتفاق سے بغاوت کرتا تواس سے قتال واجب ہوجاتا، کیونکہ وہ اہلِ ایمان کے راستے کے خلاف ہوتا۔ اگر امامت کے بارے میں پہلے سے کوئی نص موجود ہوتی تو علی رضی اللہ عنہ ایسی بات ہرگز نہ فرماتے۔

یہ نہج البلاغہ کی تینوں نصوص ہیں جنہیں شیعہ حضرات یقین کے ساتھ امامِ معصوم کا کلام قرار دیتے ہیں اور یہ علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کے بارے میں نصِّ امامت کے تمام دعوؤں کو باطل کر رہی ہیں۔

(۱) نہج البلاغہ، صفحہ ۳۶۶-۳۶۷۔

چھٹا نکتہ: بارہ ائمہ میں سے کسی ایک کی امامت کا انکار کرنے والے کا حکم:

اثنا عشری شیعہ کے نزدیک جو شخص ان کے بارہ ائمہ میں سے کسی ایک کی امامت کا انکار کرے، اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہ کافر ہے اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

چنانچہ ابن بابویہ قمی کہتے ہیں: ''ہمارا عقیدہ ہے کہ جو شخص امیرالمؤمنین کی امامت اور ان کے بعد آنے والے ائمہ کی امامت کا انکار کرے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو انبیاء کی نبوت کا انکار کرے۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جو شخص امیرالمؤمنین کو تو مانے مگر ان کے بعد آنے والے ائمہ میں سے کسی ایک کا انکار کرے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو تمام انبیاء پر ایمان لائے مگر محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کر دے۔''(۱) اس نص سے لازم آتا ہے کہ اثنا عشریہ تمام مسلم فرقوں کو کافر قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ تاریخ میں مذکور تمام شیعی فرقوں کو بھی کافر قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ انہی سے اپنا دین بھی روایت کرتے ہیں۔ کیوں کہ ان کی روایتوں کے راوی انہی فرقوں میں سے ہیں۔

---

(۱) الاعتقادات، صفحہ ۱۱۱، بحار الانوار، جلد ۲۷ صفحہ ۶۲۔

ان کے عالم طوسی کہتے ہیں: ''امامت کا انکار بالکل اسی طرح کفر ہے، جس طرح نبوت کا انکار کفر ہے کیونکہ ان دونوں کے بارے میں جہالت ایک ہی حیثیت رکھتی ہے۔''(۱)

مگر یوں لگتا ہے کہ یہ بات ابنِ مطہر حلی کو ناکافی محسوس ہوئی، چنانچہ انہوں نے یہ تک کہہ دیا کہ بارہ ائمہ کی امامت کا انکار نبوت کے انکار سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: ''امامت ایک عمومی عنایت ہے، اور نبوت ایک خصوصی عنایت۔ کیونکہ زمانہ کسی وقت زندہ نبی کے بغیر گزر سکتا ہے لیکن امام کے بغیر نہیں۔ اس لیے عام عنایت (یعنی امامت) کا انکار، خاص عنایت (یعنی نبوت) کے انکار سے بھی زیادہ سنگین ہے۔''(۲)

ان کے عالم مفید امتِ اسلام کی تکفیر پر ان کا اتفاق نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''امامیہ اس نقطۂ نظر پر متفق ہیں کہ جو شخص ائمہ میں سے کسی ایک کی امامت کا انکار کرے اور اس اطاعت سے انکار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کی ہے تو وہ کافر، گمراہ اور جہنم میں دائمی ٹھکانے کا مستحق ہوگا۔''(۳)

---

(۱) تلخیص الشافی از الطوسی، جلد ۴ صفحہ ۱۳۱، بحار الانوار، جلد ۸ صفحہ ۳۶۸۔

(۲) الالفین از ابنِ مطہر حلی، صفحہ ۳۔

(۳) المسائل از مفید، اسی سے مجلسی نے نقل کیا ہے۔ دیکھیے: بحار الانوار: جلد ۸ صفحہ ۳۶۶۔

ان کے عالم نعمت اللہ جزائری نے تو یہ تک کہہ دیا کہ شیعہ اور دیگر مسلمان مسئلہ امامت کی وجہ سے ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں: ”ہم اپنے معبود، نبی اورامام کے معاملے میں ان سے متفق نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ان مسلمانوں کا رب وہی ہے جس کے نبی محمد ﷺ تھے اور جس کے بعد ان کے خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ہم اس رب اور اس نبی کو نہیں مانتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ رب جس کے نبی کے خلیفہ ابو بکر ہیں وہ ہمارا رب نہیں اور وہ نبی ہمارا نبی نہیں۔“(۱)

اس عمومی تکفیر کے بعد، مختلف مسلم گروہوں کے لیے لعن طعن اور ارتداد کے احکام بھی جاری ہوئے، سوائے اثنا عشریہ کے، ان کی تکفیر میں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، بعض اہل بیت، مسلم خلفاء اور ان کی حکومتیں، اسلامی علاقے اور ان کے باشندے، مسلمان قضاۃ، مسلمان علماء اور ائمہ، مختلف اسلامی فرقے، اور بالآخر تمام امت مسلمہ ہی شامل ہے!

(۱) الأنوار النعمانیہ، جلد ۲ صفحہ ۲۷۹۔

ساتواں نکتہ: شیعہ کا صحابہ کرام کی تکفیر:

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ صحابہ میں سے بیشتر نے ابوبکر کو خلافت دی ؛ اس لیےچند افراد کے سوا وہ سب مرتد ہوگئے! جیسا کہ ابو جعفر علیہ السلام سےمروی ہے: ''نبی ﷺ کے بعد سوائے تین کے سب مرتد ہوگئے تھے ۔میں نے پوچھا: وہ تین کون ہیں؟ تو فرمایا: مقداد بن اسود، ابو ذر غفاری، اور سلمان فارسی۔'' (۱)

یہ تینوں جو ارتداد سے بچ گئے، وہ بھی شیعہ کے رد وقدح سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان کی روایات میں ہے کہ یہ تینوں بظاہر ایک دوسرے کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے تھے، لیکن اگر وہ ایک دوسرے کے دل میں چھپے ہوئے خیالات کو جان لیتے تو ایک دوسرے کو قتل کر دیتے یا قاتل کے لیے رحم کی دعا کر تے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے دل میں دوسرے سے یکسر مختلف نظریہ رکھتا تھا۔مثال کے طور پر رجال الکشی میں منقول ہے کہ علی علیہ السلام نےفرمایا: اے ابو ذر! اگر سلمان تمھیں وہ چیز بتا دیتا جو اس کے دل میں ہے، تو تم کہتے: ''اللہ سلمان کے قاتل پر رحم کرے۔''(۲) اور انہوں نے رسول

---

(۱) رجال الکشی، صفحہ ۶،الکافی، جلد ۱۲ صفحہ ۳۲۱ (بمع شرح جامع ازمازندرانی)۔

(۲) رجال الکشی، ص۱۵۔

اللہ ﷺ سے منسوب روایت بھی نقل کی: ‹‹اے سلمان! اگر تمہارے دل کا حال مقداد کو معلوم جائے، تو وہ اس کاانکار کردے، اور اے مقداد! اگر تمہارا علم سلمان کے سامنے آ جائے تو وہ اس کا انکار کردے۔››(۱)

شیعی علماء کے مطابق چونکہ وہ خالص شیعہ تھے، اسی لیے تقیہ اور کتمان کی بنیادپر ان کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق قائم رہا۔ جیسا کہ جعفر نے اپنے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ”ایک دن میں نے علی علیہ السلام سے تقیہ کا ذکر کیا، تو انہوں نے فرمایا: ”اگر ابو ذر کو سلمان کے دل کا حال معلوم ہو جاتا، تو وہ اسے قتل کر دیتا۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا، تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟۔““(۲) یہ نصوص اہل بدعت اوراہلِ کفر پر بھی صادق آتی ہیں، کیونکہ قرآن میں ہے: (تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شتى) ”آپ انہیں متحد سمجھ رہے ہیں لیکن ان کے دل در اصل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔“ [الحشر: ۱۴] اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے بری الذمہ ہیں۔

اس عمومی حکمِ تکفیر کے باوجود جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ، ان کے انصار، احباب اور مخلص ساتھیوں پر لگایا گیا، اثنا عشری شیعہ خاص طور پر بڑے صحابہ

(۱) رجال الکشی، ص ۱۱۔

(۲) رجال الکشی، ص ۱۷۔

کرام رضی اللہ عنہم پر مزید طعن وتشنیع اور ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے کئی ایسے اقوال اور نصوص منقول ہیں جنہیں سن کر مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ان کے عالم مجلسی نے اپنی کتاب بحار الأنوار میں ایک باب قائم کیا ہے : "باب کفر الثلاثة ونفاقهم وفضائح أعمالهم" (یعنی: تینوں صحابہ کا کفر، ان کے نفاق اور ان کے برے اعمال)[1] اس میں تینوں سے مراد سیدناابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔

ان کے دوسرے شیخ بحرانی نے بھی اس موضوع پر کئی ابواب قائم کیے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں: (باب: اللذان تقدما علی أمیر المؤمنین علیهما مثل ذنوب أمة محمد إلی یوم القیامة) "باب: وہ دونوں جنہوں نے امیرالمؤمنین پر سبقت کی اور جن کے گناہ قیامت تک امت محمد ﷺ کے گناہوں کے برابر ہوں گے۔"[2] اور(باب: أن إبلیس أرفع مکانا في النار من عمر)۔ "باب: دوزخ میں ابلیس کی جگہ عمر سے بلند تر ہے۔"[3] انہوں نے طلحہ اور زبیر بن العوام ضی اللہ عنہما کے بارے میں کہا: (کانا إمامین من أئمة الکفر) "یہ دونوں کفر کے پیشوا

(۱) بحار الأنوار، جلد ۳۰ صفحہ ۱۴۵۔
(۲) المعالم الزلفی، صفحہ ۳۲۴۔
(۳) المعالم الزلفی، صفحہ ۳۲۵۔

تھے۔"[1] اس کے علاوہ، عبدالحسین موسوی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر ایک کتاب لکھی، جس میں آخر کار اس نے لکھا کہ وہ منافق اور کافر تھے۔[2]

آٹھواں نکتہ: شیعہ کا امت مسلمہ کی تکفیر:

شیعہ میں تکفیر کا رجحان صرف صحابۂ کرام تک محدود نہیں، اگرچہ صحابۂ کرام پرانھوں نے سب سے زیادہ لعن طعن اوران کی تکفیر کی ہے۔ مگر شیعہ کے ہاں تکفیر کا یہ سلسلہ جاری وساری رہا جس کی زَد میں درج ذیل اقسام بھی شامل ہوئیں :

۱. مسلم حکمراں اور ان کی حکومتیں:

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ بارہ ائمہ کی حکومتوں کے علاوہ تمام حکومتیں باطل ہیں اور ان کے حکمراں ظالم اور طاغوت ہیں، جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ جو شخص ان کی بیعت کرتا ہے، وہ در حقیقت اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتا ہے۔یہ بات کلینی نے متعدد ابواب میں ثابت کی ہے۔مثلاً: "بیان ہے: جو شخص امامت کا دعوی کرے جبکہ وہ اس کی اہلیت نہ رکھتا ہواورجو

---

(۱) دیکھئے: تفسیر العیاشی، جلد ۲ص ۷۷ - ۷۸۔البرہان: جلد ۲ صفحہ ۱۰۷، تفسیر الصافی،جلد ۲صفحہ ۳۲۴۔

(۲) دیکھیے: کتاب ابو ہریرہ، از عبدالحسین الموسوی۔

ائمہ یا ان میں سے کسی ایک کا انکار کرے یا جو کسی غیر اہل کو امام بنائے۔"[1]
ایک باب یوں ہے: "بیان ہے: جو شخص اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام کے علاوہ کسی دوسرے کی اطاعت و فرمانبرداری کرے۔"[2] ان کے عالم مجلسی نے سنہ ۲۶۰ھ سے پہلے کے حالات بیان کرتے ہوئے خلفاء راشدین کے بارے میں کہا: وہ صرف غاصب، ظالم اور دین سے مرتد تھے، اور اللہ کی لعنت ہو ان پر اور ان پر جنہوں نے اہل بیت پر ظلم کرنے میں ان کی پیروی کی، خواہ وہ پہلے لوگوں میں سے ہوں یا بعد میں آنے والوں میں سے ہوں۔[3]

۲. مسلم ممالک پر دار الکفر کا حکم:

شیعہ کی روایات میں بہت سے مسلم ممالک کو خاص طور پر سب و شتم کا نشانہ بنایا گیا ہے اور وہاں کی عوام کی بالتعیین تکفیر کی گئی۔ وہ خاص طور پر ان ممالک کو ہدف بناتے ہیں جو زیادہ اسلام کے پابند اور سنت کی اتباع کرنے والے ہیں۔مثال کے طور پر انہوں نے مکہ اور مدینہ کے لوگوں کو قرونِ مفضلہ میں ہی کافر قراردے دیا تھا۔ ان کی بعض روایات میں ہے:اہل شام، اہل روم

(۱) الکافی، جلد ۱ صفحہ ۳۷۲ تا ۳۷۴۔
(۲) الکافی، جلد ۱ صفحہ ۳۷۴ تا ۳۷۶۔
(۳) بحار الأنوار، جلد ۴ صفحہ ۳۸۵۔

(مسیحیوں) سے بدتر ہیں۔ اہل مدینہ، اہل مکہ سے بدتر ہیں۔ اور یہ کہ اہلِ مکہ سرِعام اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔[1] ابو بصیر ان دونوں میں سے ایک سے نقل کرتے ہیں: "اہلِ مکہ سرِعام اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں، اور اہلِ مدینہ اہلِ مکہ سے ستر گنا زیادہ بدتر ہیں۔"[2]

الکافی کی ان روایات پر ان کے عالم علی اکبر غفاری نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "ممکن ہے کہ یہ باتیں بنی امیہ کے زمانے اور ان کے منافق پیروکاروں کے متعلق ہوں، وہ منافق تھے جو بظاہر اسلام کا دم بھرتے اور باطن میں کفر رکھتے تھے۔ منافق کافر سے بھی بدتر ہوتے ہیں اور جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔"... ممکن ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ غیر مظلوم مخالفین مطلق طور پر کافروں سے بدتر ہیں جیسا کہ بہت سی روایات سے یہ واضح ہوتا ہے۔[3] چنانچہ ان کا خیال ہے کہ ان کی تکفیر کرنا برحق ہے اور انہیں کافروں سے بدتر قرار دینا دو میں سے ایک بنیاد پر درست ٹھہرتا ہے: یا تو اس بنا پر کہ انہوں نے امویوں کی پیروی کی، یعنی مسلمانوں کے اموی خلفاء کی بیعت کی، جو

---

(۱) اصول الکافی، جلد ۲ صفحہ ۴۰۹۔

(۲) اصول الکافی: جلد ۲ صفحہ ۴۱۰۔

(۳) اصول الکافی از علی اکبر غفاری، جلد ۲ صفحہ ۴۰۹–۴۱۰ (حاشیہ)۔

ان کے نزدیک سب سے بڑا نفاق ہے۔یا پھر اس لیے کہ مخالفین عام طور پر کافروں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔اسی آخری توجیہ کی بنیاد پر، ان کا یہ نظریہ ہر زمانے کے مسلم ممالک پر بھی لاگو ہوتا ہے!

اسی طرح انہوں نے مصر اور اس کے باشندوں کے بارے میں بھی کہا: ''داؤد علیہ السلام کی زبان کے ذریعے اہلِ مصر پر لعنت کی گئی چنانچہ اللہ تعالی نے ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔''[1] ایک اور روایت میں ہے: ''مصر بہت ہی بُرا ملک ہے! وہ اس شخص کے لیے قیدخانہ ہے جس پر اللہ تعالی نے بنی اسرائیل میں سے ناراضگی کا اظہار کیا۔''[2] اور ایک روایت میں یہ بھی ہے: ''مصر کا رخ نہ کرو اور وہاں قیام کی خواہش نہ رکھو، کیونکہ وہاں رہنا بے غیرتی و بے حیائی کا موجب ہے۔''[3]

ان کے ہاں مصر کی مذمت، اس کے باشندوں کی ہجو اور وہاں سکونت سے خبردار کرنے سے متعلق متعدد روایات وارد ہیں، ان روایات کو انہوں نے رسول اللہ ﷺ، محمد باقر اور علی رضا کی طرف منسوب کیا ہے۔ان نصوص پر مجلسی نے

---

(۱) بحار الانوار، جلد ۶۰ صفحہ ۲۰۸، تفسیر القمی، صفحہ ۵۹۶، طبع: ایران۔

(۲) تفسیر العیاشی، جلد ۱ صفحہ ۳۰۵،بحار الانوار، جلد ۶۰ صفحہ ۲۱۰، البرہان، جلد ۱صفحہ ۴۵۷۔

(۳) بحار الانوار، جلد ۶۰ صفحہ ۲۱۱۔

تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ان زمانوں میں مصر بدترین علاقوں میں سے ایک بن گیا تھا، کیونکہ اس کے باشندے لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت اور کفر میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔(۱) مصر اور اس کے باشندوں کے بارے میں کہاں یہ تاریک اور سخت کلمات؟ اور کہاں وہ باب جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں قائم کیا ہے : ''نبی ﷺ کی اہلِ مصر کے بارے میں وصیت کا بیان ۔''(۲)

۳. علماءِ مسلمین پر طعن وتشنیع:

انہوں نے مسلمانوں کے شیوخ اور علماء سے علم حاصل کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا اور انہیں مشرکین کے فرقوں کے برابر قرار دیا ! چنانچہ ہارون بن خارجہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے جعفر صادق سے کہا: ''ہم ان مخالفین کے پاس جاتے ہیں اور ان سے ایسی احادیث سنتے ہیں جو ہمارے لیے ان کے خلاف حجت ہوتی ہیں، کیا یہ درست ہے؟انہوں نے جواب دیا:''ان کے پاس نہ جاؤ اور نہ ہی ان سے کچھ سنو، اللہ ان پر اور ان کے مشرکانہ مذاہب پر لعنت کرے۔''(۳)

---

(۱) دیکھیے: بحار الأنوار، جلد ۵ صفحہ ۲۰۸۔

(۲) صحیح مسلم، جلد ۲ حدیث نمبر ۲۹۷۰۔

(۳) بحار الأنوار، جلد ۲ صفحہ ۲۱۶۔ اس نے اسے السرائر، از ابن ادریس کی طرف منسوب کیا گیا۔

• ائمۂ اربعہ پر طعن وتشنیع:

حسین آل عصفور بحرانی کہتے ہیں: جب بنو امیہ کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے نہایت بری بدعات کی آگ بھڑکائی، باطل کو ظاہر کیا اور نہایت قبیح حالات کو فروغ دیا... پھر وہ اسی روش پر قائم رہے یہاں تک کہ اقتدار بنی عباس کے ناپاک لوگوں تک پہنچ گیا جو مغنیات، ساز و سرود اور شراب کے دلدادہ تھے۔ان ہی کے زمانے میں اہلِ سنت کے اکثر فقہاء منظرِ عام پر آئے۔ حکمرانوں نے انہیں بلند مقام دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ان کے فتووں کی پیروی کریں۔ جو فقہاء ان کے زیادہ قریب تھے وہی آلِ رسول کے سب سے زیادہ دشمن تھے اور فروع و اصول دونوں میں ان کے سخت مخالف تھے۔ جیسے : امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اورامام ابن حنبل ہیں اور وہ سارے لوگ جو ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کمزور مذاہب کو اختیار کیے ہوئے تھے۔ان کے زمانے میں ایسے فقہاء بھی موجود تھے جو علم میں ان سے زیادہ تھے، لیکن شہرت انہی لوگوں کو حاصل ہوئی کیونکہ وہ آلِ محمدﷺ کے زیادہ دشمن تھے اور ان پر ظلم وزیادتی کرنے والے تھے اور ان کے اندر وہ دھوکا اور فریب تھا جس پر انہیں ابلیس نے آمادہ کیا تھا۔ (۱)

---

(۱) المحاسن النفسانیہ، از بحرانی، صفحہ ۱۲۔

امام ابو حنیفہ پر طعن وتشنیع: الکافی میں سدیر سے روایت ہے کہ ابوجعفر نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''... اے سدیر! میں تمھیں دین الٰہی سے روکنے والے لوگ دکھاؤں گا۔ پھر انہوں نے اس زمانے میں ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کو مسجد میں حلقات بنائے دیکھا اور فرمایا: یہ لوگ اللہ کے دین سے روکتے ہیں، نہ اللہ کی طرف سے ان کے پاس کوئی راہنمائی و ہدایت ہے اور نہ ہی کوئی واضح کتاب ہے، یہ بدترین لوگ ہیں۔''(۱) اور کلینی نے سماعہ بن مہران سے روایت کیا کہ ان کے ساتویں معصوم امام ابو الحسن موسیٰ نے فرمایا: ''اللہ تعالی ابو حنیفہ پر لعنت کرے، کیونکہ وہ کہتا تھا: علی علیہ السلام نے یوں کہا اور میں نے یوں کہا اور صحابہ اس طرح کہتے تھے۔''(۲)

امام مالک پر طعن وتشنیع: شیعہ عالم محمد تیجانی کہتے ہیں: ''امام مالک نے اسلام میں ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔''(۳)

امام شافعی پر طعن وتشنیع: محمد باقر مجلسی فرماتے ہیں: ''فقہائے امصار میں شافعی کے سوا کوئی ایسا نہیں، جس نے امیر المومنین پر طعن کرنے، ان کے بہت

---

(۱) اصول الکافی، جلد ۱ صفحات ۳۹۲-۳۹۳؛ تفسیر نور الثقلین، جلد ۴ صفحہ ۱۳۲۔

(۲) اصول الکافی ، جلد ۱ صفحہ ۵۸۔

(۳) الشیعہ ہم اہل السنہ، از محمد تیجانی صفحہ ۸۸۔

سے اقوال کو غلط ثابت کرنے، اور ان کے احکام کو رد کرنے میں شافعی کا ساتھ نہ دیا ہو... یہ ایسی روش ہے جسے وہ شخص اختیار نہیں کر سکتا جس کے سینے میں امیر المومنین کی مودت اور ان کے واجب حق کا کوئی حصہ موجود ہو۔"(۱)

امام احمد پر طعن وتشنیع: محمد بن عمر الکشی نے امام احمد کے بارے میں کہا: "وہ جاہل اور سخت ناصبی انسان ہے، جولاہے کا کام کرتا ہے، اسے فقہاء میں شمار بھی نہیں کیا جاتا۔"(۲)

⊙ دوسرا مبحث: ائمۂ کرام کا معصوم ہونا

مجلسی کہتے ہیں کہ امامیہ (شیعہ) فرقے کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ ائمہ کرام علیہم السلام چھوٹے بڑے ہر طرح کے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ان سے جان بوجھ کر اور نہ ہی بھول کر کوئی گناہ سرزد ہوتاہے۔ قرآن کی تشریح اور اس کے معنی بیان کرنے میں بھی وہ کبھی غلطی نہیں کرتے، اور اللہ کی طرف سے بھی انہیں کسی قسم کی بھول یا سہو لاحق نہیں ہوتا۔(۳)

---

(۱) بحار الانوار، جلد ۴۴، صفحات ۴۴۴-۴۴۵۔

(۲) الصراط المستقیم، از بیاضی شیعی، جلد ۳ صفحہ ۲۲۳۔

(۳) بحار الانوار: جلد ۲۵ صفحہ ۲۱۱، مرآۃ العقول: جلد ۴ صفحہ ۳۵۲۔

عصمت کی یہ شکل جسے مجلسی نے بیان کیا ہے اور جس پر شیعہ کے متفق ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، دراصل انبیاء ورسل کے لیے بھی ثابت نہیں ہے، جیسا کہ کتاب و سنت کی واضح نصوص اور امت کے اجماع سے معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ ائمہ کرام کے بارے میں غفلت اور بھول چوک کا مطلق انکار کرنا درحقیقت انہیں اس اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دینے کے مترادف ہے جسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند!

نظریۂ معصومیت کا تاریخی ارتقاء

ائمہ کرام کی معصومیت کا نظریہ صرف گناہوں سے معصوم ہونے تک محدود نہیں رہا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں مزید وسعت پیدا ہوتی گئی... چنانچہ چوتھی صدی ہجری میں شیعہ کے ایک بڑے عالم ابنِ بابویہ قمی (۳۸۱ھ)، جو شیخ صدوق کے لقب سے مشہور ہیں، انہوں نے اپنی کتاب الاعتقادات جسے (دین الشیعۃ الإمامیۃ) بھی کہا جاتا ہے؛ اس میں شیعہ کے اس عقیدہ کے بارے میں لکھا ہے: ''ائمہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی آلودگی سے پاک اور معصوم ہیں۔ وہ نہ چھوٹے گناہ کرتے ہیں اور نہ ہی کبیرہ گناہ، اور نہ ہی کبھی اللہ کے احکامات میں اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اللہ نے انہیں جس چیز کا حکم دیا ہے وہ اسے پورا کرتے ہیں۔ جو شخص کسی بھی حالت میں ان کی

معصومیت کا انکار کرے، وہ دراصل ان کے مقام سے ناواقف ہے، اور جو ان کے مقام ومرتبے سے ہی جاہل ہو وہ کافر ہے! ہمارا ان کے بارے میں یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ معصوم ہونے کے ساتھ ساتھ ابتدا سے انتہا تک اپنے تمام معاملات میں کامل و مکمل اور علم ومعرفت کی صفات سے متصف ہیں، اور اپنے احوال ومعاملات میں کسی بھی قسم کی کمی، نافرمانی یا جہالت سے بالکل پاک ہیں۔"(۱)

ابن بابویہ قمی یہاں ائمہ سے معصیت،جہالت اور نقص کی نفی کرتے ہیں لیکن متاخر شیعہ علماء کی طرح انہوں نے صراحت کے ساتھ سہو (بھول) کی نفی نہیں کی۔ البتہ انہوں نے اس بات کی صراحت ضرور کی ہے کہ جو شخص ائمہ کی معصومیت کا عقیدہ نہ رکھے وہ کافر ہے! اور یہ معصومیت کے مسئلہ میں ایک ارتقائی پہلو ہے۔

معصومیت کے مسئلے میں ایک اور ارتقائی مرحلہ..

ابن بابویہ قمی نے اپنی کتاب (من لا يحضره الفقيه) میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ نبی ﷺ سے سہو (بھول) کی نفی کرنا غالی اور مفوضہ شیعی عقائد

(۱) الاعتقادات، صفحہ ۱۰۸-۱۰۹۔

میں شمار ہوتا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ غالی اور مفوضہ شیعہ—— اللہ ان پر لعنت کرے —— نبی ﷺ کے سہو کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں: اگر نماز میں آپ کا سہو تسلیم کر لیا جائے تو تبلیغ میں بھی اسے تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ نماز بھی تبلیغ کی مانند فرض ہے... جبکہ آپ ﷺ کا سہو ہمارے سہو جیسا نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کا سہو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھا اور اس نے آپ ﷺ کو اس لیے سہو میں مبتلا کیا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ آپ بھی ایک بشر اور مخلوق ہی ہیں تاکہ اللہ کے سوا آپ کو معبود اور رب نہ قرار دیا جائے اور لوگ آپ کے بھولنے سے سہو کے احکام بھی جان سکیں۔ ہمارے شیخ محمد بن حسن بن احمد بن ولید فرماتے تھے کہ نبی ﷺ کے سہو کا انکار غلو کا سب سے پہلا درجہ ہے، اور میں نبی ﷺ کے سہو کے اثبات اور اس کے منکرین کے رد میں ایک مستقل کتاب تصنیف کرنے پر اجر کی امید رکھتا ہوں۔(۱)

آپ ملاحظہ کیجیے کہ ابن بابویہ -جو شیعہ کے سرخیل ہیں- اس شخص پر نکیر کر رہے ہیں جو مصطفیٰ ﷺ سے سہو کا انکار کرتا ہے، تو پھر ان کا کیا حال ہوگا جو مرتبے میں آپ ﷺ سے بھی کم تر ہیں، جیسے کہ ائمہ؟! اور سہو کی نفی کرنا غلو کی علامت سمجھا جاتا ہے اور ابنِ بابویہ نے واضح کیا ہے کہ یہ قول غلو

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ : جلد ۱ صفحہ ۲۳۴۔

کرنے والوں کا ہے... اور اس میں مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینے کا اشارہ بھی موجود ہے!

چنانچہ ائمہ سے سہو کی نفی دراصل مسئلۂ عصمت میں وہ اضافہ ہے جسے بعد کے شیعی علماءنے سرانجام دیا ، یوں یہ عقیدہ اپنے ارتقائی مراحل میں ایک نئے پہلو کے ساتھ سامنے آیا۔ اسی بنا پر ان کے ابتدائی ائمہ سے منقول دلائل اس نظریے سے متعارض نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب جعفر صادق سے سہو کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”آخر کون ایسا ہے جسے سہو لاحق نہ ہوتا ہو؟ بسا اوقات میں تو اپنی نماز کے دوران اپنے پیچھے ایک خادم کو بٹھا لیتا ہوں تاکہ وہ مجھ پر میری نماز کی حفاظت کرے۔“(۱) نیز شیعی کتابوں میں دورانِ نماز نبی ﷺ کے سہو سے متعلق روایات بھی مروی ہیں۔(۲)

حیرت کی بات ہے کہ یہ اپنے اجماع کو دلیل بناتے ہیں،جبکہ یہ اجماع ان سے پہلے چوتھی صدی کے شیعہ کی مخالفت اورواضح نصوص سے کالعدم ہو چکا ہے! لیکن غلو سے مغلوب ہوکر وہ کہتے ہیں:ہمارے امامیہ اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان کے ائمہ پیدا ہونے سے وفات تک صغیرہ و کبیرہ،ارادی و

---

(۱) بحار الانوار جلد ۲۵ صفحہ ۳۵۱۔

(۲) دیکھیے: من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۳۔

غیر ارادی گناہوں اور ہر قسم کی بھول چوک سے معصوم ہیں۔[1] سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کا اجماع کیسے منعقد ہوگیا جبکہ ان کے شیخ صدوق ابنِ بابویہ اور ابن ولید خود اس عقیدہ کے مخالف ہیں؟

شیعی عالم مجلسی کی حیرت!

مجلسی خود بھی اس مسئلے میں تذبذب اور شش و پنج کا شکار نظر آتے ہیں، کیونکہ ایک طرف وہ اپنے گروہ کے اجماع کو سامنے رکھتے ہیں اور دوسری طرف ان نصوص کو دیکھتے ہیں جو اس (اجماع) کے خلاف دلالت کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے اس مسئلے کو نہایت پیچیدہ قرار دیا ہے۔کیونکہ ائمہ کو سہو لاحق ہونے کے بارے میں متعدد روایات اور دلائل موجود ہیں اور چند افراد کے سوا اکثر اصحاب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ائمہ کو سہو لاحق ہو سکتا ہے۔[2]

یہ دراصل مجلسی کی طرف سے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ متاخرین شیعہ کا ائمہ کی مطلق عصمت پر قائم کردہ اجماع ان کی اپنی ہی منقول روایات سے متصادم ہے۔ یوں یہ بات ایک واضح دلیل اور صریح اعتراف کی صورت اختیار

(۱) بحار الأنوار جلد ۲۵ صفحہ ۳۵۰-۳۵۱۔

(۲) بحار الأنوار جلد ۲۵ صفحہ ۳۵۱۔

کر لیتی ہے کہ یہ اجماع درحقیقت بے بنیاد اور غیر مستحکم ہے۔ حتیٰ کہ ان کی اپنی کتابوں میں بھی اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔

نظریہ معصومیت میں ارتقاء کا اعتراف!

عصرِ حاضر کے معروف شیعی عالم عبد اللہ مامقانی جنہیں آیت اللہ العظمی بھی کہا جاتا ہے؛ انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ائمہ سے سہو کی نفی کرنا اب شیعہ مذہب کی ضروریات میں شامل ہو چکا ہے! جبکہ وہ اس حقیقت کا انکار نہیں کرتے کہ ان کے ماضی کے علماء اسے غلو کہتے تھے، لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ زمانہ ماضی میں جو چیز غلو تھی اب وہ شیعہ مذہب کی ضرورت بن چکی ہے۔[1] چنانچہ مامقانی کا یہ اعتراف اس بات کی دلیل ہے کہ معصومیت کا نظریہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بتدریج پروان چڑھتا رہا اور کل تک جس غلو کا قائل ملعون تھا آج وہی غلو شیعہ مذہب کی ایک ضرورت بن چکا ہے۔

نظریہ معصومیت کی تردید کرنے والے چند حقائق!

دعوئ معصومیت کے بطلان کے لیے یہی بات کافی ہے کہ شیعہ کے اپنے آٹھویں معصوم امام، امامِ رضا سے کہا گیا: کوفہ میں کچھ لوگ اس بات کا دعوی

---

(۱) تنقیح المقال جلد ۳ صفحہ ۲۴۰۔

کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو نماز میں کبھی سہو لاحق نہیں ہوا، تو انہوں نے جواب دیا:وہ جھوٹے ہیں- اللہ ان پر لعنت کرے-کیونکہ جس ذات کو کبھی سہو لاحق نہیں ہو سکتا وہ صرف اللہ کی ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود بر حق نہیں۔[1] مزید برآں جعفر صادق سے منقول سابقہ روایت بھی اسی مفہوم کی تایئد کرتی ہے،اس کے علاوہ شیعی مصادر میں خود رسول اللہ ﷺ کی نماز میں سہو سے متعلق روایات بھی موجود ہیں۔[2]

ایک اور بات جو اس دعوی کے بطلان کو اجاگرکرتی ہے وہ بعض مسائل اور نظریات میں باہمی تضاد و اختلاف ہے جبکہ اصولی طور پر معصومین کے اعمال میں کوئی تضاد و اختلاف نہیں ہونا چاہیے ، بلکہ انہیں تو ایک دوسرے کی تصدیق، تائید اور تقویت کا باعث بننا چاہیے۔مثال کے طور پر:

وہ روایت جو قمی اور نوبختی نے ذکر کی ہے کہ حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کے اصحاب کا ایک گروہ تذبذب کا شکار ہو کر کہنے لگا: ہمیں حسن و حسین علیہماالسلام کے اعمال میں تضاد محسوس ہو رہا ہے،ان کا استدلال یہ تھا کہ حسن علیہ السلام ، باوجود اپنی قوت اور لشکر کے، معاویہ رضی اللہ عنہ سے

---

(۱) بحار الأنوار جلد ۲۵ صفحہ ۳۵۰۔ اور دیکھیے: عیون إخبار الرضا از ابن بابویہ صفحہ ۳۲۶۔

(۲) دیکھیے: من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۳۔

صلح کرنے اور اقتدار انہیں سونپنے پر مجبور ہوگئے، جو ایک درست اور صحیح فیصلہ تھا، تو اس کے برعکس یزید کے خلاف حسین علیہ السلام کا جنگ کرنا بظاہر باطل اور غیر ضروری معلوم ہوتا ہے، حالانکہ اس وقت حسین علیہ السلام کمزور اور بے یار و مددگار تھے اور یزید کے ساتھیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ انہوں نے حسین علیہ السلام کو ساتھیوں سمیت قتل کر دیا، جبکہ حسین علیہ السلام یزید کے خلاف جنگ سے دستبردار ہونے، صلح کرنے اور اقتدار سونپنے میں حسن علیہ السلام سے زیادہ عذر رکھتے تھے، جو خود معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ سے باز رہے۔ اگر حسین علیہ السلام کا یزید کے خلاف لڑتے ہوئے بچے اور ساتھیوں سمیت قتل ہونا برحق ہے، تو حسن علیہ السلام کا، ساتھیوں کی کثرت کے باوجود، معاویہ سے جنگ اور قتال کرنے سے باز رہنا باطل ہے۔ چنانچہ اسی تذبذب کی وجہ سے وہ دونوں ائمہ کی امامت کے بارے میں شک و شبہ کا شکار ہو گئے اور آخرکار عوام کی باتوں کی طرف رجوع کر گئے۔[1]

(۱) المقالات والفرق از قمی، صفحہ ۲۵، فرق الشیعہ از نوبختی، صفحہ ۲۵-۲۶۔

شیعہ مذہب میں تضاد بعض لوگوں کے لیے شیعیت چھوڑنے کا سبب بنا!

ائمہ کرام کے اقوال میں اختلاف و تضاد کی مثالیں ایک وسیع باب ہے جو کہ بعض لوگوں کے لیے شیعیت سے تائب ہونے کا سبب بنا،اس کی گواہی خود ''شیخ الطائفہ'' طوسی نے دی اور کہا: ہمارے اصحاب کی روایات میں اس قدر اختلاف اور باہمی تضاد ہے کہ شاید ہی کوئی روایت ایسی ہو جس کے مخالف کوئی روایت نہ ہو،اور شاید ہی کوئی روایت ہو کہ جس کے مدِمقابل اسے جھٹلانے والی روایت نہ ہو، حتیٰ کہ ہمارے مخالفین نے اسی کو ہمارے مذہب پر سب سے بڑا اعتراض بنا دیا اور اس کے ذریعے ہمارے عقیدے کو باطل قرار دینے کا موقع حاصل کیا،اسی وجہ سے لوگوں کا ایک گروہ عقیدۂ حق یعنی شیعیت سے پھر گیا جن میں سے ایک ابو الحسن ہارونی علوی ہیں جو حق کے معتقد اور امامت کو دین کا حصہ سمجھتے تھے مگر جب ان پر احادیث کے اختلاف کی وجہ سے شکوک وشبہات پیدا ہوئے تو وہ اس مذہب سے پھر گئے اور دوسرا کوئی مسلک اختیار کر لیا۔(۱)

(۱) تہذیب الاحکام، جلد ۲، صفحہ ا۔

شیعہ نے اس اختلاف پر پردہ ڈالنے کے لیے تقیہ و بدا کا عقیدہ گھڑ لیا، چنانچہ کچھ شیعہ پر یہ معاملہ آشکار ہو گیا اور وہ دونوں عقیدے کو وضع کرنے کا سبب جان گئے، تووہ شیعیت کو خیر آباد کہہ گئے۔ جیساکہ سلیمان بن جریر ہیں جن کی طرف زیدیہ کا فرقہ ''سلیمانیہ'' منسوب ہے، وہ کہتے ہیں: ''رافضہ کے ائمہ نے اپنے شیعوں کے لیے دو ایسے عقیدے گھڑے ہیں جن کی وجہ سے وہ کبھی بھی اپنے ائمہ کا جھوٹ نہیں پکڑ سکتے اور وہ بدا کا قول اور تقیہ کا جواز ہے۔''(۱)

امام جعفر صادق کا نظریۂ معصومیت سے اعلانِ برأت!

شیعہ کی اپنی کتابوں میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ انہوں ایک دن اپنے اصحاب سے کہا: ایک قوم نے ہم پر جھوٹ باندھا، انہیں کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ انہیں لوہے کی حرارت چکھائے، اللہ کی قسم! ہم اس اللہ کے بندے ہونے کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتے جس نے ہمیں پیدا کیا اور چُن لیا ہے، کسی کو نفع و نقصان دینے کی ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں، اگر وہ ہم پر رحم کرے تو یہ اس کی رحمت ہے اور اگر سزا دے تو وہ ہمارے گناہوں کے سبب ہے، اللہ کی قسم! ہمارے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر نہیں اور نہ ہمارے پاس اس کی طرف سے کوئی براءت ہے، ہم یقینا فوت ہوں گے اور قبروں میں دفنائے

---

(۱) المقالات والفرق، صفحہ ۷۸، فرق الشیعہ، صفحہ ۵۵-۵۶۔

جائیں گے، دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ،کھڑے کیے جائیں گے اور سوال کیے جائیں گے،افسوس ہے ان پر! اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان پر.. میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں صرف وہ شخص ہوں جو رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے ہوں ، میرے پاس اللہ کی طرف سے کوئی براءت نہیں،اگر میں اطاعت کروں گا تو وہ مجھ پر رحم کرے گا اور اگر نافرمانی کروں گا تو وہ مجھے سخت عذاب سے دوچار کرے گا۔(۱)

امام جعفر کا یہ واضح اعلان، جو ان جیسے اہل بیت کے کئی ائمہ کی زبان سے خود شیعی کتب میں منقول ہے جو غالی شیعہ کے افکار سے ان کی براءت کو واضح کرتا ہے ۔ لیکن افسوس کہ ان غالیوں نے یہ باتیں آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ دیں حتیٰ کہ موجودہ دور کے لوگوں نے انہیں اپنا لیا۔ حالانکہ ائمہ خود اعلانیہ کہتے تھے کہ وہ صرف بشر اور اللہ کے بندے ہیں، وہ نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں،ان سے بھی گناہ و نافرمانی کے کام سرزد ہوتے ہیں ،اور ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی براءت اور حجت موجود نہیں ہے۔

---

(۱) رجالِ کشی: (صفحہ ۱۹۶)۔

◉ تیسرا مبحث : تقیہ

پہلا نکتہ: تقیہ کا مفہوم

تقیہ کا مطلب: باطن کے برعکس اظہار کرنا[1]، اکثر عرب تقیہ کو "تقاۃ" پڑھتے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید میں ہے: "مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا۔" [آل عمران: ۲۸]۔ شیخ مفید شیعہ کے ہاں تقیہ کی تعریف یوں کرتے ہیں: "حق اور اپنے عقیدے کو پوشیدہ رکھنا، مخالفین سے چھپانا، اور ایسی کھلم کھلا مخالفت سے گریز کرنا جس کے نتیجے میں دین یا دنیا میں نقصان ہو۔"[2] یعنی اہل سنت کے مذہب کا اظہار کرنا جسے دراصل وہ باطل سمجھتے ہیں اور شیعہ مذہب کو چھپانا جسے وہ برحق سمجھتے ہیں۔

دوسرا نکتہ: تقیہ کن کے ساتھ کیا جائے گا؟

اسلام میں تقیہ اکثر کفار کے ساتھ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا۔" [آل عمران: ۲۸]۔ ابن جریر طبری فرماتے ہیں: "جس تقیہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے وہ کفار کے سوا کسی سے روا نہیں۔"[3]

---

(۱) دیکھیے: النہایہ از ابن الاثیر جلد ۱ صفحہ ۱۹۳۔

(۲) شرح عقائدِ صدوق: صفحہ ۲۶۱ ۔(یہ کتاب اوائل المقالات کے ساتھ مطبوع ہے)۔

(۳) تفسیرِ طبری جلد ۶ صفحہ ۳۱۶۔

اور قرطبیؒ فرماتے ہیں:ایک مؤمن جب کفار کے بیچ میں ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زبان سے ان کے ساتھ بنا کر رکھے جب اسے اپنی جان پر خوف لاحق ہو اور دل ایمان پر مطمئن ہو۔اور تقیہ صرف قتل ہونے،کسی عضو کے کاٹے جانے یا کسی بڑی تکلیف کے خوف سے کرنا جائز ہے۔(۱)

اسی وجہ سے بعض سلف کا موقف ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت بخشی ہے تب سے کوئی تقیہ نہیں ہے،معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ’’تقیہ مسلمانوں کی قوت سے پہلے اسلام کے ابتدائی دور میں تھا، اورآج تو یقینا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قوت و سربلندی عطا فرمائی ہے۔ لہذاانہیں اب اپنے دشمن سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔‘‘(۲) لیکن شیعہ کے نزدیک تقیہ خود مسلمانوں کے ساتھ، خصوصاً اہل سنت کے ساتھ روا ہے۔ حتیٰ کہ وہ قرونِ اولیٰ کی فضیلت والے زمانے کو بھی تقیہ کا زمانہ سمجھتے ہیں، جیسا کہ شیخ مفید نے واضح طور پر لکھا ہے۔

---

(۱) تفسیرِ قرطبیؒ جلد ۴ صفحہ ۵۷۔

(۲) دیکھیے: تفسیرِ قرطبیؒ جلد ۴ صفحہ ۵۷، فتح القدیر از شوکانی جلد ۱ صفحہ ۳۳۱۔

تیسرا نکتہ: تقیہ کا حکم:

صحیح بات یہ ہے کہ اضطراری صورت میں تقیہ کی رخصت ہے،اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ دوستی کی ممانعت کے بنیادی اصولوں سے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَّا يَتَّخِذِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ ٱللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّآ أَن تَتَّقُوا۟ مِنْهُمْ تُقَىٰةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ ٱللَّهُ نَفْسَهُۥ ۗ وَإِلَى ٱللَّهِ ٱلْمَصِيرُ﴾ ''ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا اور اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جاناہے۔'' [آل عمران: ۲۸]۔ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تقیہ اضطراری حالت میں ایک رخصت ہے، لیکن جو اس کی جگہ عزیمت کو اختیار کرے وہ افضل ہے۔ابن بطال فرماتے ہیں: ''اس بات پر اجماع ہے کہ جو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس نے قتل ہونا پسند کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے اجر کا مستحق ہوگا۔''(۱)

لیکن شیعہ کے ہاں تقیہ اس کے الٹ ہے،ان کے ہاں یہ صرف بوقتِ ضرورت رخصت نہیں ہے بلکہ اسے مخالف کے ساتھ کسی بھی وقت استعمال کیا

---

(۱) فتح الباری: جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۷۔

جاسکتاہےاور انہوں نے اس کا مقام و مرتبہ بڑھا کر نماز کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑا دین کا رکن بنادیا۔ جیساکہ ابن بابویہ کہتے ہیں: ”تقیہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ واجب ہے،جس نے اس کو ترک کر دیا وہ نماز کو ترک کرنے والے کے برابر ہے۔“(۱) بلکہ انہوں نے ایک حدیث بھی نبی ﷺ کی طرف منسوب کررکھی ہے: ”تقیہ ترک کرنے والا نماز ترک کرنے والے کی طرح ہے۔“(۲)

چوتھانکتہ : شیعہ کے ہاں تقیہ کا مقام و مرتبہ:

دینِ اسلام میں تقیہ مسلمان کے طرز عمل میں کوئی مستقل طریقہ کار کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ یہ ایک وقتی اور انفرادی حالت کا نام ہے وہ بھی مجبوری کے ساتھ مشروط ہے،جب وہ ہجرت کرنے کی سکت نہ رکھتا ہو اور یہ حالت مجبوری کے ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن شیعہ مذہب میں تقیہ ان کے مذہب کی بنیادی ساخت اور فطرت کا حصہ شمار کیا جاتا ہے جس کو وہ ابوعبداللہ جعفر صادق کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ”تم ایک ایسے دین پر ہو جس کو چھپانے والے کو اللہ عزت

---

(۱) الاعتقادات صفحہ ۱۱۴۔

(۲) جامع الاخبار صفحہ ۱۱۰، بحار الانوار جلد ۷۵ صفحہ ۴۱۲۔

دیتا ہے جبکہ ظاہر کرنے والے کو رسوا کر دیتا ہے۔"[۱] بلکہ شیعہ نے تو اس کو مکمل دین ہی بنا لیا ہے، چنانچہ اس کا کوئی دین نہیں جو تقیہ نہیں کرتا۔ جیساکہ اصول کافی وغیرہ میں منقول ہے کہ جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا: "دین کے ۱۰ میں سے ۹ حصے تقیہ میں پنہاں ہیں اور اس آدمی کا کوئی دین نہیں جو تقیہ نہیں کرتا۔"[۲] انہوں نے تقیہ چھوڑنے کو اسلا گناہ شمار کیا ہے جس کی کوئی بخشش نہیں! یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے برابر ہے،ان کی روایات میں ہے: "اللہ تعالیٰ مؤمن کے لیے دنیا و آخرت کا ہر گناہ معاف فرما دے گا سوائے دو گناہوں کے:تقیہ چھوڑنا اور اپنے بھائیوں کے حقوق ضائع کرنا۔"[۳]

چنانچہ ان کے ہاں تقیہ ایک مستقل حالت،اور اجتماعی و دائمی طرزِ عمل ہے جیساکہ ابن بابویہ اپنی کتاب "الاعتقادات" (جو دین الامامیہ کے نام سے موسوم ہے) میں لکھتے ہیں: "تقیہ ایسا واجب ہے جس کو امام قائم کے خروج سے پہلے ختم کرنا ناجائز ہے۔ جس نے ان کے خروج سے پہلے اسے ترک کیا یقینا وہ اللہ

---

(۱) اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۲۲۲۔

(۲) اصول الکافیجلد ۲ صفحہ ۲۱۷، وسائل الشیعہ جلد ۱۱ صفحہ ۴۶۰۔

(۳) تفسیرِ حسن عسکری صفحہ ۱۳۰، وسائل الشیعہ جلد ۱۱ صفحہ ۴۷۴، بحار الانوار جلد ۷۵ صفحہ ۴۱۵۔

کے دین اور امامیہ کے دین سے خارج ہو گیا۔ اس نے اللہ، اس کے رسول اور ائمہ کی مخالفت کی۔''(۱) شیعی کتابوں میں علی بن موسیٰ رضا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''اس کا کوئی ایمان نہیں جس کا تقیہ نہیں اور تم میں سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل پیرا ہے۔''(۲)

...ان سے پوچھا گیا: کب تک؟ انہوں نے جواب دیا: ''ایک معلوم وقت تک جو ہمارے امامِ قائم کے نکلنے کا دن ہے۔ جس نے امام قائم کے خروج سے پہلے تقیہ چھوڑا وہ ہم میں سے نہیں۔''(۳)

---

(۱) الاعتقادات، صفحہ ۱۱۴-۱۱۵۔

(۲) گویا کہ وہ اللہ سبحانہ کے اس قول کی تفسیر کر رہے ہیں: إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ ٱللَّهِ أَتۡقَىٰكُمۡۚ ”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“ [الحجرات: ۱۳]۔

(۳) اکمال الدین از ابن بابویہ، صفحہ ۳۵۵)، وسائل الشیعہ، جلد۱۱صفحہ ۲۶۵۔

⊙ چوتھا مبحث : مہدیت اور غائب ہونا:

پہلا نکتہ: غائب ہونے سے متعلق فکر کی ابتداء و ارتقاء:

بعض شیعی کتابوں میں آیا ہے کہ شیعہ کے گیارہویں امام حسن عسکری (متوفی ۲۶۰ ھ) کی وفات کے بعد ان کا کوئی جانشین نہیں تھا اور نہ ہی بظاہر ان کا کوئی بیٹا تھا۔ اس لیے ان کی وراثت کو ان کے بھائی جعفر اور ان کی والدہ نے آپس میں تقسیم کر لیا۔[۱] اسی وجہ سے شیعہ کا معاملہ بگڑ گیا اور ان کا سرشیرازہ منتشر ہوگیا۔ کیونکہ وہ اب بغیر امام کے رہ گئے تھے اور ان کے نزدیک امام کے بغیر دین نہیں ہوتا اس لیے کہ وہی زمین والوں پر حجت ہوتا ہے۔[۲]

شیعہ اپنے امام کے تقرر جیسے نہایت اہم اور بنیادی مسئلے میں شدید تذبذب اور اختلاف کا شکار ہیں۔ چنانچہ شیعی عالم نوبختی[۳] کے نزدیک شیعہ چودہ فرقوں میں تقسیم ہو گئے، جبکہ شیعی عالم قمی کے بیان کے مطابق یہ تعداد پندرہ فرقوں

---

(۱) المقالات والفرق، صفحہ ۱۰۲، فرق الشیعہ، صفحہ ۹۶ اور اس میں ہے: "اس کا کوئی اثر (نشان) نہیں دیکھا گیا"۔

(۲) اصول الکافی، جلد ۱ صفحہ ۱۸۸۔

(۳) فرق الشیعہ، صفحہ ۹۶، مفید کی "الفصول المختارہ"، صفحہ ۲۵۸۔

تک جا پہنچی۔[1] بعد کے زمانے میں یہ تفرقہ مزید بڑھتا چلا گیا اور اختلافات کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ یہاں تک کہ شیعی مؤرخ مسعودی (متوفی ۳٤٦ھ) کے بیان کے مطابق امام حسن عسکری کی وفات کے بعد شیعہ کے درمیان اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ وہ بیس مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔[2] نتیجتاً ان فرقوں میں سے ہر ایک نے امامت کے مسئلے میں اپنے اپنے نظریات اور مذاہب بنا لیے:

- ان میں سے ایک گروہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ امام حسن زندہ ہیں، ان کا انتقال نہیں ہوا بلکہ وہ غائب ہو ئے ہیں اور وہی قائم ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ممکن نہیں کہ ان کا انتقال ہو جائے جبکہ ان کا بظاہر کوئی بیٹا بھی نہیں ہے، کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق زمین کسی بھی حال میں امام سے خالی نہیں ہو سکتی۔[3] چنانچہ اس گروہ نے امام حسن عسکری پر ہی توقف کیا اور ان کی مہدیت اور ان کے منتظر ہونے کا عقیدہ اختیار کر لیا۔ شیعہ کے ہاں جب بھی ایسے کسی امام کی وفات ہو جاتی تھی جس کی امامت کا وہ دعویٰ کرتے تھے تو وہ عموماً اسی طرزِ عمل کو اختیار کرتے تھے۔

---

(۱) المقالات والفرق، صفحہ ۱۰۲۔

(۲) مروج الذہب، جلد ٤ صفحہ ۱۹۰۔

(۳) فرق الشیعہ، صفحہ ۹٦، المقالات والفرق، صفحہ ۱۰٦۔

- ایک فرقہ نے ان کی وفات کا اقرار تو کیا مگر ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کیا کہ وہ اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں مگر غائب ہیں جو عنقریب نمودار ہوں گے۔[۱]

- کچھ دیگر فرقوں نے حسن عسکری کی امامت ان کے بھائی جعفر کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی۔[۲]

- ایک گروہ نے تو حسن کے بے اولاد فوت ہونے کی وجہ سے ان کی امامت کو ہی باطل قرار دے دیا۔[۳]

- اثنا عشریہ نے تو یہ دعویٰ کردیا کہ حسن عسکری کا ایک بیٹا تھا مگر انہوں نے اس کی پیدائش کو مخفی رکھا ۔ اس زمانے کے سخت حالات اور حکمران کی جانب سے کڑی نگرانی اور تلاش کے باعث اس معاملے کو صیغۂ راز میں رکھا... چنانچہ نہ تو انہوں نے بیٹے کو اپنی زندگی میں منظر عام پر نہیں آنے دیا اور نہ ہی ان کی وفات کے بعد لوگوں کی اکثریت نے اسے پہچانا۔[٤]

---

(۱) فرق الشیعہ، صفحہ ۹۷، المقالات والفرق، صفحہ ۱۰۷۔

(۲) المقالات والفرق، صفحہ ۱۱۰۔

(۳) دیکھیے: المقالات والفرق، صفحہ ۱۰۹، فرق الشیعہ، صفحہ ۱۰۰-۱۰۱۔

(۴) الارشاد از شیخ مفید جلد ۳ صفحہ ۱۰۰۵۔

- اس زمانے میں صورتِ حال اس قدر پیچیدہ ہو گئی کہ ان میں سے بعض لوگوں نے توقف اختیار کر لیا اور کہنے لگے: ہمیں معلوم نہیں کہ اس معاملے میں کیا موقف اختیار کریں، کیونکہ یہ مسئلہ ہمارے لیے مشتبہ ہو گیا...(۱)

اس طرح مہدی غائب ہو گئے اور ان کے بارے میں حکیمہ کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔ بعد میں اس حکیمہ ہی نے ان کے بارے میں شیعہ کے بعض قابل اعتماد افراد کو باخبر کیا، جیسا کہ ان کی روایات میں مذکور ہے۔

غائب ہونے کی جگہ..

ان کے غائب ہونے کی جگہ سے متعلق کہاجاتا ہے کہ وہ ایک نہایت خفیہ اور پوشیدہ ٹھکانہ ہے۔ جب ان کے مزعومہ غائب ہونے کی خبر ان کے ماننے والوں تک پہنچی تو انہوں نے اس مقام کا سراغ لگانے کی کوشش کی مگر جو شخص ان کے درمیان واسطہ تھا اس نے اس بارے میں کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا۔ اس نے ایک خفیہ تحریر پیش کی جسے مہدی کی طرف منسوب کیا گیا تھا، اس میں یہ ہدایت درج تھی کہ اگر لوگ اس جگہ کے بارے میں جان گئے تو وہ

---

(۱) المقالات والفرق، صفحہ ۱۱۵-۱۱۶، اور دیکھیے: فرق الشیعہ، صفحہ ۱۰۸۔

لازماً اسے ظاہر کر دیں گے۔[۱] اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص اور مخفی مقام پر موجود ہیں جس کے بارے میں اس واسطے کے سوا کسی کو علم نہیں۔ اس جگہ کو شیعہ سے پوشیدہ رکھنے کی وجہ بھی یہی بتائی جاتی ہے کہ کہیں وہ اس راز کو دوسروں پر فاش نہ کر دیں۔

البتہ الکافی کی بعض روایات اس شہر کی طرف اشارہ کرتی ہیں جہاں وہ روپوش بتائے جاتے ہیں۔ جیساکہ ایک روایت میں ہے: "اس معاملے والے کے لیے غائب ہونا ضروری ہے، اس میں تنہائی بھی لازم ہےاور سب سے بہترین جگہ طیبہ ہے۔"[۲] ان روایات سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ مدنیہ منورہ میں چھپے ہوئے ہیں، کیونکہ "طیبہ" اسی شہر کے معروف ناموں میں سے ایک ہے۔[۳] مزید یہ کہ جب ایک شخص نے حسن عسکری سے پوچھا کہ اگر آپ کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو آپ کے بارے میں کہاں سے معلوم کیا جائے؟ تو انہوں نے جواب دیا: مدینہ سے۔[٤] جبکہ طوسی بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک پہاڑ پر مقیم

(۱) اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۳۳۳۔

(۲) اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۳۴۰، الغیبہ از النعمانی صفحہ ۱۲۵، بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۱۵۳۔

(۳) دیکھیے: معجم ما استعجم جلد ۲ صفحہ ۹۰۰۔

(۴) اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۳۲۸، المازندرانی نے شرح الکافی جلد ٦ صفحہ ۲۰۸میں کہا: "احتمال ہے کہ مدینہ سے مراد مدینہ سر من رای (سامرا) ہو۔" یہ احتمال اس روایت میں موجود نہیں

ہیں جس کو رضوی پہاڑ کہا جاتا ہے۔[1] اور بعض روایات میں ہے کہ وہ مکہ کی وادیوں میں روپوش ہیں۔[2]

البتہ مقاماتِ ائمہ کی زیارت اور دعاؤں سے متعلق ان کی روایات میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ سامراء کے ایک تہہ خانے میں مقیم ہیں۔[3] چنانچہ بعض روایات میں ہے: "پھر آپ غائب ہونےوالی غار کی طرف آ کر دو دروازوں کے بیچ دروازے کی ایک جانب کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر کھڑے ہوجائیں ،پھر اجازت طلب کرنے والے کی طرح ذرا کھانسیں، پھراللہ کا نام لے کر سکون و وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے نیچے اتریں پھراس غار میں دو رکعت نماز ادا کریں اور یہ دعا پڑھیں: ...اے اللہ!انتظار طویل ہوگیا،بدکار لوگ ہمارا مذاق اڑانے لگے ہیں اور ہمارے لیے غلبہ پانا مشکل ہوگیا ہے،اے اللہ ! ہمیں

جو اس سے پہلے آئی ہے۔

(۱) الغیبہ، صفحہ ۱۰۳۔

(۲) تفسیر العیاشی جلد ۲ صفحہ ۵۶، البرہان جلد ۲ صفحہ ۸۱-۸۲، بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۴۱۔

(۳) یاقوت کہتے ہیں : سامراء دریائے دجلہ کے اوپر بغداد سے ۳۰ فرسخ کے فاصلے پر ایک شہر ہے جسے " سر من رای " (یعنی جس نے دیکھا وہ خوش ہوا) کہا جاتا تھا، پھر لوگوں نے اسے محدود کر دیا... مزیدوہ کہتے ہیں: سامرا میں وہ مشہور تہہ خانہ ہے جس کے بارے میں شیعہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا مہدی وہاں سے نکلے گا۔ معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۱۷۳۔

اپنے مبارک ولی کے چہرے کا دیدار نصیب فرما،زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی،اے اللہ !میں اس مقام کے صاحب کے سامنے تیرے حضور عقیدۂ رجعت کا اقرار کرتا ہوں۔"(۱)

بعض شیعہ علماء نے تو غیبت کے مسئلہ کو صحابہ کرام اوراحسان کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں کے خلاف بغض و عناد کا مصدر بنا لیا ہے حتی کہ ان کے شیخ جزائری نے کہا:مجھے جب بھی کسی مسئلہ میں مشکل پیش آتی ہے تو میں اپنے دل میں ان (صحابہ کرام) پر لعنت کو لازم کر لیتا ہوں کیونکہ وہی اس امامِ حجت کے غائب ہونے کا سبب بنے ہیں۔(۲)

دوسرا نکتہ: مہدی منتظر کی شریعت :

ابن بابویہ نے اپنی کتاب الاعتقادات (دین امامیہ) میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب مہدی اپنی غیبوبت سے لوٹیں گے تووہ شریعت اسلامیہ کےاحکامِ وراثت کو منسوخ کر دیں گےچنانچہ وہ جعفر صادق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جسموں کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے عالمِ ارواح میں روحوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کیاتھا۔ لہٰذا جب

(۱) مصباح الزائر، صفحہ ۲۲۹، المزار الکبیر، صفحہ ۲۱۶۔

(۲) شرح الصحیفۃ السجادیہ، صفحہ ۳۷۔

اہلِ بیت میں سے ہمارا امامِ قائم ظاہر ہوگا تو وہ خونی رشتے سے ہٹ کر اسی شخص کو وارث بنائے گا جس کے ساتھ عالمِ ارواح میں بھائی چارہ قائم ہوا تھا۔"(۱)

شاید یہ روایت ان لوگوں کے دلی ارادوں کو بے نقاب کرتی ہے جنہوں نے اہلِ بیت کی طرف منسوب کر کے اسے گھڑا ہے کہ وہ وراثت کے معاملے میں خونی اور نسبی رشتے کی جگہ لوگوں کے درمیان فرقہ وارانہ تعلق کو قائم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اور ایسا کر کے وہ صریح قرآن کی مخالفت کر رہے ہیں! اسی طرح یہ روایت ان روایات کو گھڑنے والوں کے اسلامی شریعت کے نفاذ کے حوالے سے موقف اور اسے معطل و منسوخ کرنے کی خواہش کو بھی عیاں کرتی ہے۔

اسی طرح شیعی روایات کے مطابق امامِ مہدی منتظر اہلِ کتاب سے جزیہ لینے کے معاملے میں بھی شریعت میں تبدیلی کریں گے۔ ان کی بعض روایات صراحت سے بیان کرتی ہیں کہ مہدی اس باب میں نبی کریم ﷺ کی سنت کے خلاف عمل کریں گے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں: «یہ معاملے والا (مہدی) جزیہ

---

(۱) الاعتقادات، صفحہ ۸۳۔

قبول نہیں کرے گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔››[۱] رسول اللہ ﷺ کی سنت سے انحراف اور اسے جان بوجھ کر تبدیل کرنے پر یہی اعتراف کافی ہے۔

بلکہ امام منتظر کی سلطنت میں فیصلہ اور انصاف مصطفی ﷺ کی شریعت کی بجائے کسی اور قانون پر ہوگا جیسا کہ الکافی وغیرہ میں منقول ہے کہ ابو عبداللہ جعفر صادق نے فرمایا: جب آلِ محمد کا امامِ قائم آئے گا تو داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرے گا اور گواہی وثبوت کا مطالبہ نہیں کرے گا۔[۲] اسی طرح کلینی نے بھی اس عقیدے کو اجاگر کرتے ہوئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے: ''ائمہ کے بارے میں بیان کہ جب انہیں اقتدار حاصل ہوگا تو وہ داؤد اور آلِ داؤد کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کریں گے اور گواہی طلب نہیں کریں گے۔''[۳] تو اس طرزِ فکر کے پسِ پردہ موجود یہودی عنصر کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

---

(۱) بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۴۹۔

(۲) اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۳۹۷۔

(۳) اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۳۹۷۔

تیسرا نکتہ: منتظر قائم امام کی سیرت:

رہی بات ان کی سیرت کی تو وہ اپنی نئی شریعت کی متعدد علامات کو اختیار کریں گے ۔ اسی بنا پر یہ تصور پیش کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے مقدس مقامات اور مساجد میں بھی آزمائش و اذیت سے دوچار کریں گے۔ وہ حرمین شریفین کو منہدم کر کے انہیں ازسرِ نو تعمیر کریں گے، چنانچہ بعض روایات میں ہے: ''امامِ قائم مسجدِ حرام کو گرا کر اسے اس کی اصل بنیادوں پر قائم کریں گے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی مسجد کو بھی منہدم کر کے اس کی ابتدائی بنیادوں پر بنائیں گے، اور بیت اللہ کو اس کے اصل مقام اور بنیاد پر دوبارہ تعمیر کریں گے''۔(۱)

اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی قبروں کا رخ کریں گے —جیسا کہ ان کی روایات کہتی ہیں—: «قبر پر موجود دیوار کو توڑنے سے آغاز کریں گے... پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کو تروتازہ اور نرم و نازک حالت میں نکالیں گے، ان پر لعنت کریں گے ان پر لعنت کریں گے، ان سے بیزاری کا اظہار کریں گےاور انہیں سولی پر چڑھائیں گے، پھر انہیں نیچے اتار کر جلا دیں گے اور ان کی راکھ ہوا میں اڑا دیں گے ۔(۲)

---

(۱) الغیبہ از طوسی صفحہ ۲۸۲، بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۳۸۔

(۲) بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۸۶۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ قائم سب سے پہلے جس کام کا آغاز کریں گے.. وہ ان دونوں کو تروتازہ اور نرم و نازک حالت میں نکال کر جلا دیں گے اور ہوا میں اڑا دیں گے، اور مسجد کو مسمار کر دیں گے ۔[1]

شیعہ کے نزدیک مہدی منتظر صرف اسی پر بس نہیں کرے گا بلکہ وہ عرب نسل کا مکمل طور پر قتلِ عام کرے گا! ان کے وجود کو جڑ سے اکھاڑ کر مکمل خاتمہ کر دے گا،چنانچہ نعمانی: «.... حارث بن مغیرہ اور ذریح المحاربی سے روایت کرتے ہیں کہ ابو عبداللہ نے فرمایا: ہمارے اور عربوں کے درمیان خون ریزی کے سوا کچھ نہیں رہا۔»[2] یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات میں شیعہ اور غیر شیعہ کے درمیان کوئی نمایاں فرق نہیں رکھا گیا، بلکہ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اہلِ عرب میں سے کوئی بھی قائم کا ساتھ نہیں دے گا۔ اسی لیے یہ روایات اہلِ عرب کو ڈراتے ہوئے کہتی ہیں: ”عربوں سے بچو! ان کے لیے بری خبر ہے، اور ان میں سے کوئی بھی قائم کے ساتھ نہیں نکلا۔“[3] لیکن آج صورتِ حال یہ ہے کہ عربوں میں خود شیعہ بڑی تعداد میں موجود ہیں،

---

(۱) بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۸۶۔

(۲) الغیبہ از نعمانی صفحہ ۱۵۵، بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۴۹۔

(۳) الغیبہ از طوسی صفحہ ۲۸۴، بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۳۳۔

حالانکہ ان کی روایات یہ کہتی ہیں کہ ان سب کی کڑی تفتیش ہوگی اور ان میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ باقی بچیں گے۔ (۱)

ان کی روایات نبی کریم ﷺ کے اہلِ بیتِ اطہار کو کسی نہ کسی آفت وآزمائش کے ساتھ ضرور جوڑتی ہیں۔،چنانچہ وہ دعوی کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیوی ام المؤمنین صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا قبل از قیامت ہی قبر سے نکال دی جائیں گی،کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حد کی مرتکب ٹھہریں تھیں- جیسا کہ وہ بہتان باندھتے ہیں-لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان پر حد نہیں لگائی-جیسا کہ ان کا دعوٰی ہے -اس وجہ سے کہ آپ ﷺ پر رحمت وشفقت غالب آگئ تھی باوجود اس کے کہ اللہ پاک نے یہ حکم دیا تھا: (إِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَإِيَّاكَ نَسۡتَعِينُ – ٱهۡدِنَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلۡمُسۡتَقِيمَ – صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ ٱلۡمَغۡضُوبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ) ”اور تمہیں ان دونوں پر اللہ کے دین کے معاملے میں کوئی ترس نہیں آنا چاہیے اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو“ [النور: ۲]۔ پھر بھی انہوں نے حد قائم نہیں کی لیکن ان کا قائم امام وہ چیز ضرور نافذ کرے گا جس کو مخلوق میں سے سب سے افضل شخصیت نافذ کرنے سے قاصر رہے۔

---

(۱) دیکھیے: الغیبہ از نعمانی صفحہ ۱۳۷، بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۱۱۴۔

ابو جعفر کی طرف منسوب روایت کا متن یوں ہے: ''جب ہمارا قائم ظاہر ہوگا تو حمیراء (یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) کواس کے سامنے لایا جائے گا، یہاں تک کہ وہ انہیں حد کے کوڑے لگائے گا،اور یہاں تک کہ وہ ان سے محمد ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ علیہا السلام کا بدلہ لے گا! میں نے عرض کیا: میں آپ پر فدا ہوں، وہ انہیں حد کیوں لگائے گا؟ فرمایا: امِ ابراہیم (ماریہ قبطیہ) پر ان کے بہتان باندھنے کی وجہ سے۔میں نے سوال کیا: تو اللہ نے اس کو قائم تک کیسے موخر کر دیا؟ تو انہوں نے جواب دیا: بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا، اور قائم کو عذاب بنا کر بھیجا۔''[1] پھر اس پر ان کے معاصر شیخ نے اس نص کے ساتھ تبصرہ کیا جو خود ساختہ بہتان کو واضح کرتا ہے کہ عائشہ نے کہا - جیسا کہ وہ بہتان باندھتے ہیں:-«بے شک ابراہیم آپ سے نہیں ہیں بلکہ وہ فلاں قبطی کے بیٹے ہیں»۔ نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے علی علیہ السلام کو انہیں سنگسار کرنے کا حکم دیا، لیکن علی نے ان کی براءت ظاہر کر دی[2] ـــــجیسا کہ وہ بہتان لگاتے ہیں۔

---

(۱) علل الشرائع صفحہ ۵۷۹-۵۸۰، بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۱۴، ۳۱۵۔

(۲) بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۱۵، حاشیہ۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام قائم خاتم النبیین ﷺ سے بھی زیادہ کامل ہےاور اللہ کے دین کو نافذ کرنے کی آپ سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جن کو جہانوں کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا گیا! یہی وہ بات ہے جس کی صراحت ان کی روایات نے کی ہے۔ چنانچہ شیعی عالم ابن بابویہ ابو بصیر سے روایت کرتے ہیں کہ ابو عبداللہ جعفر صادق نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں کہا: هُوَ ٱلَّذِيٓ أَرۡسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلۡهُدَىٰ وَدِينِ ٱلۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوۡ كَرِهَ ٱلۡمُشۡرِكُونَ ”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، چاہے مشرکین کو برا لگے۔“ [التوبہ: ۳۳]۔

اللہ کی قسم! ابھی تک اس کی صحیح تعبیر ظاہر نہیں ہوئی، اور نہ ہی ظاہر ہوگی جب تک امام قائم (مہدی) ظاہر نہ ہوں۔[۱] یعنی ان کے مطابق ”قائم“ وہ سب کچھ ثابت کرے گا جس سے انبیاء بھی عاجز رہے! اسی بات کی صراحت اس دور کے بعض بڑے شیوخ نے بھی کی ہے، یعنی خمینی نے۔ تاہم عالمِ اسلام نے اس نظریے کو قبول نہیں کیا، جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔[۲]

---

(۱) اکمال الدین صفحہ ۶۲۸، بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۲۴۔

(۲) ” عصرِ حاضر کے شیعہ اور اپنے اسلاف سے ان کا تعلق “ اس عنوان کے تحت آئے گا۔

شیعی روایات میں ان کے مہدی منتظر کے ہاتھوں جس ہولناک اور خونی قتلِ عام کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی زد میں ان کے اپنے فرقے کے سوا قریباً تمام انسانی طبقات اور نسلیں آئیں گی! اس قتلِ عام سے صرف اسی شخص کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے جو توبہ کر لے، یعنی ان کے مذہب میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ منقول ہے: جس نے توبہ کی، اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، اور جس نے نفاق چھپایا، اللہ اس کے سوا کسی کو ہلاک نہیں کرے گا، اور جس نے (مخالفت) ظاہر کی، اللہ اس کا خون بہا دے گا۔ پھر مزید کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ انہیں اس طرح ذبح کرے گا جیسے قصائی بکری ذبح کرتا ہے——اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا۔(۱) بعض روایات میں انہیں ''نواصب'' کہا جاتا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ جب قائم ظاہر ہوگا تو ہر ناصبی کو اس کے سامنے لایا جائے گا اگر وہ اسلام——یعنی ولایت——کا اقرار کر لے گا تو اسے چھوڑ دیا جائے گا، ورنہ اس کی گردن مار دی جائے گی یا پھر وہ جزیہ دینے کا اقرار کرے گا اور اسے اسی طرح ادا کرے گا جیسے اہلِ ذمہ ادا کرتے ہیں۔(۲)

(۱) بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۵۷، الغیبۃ از النعمانی صفحہ ۱۹۰-۱۹۱۔

(۲) تفسیر فرات صفحہ ۱۰۰، بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۷۳۔اور اس کا قول: ''یا جزیہ کا اقرار کرے'' اس کی ان روایات کے خلاف ہے جن میں کہا گیا ہے کہ وہ جزیہ قبول نہیں کریں گے

لیکن ان کی بعض روایات میں یہ بھی ذکر ہے کہ ان ''نواصب'' سے جزیہ اس طرح قبول نہیں کیا جائے گا جیسے اہلِ ذمہ سے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے ایک امام سے قائم کی حکومت میں اہلِ ذمہ کی حالت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: وہ ان سے اسی طرح صلح کرے گا جیسے رسول اللہ ﷺ نے ان سے صلح کی تھی، اور وہ ذلت کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کریں گے۔(۱)
رہے شیعہ کے دیگر مخالفین، تو ان کے بارے میں فرمایا: ہماری حکومت میں ہمارے مخالفین کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ بے شک جب ہمارا قائم کھڑا ہوگا تو اللہ ہمارے لیے ان کے خون کو حلال کر دے گا۔(۲)

جیسا کہ ان کی '' شریعت '' کے بیان میں کچھ تذکرہ گزر چکا ہے۔

(۱) بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۷۶۔

(۲) بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۳۷۶۔

⦿ پانچواں مبحث : رجعت

رجعت کا مطلب ہے: موت کے بعد دوبارہ دنیا کی طرف لوٹنا۔(۱) شیعی عالم شیخ مفید کا قول ہے: قیامت کے دن سے پہلے بہت سے فوت شدگان کو دنیا میں واپس بھیجا جائے گا۔(۲) چنانچہ بہت سے شیعہ کے گروہ اپنے ائمہ کے اس زندگی کی طرف دوبارہ لوٹنے کے قائل ہیں۔ ان میں سے بعض تو ان کی موت اور پھر واپسی کا اقرار کرتے ہیں، لیکن بعض ان کی موت کا ہی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ غائب ہوئے ہیں بس عنقریب واپس لوٹ آئیں گے۔

• رجعت کے بارے میں شیعی علماء کے اقوال:

عقیدۂ رجعت شیعہ مذہب کے بنیادی اصولوں میں سے ہے، ابن بابویہ قمی نے الاعتقادات میں لکھا ہے کہ رجعت کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ یقینا برحق ہے(۳)۔مفید نے کہا: امامیہ اس بات پر متفق ہیں کہ بہت سے مرنے والوں کا دوبارہ دنیا میں واپس آنا واجب ہے۔(٤) اور طبرسی، حرّ عاملی اور

---

(۱) القاموس جلد ۳ صفحہ ۲۸، مجمع البحرین جلد ۴ صفحہ ۳۳۴۔
(۲) اوائل المقالات از شیخ مفید، صفحہ ۵۱۔
(۳) الاعتقادات، صفحہ ۹۰۔
(۴) اوائل المقالات، صفحہ ۵۱۔

دیگر علماء کا بھی یہی موقف ہے کہ یہ عقیدہ ''شیعہ امامیہ کے اجماع'' سے ثابت ہے۔[1]

- **رجعت کی اقسام:**

پہلی قسم: بارہ ائمہ کی رجعت؛ اس کے مطابق مہدی اپنے مخفی مقام سے ظاہر ہوں گے اور غیبوبت سے واپس آئیں گے، بلکل اسی طرح دیگر ائمہ بھی اپنی وفات کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور اس دنیا میں لوٹ آئیں گے۔

دوسری قسم: ان مسلمانوں کے حکمرانوں کی رجعت، جنہوں نے ـــ ان کے عقیدے کے مطابق ـــ خلافت کو اس کے اصل حقداروں (بارہ ائمہ) سے چھین لیا تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے بعض خلفاء، اور ان میں سرِ فہرست ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم، اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور دوبارہ دنیا میں لائے جائیں گے، تاکہ ان سے خلافت غصب کرنے کا بدلہ لیا جائے۔ اس کے لیے ان کے ساتھ سخت سلوک، حتیٰ کہ انہیں قتل کرنے اور سولی دینے جیسی کارروائیاں کی جائیں گی۔

---

(۱) مجمع البیان: جلد ۵ صفحہ ۲۵۲، الایقاظ من الھجعۃ از حر عاملی، صفحہ ۳۳؛ بحار الانوار: جلد ۵۳ صفحہ ۱۲۳۔

تیسری قسم: عام لوگوں کی رجعت،اس میں خاص طور پر وہ شامل ہیں جنہوں نے خالص ایمان اختیار کیا ـــ یہ عموماً شیعہ ہی ہوتے ہیں ـــ اور وہ لوگ بھی جو خالص کفر اختیار کر چکے ہیں، یعنی باقی سب لوگ بھی (سوائے کمزوروں کے) اس میں شامل ہیں۔(۱)

• رجعت سے متعلق مسائل:

۱. ان کے شیخ مفید وغیرہ کے مطابق رجعت کا زمانہ عمومی طور پر : آل محمد ﷺ کے مہدی کے قیام کے وقت(۲) سے لے کر غیبوبت سے ان کی واپسی تک ہے۔

۲. رجعت کا اصل مقصدائمہ اور شیعہ کا اپنے دشمنوں سے بدلہ لینا ہے۔(۳)

(۱) مستضعفون: شیعہ کے ہاں ایک اصطلاح ہے جو ان کے مصادر میں آتی ہے، اس سے ان کی مراد وہ لوگ ہیں جو عقل کے اعتبار سے کمزور ہوں جیسے معذور خواتین، سادہ لوح لوگ اور اسی طرح کے دوسرے افراد، نیز وہ لوگ جن پر حجت تمام نہ ہوئی ہو جیسے وہ لوگ جو دو انبیاء کے درمیانی وقفے میں مر گئے یا وہ ایسی جگہ ہوں جہاں انہیں حجت (دلیل) کی خبر نہ پہنچی ہو، تو وہ اللہ کے حکم کے سپرد ہیں، یا تو وہ انہیں عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمائے گا، چنانچہ ان کے لیے آگ سے نجات کی امید کی جاتی ہے۔ بحار الانوار: جلد ۸، صفحہ ۳۶۳، مجلسی کی الاعتقادات: صفحہ ۱۰۰۔

(۲) دیکھیے: اوائل المقالات، صفحہ ۹۵، الایقاظ من الهجعة، صفحہ ۵۸۔

(۳) دیکھیے: الایقاظ من الهجعة، صفحہ ۵۸۔

اور وہ شیعہ کے علاوہ باقی تمام مسلمان ہیں سوائے مستضعفین (کمزوروں) کے ،اسی لیے مسلمانوں کی کثرتِ قتل کی وجہ سے شیعہ کی تلواروں سے خون ٹپک رہا ہو گا، یہاں تک کہ ابو عبداللہ نے کہا: گویا میں حمران بن اعین اور میسر بن عبدالعزیز کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان اپنی تلواروں سے لوگوں کو بے دریغ کاٹ رہے ہیں۔(۱)

۳. اسی طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رجعت میں لوگوں کا حساب حسین کے ہاتھ میں ہوگا، اوروہ ابو عبداللہ کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ ہی قیامت کے دن سے پہلے لوگوں کا حساب لیں گے جبکہ قیامت کےدن جنت کی طرف اور جہنم کی طرف صرف بھیجنا ہو گا۔(۲)

۴. رجعت کے دن برگزیدہ مخلوق یعنی اللہ کے انبیاء و رسل علی بن ابی طالب کے لشکر میں شامل ہو ں گے۔ جیساکہ ان کا کہناہے: "اللہ نے جو بھی نبی یا رسول مبعوث فرمایا ہے وہ ان سب کو دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے گا۔ یہاں تک کہ وہ سب امیر المومنین علی بن ابی طالب کے زیرِ کمان جنگ

(۱) بحار الانوار: جلد ۵۳، صفحہ ۴۰۔

(۲) بحار الانوار: جلد ۵۳، صفحہ ۴۳۔

میں حصہ لیں گے۔“(۱)

۵. شیعہ کا یہ بھی خیال ہے کہ رجعت کے دن ان کی زندگی ایسی نعمتوں سے بھرپور ہوگی جو تصور سے بھی بالاتر ہوں گی۔ ان کا کھانا اور پینا جنت سے آئے گا۔ وہ اللہ سے دنیا یا آخرت کی جس حاجت کا بھی سوال کریں گے وہ ان کے لیے پوری کر دی جائے گی۔(۲)

- **عقیدۂ رجعت پر ان کا استدلال:**

ان کے ہاں مفسرین کے شیخ کا یہ نظریہ ہے کہ رجعت پر سب سے بڑی دلیل اللہ سبحانہ کا یہ فرمان ہے: وَحَرَٰمٌ عَلَىٰ قَرۡيَةٍ أَهۡلَكۡنَٰهَآ أَنَّهُمۡ لَا يَرۡجِعُونَ ”اور لازم ہے اس بستی پر جسے ہم ہلاک کر دیں کہ وہ واپس نہیں لوٹیں گے۔“ [الأنبیاء: ۹۵] چنانچہ وہ کہتے ہیں: ”یہ آیت رجعت پر عظیم ترین دلائل میں سے ایک ہے کیونکہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی اس بات کا منکر نہیں کہ تمام لوگ قیامت کے دن لوٹیں گے، خواہ وہ ہلاک ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔“(۳)

---

(۱) بحار الانوار: جلد ۵۳، صفحہ ۴۱۔

(۲) بحار الانوار: جلد ۵۳، صفحہ ۱۱۶۔

(۳) تفسیرِ قمی : جلد ۲ ص۷۶۔ رجعت پر مبنی اس خود ساختہ دلیل کے لیے صفحے کے اوپر یہ عنوان دیا گیا ہے: ” رجعت پر دلالت کرنے والی سب سے بڑی آیت۔“

حالانکہ یہ انہی کے خلاف حجت ہے کیونکہ یہ دنیا کی طرف دوبارہ لوٹنے کی نفی پر دلالت کررہی ہے ، جیسا کہ ابنِ عباس، ابو جعفر باقر، قتادہ اور دیگراہلِ علم نے بیان کیاہے، وہ یہ ہے کہ جو بستیاں اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دی گئی ہیں، ان کے باشندوں کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں واپس آئیں۔[۱] یہ اللہ سبحانہ کے اس فرمان کی طرح ہے: أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا، ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے کہ وہ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آتے۔'' [یس: ۳۱] ۔

- عقیدۂ رجعت کا تنقیدی جائزہ:

موت کے بعد دنیا کی طرف واپسی (رجعت) کا نظریہ نصِ قرآنی کے صریح مخالف ہے۔ یہ کتاب اللہ کی متعدد آیات کی دلالت سے باطل ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ «کہتا ہے اے میرے رب! مجھے واپس لوٹا دے۔ تاکہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جاکر نیک اعمال کر لوں۔ ہرگز ایسا نہیں۔ یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے' ان کے

(۱) تفسیر ابن کثیر: جلد ۳، صفحہ ۲۰۵۔

پس پشت تو ایک حجاب ہے۔» [المؤمنون: ۹۹-۱۰۰] ۔ چنانچہ اس میں اللہ پاک کا یہ فرمان ہے: «ان کے پیچھے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے، ایک پردہ ہے۔» یہ رجعت کی نفی میں بالکل واضح اور مطلق نص ہے۔

گنہگاروں کو سزا اور نیکوکاروں کو جزا دینے کے لیے موت کے بعد دنیا کی طرف واپسی کا نظریہ اس دنیا کی فطرت کے منافی ہے، کیوں کہ یہ جزا کی جگہ نہیں ہے: وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ وَأُدْخِلَ ٱلْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ إِلَّا مَتَٰعُ ٱلْغُرُورِ "اور تمھیں تمھارے اجر قیامت کے دن ہی پورے دیے جائیں گے، پھر جو شخص آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو یقینا وہ کامیاب ہوگیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔" [آل عمران: ۱۸۵]۔ اسی طرح یہ (عقیدہ) دوبارہ اٹھنے کے دن اور جزا و سزا پر ایمان کے پہلو کو بھی کمزور کرتا ہے؛ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہی چیز اس عقیدے کو گھڑنے والے کے مقاصد میں شامل تھی۔ ان کے بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ ابن سبا نے ہی رجعت اور آخرت کے انکار کا نظریہ پیش کیا تھا[1] اس کی عملی جھلک اثنا عشریہ کے ہاں یوم قیامت کے متعلق وارد آیات کی عقیدہ رجعت کے ذریعے کی گئی تاویلات اور ان کے اثرات

(۱) البرہان از السکسکی: صفحہ ۵۰۔

میں نمایاں ہے۔

⦿ چھٹا مبحث: ائمہ کا ظہور :

یعنی کچھ لوگوں کے لیے ائمہ کا اپنی موت کے بعد ظاہر ہونا، پھر اپنی قبروں کی طرف واپس لوٹ جانا۔ یہ عقیدہ ائمہ کی رجعت سے الگ ہے، مجلسی نے اس کے لیے اس عنوان سے باب قائم کیا ہے: وہ موت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور ان سے عجیب و غریب کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔[1] اور یہ ظہور رجعت کی طرح کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ یہ ائمہ کے ارادے کے تابع ہے،یہاں تک کہ انہوں نے امیر المومنین کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہم میں سے جو مرتا ہے وہ بظاہر مرتا ہے لیکن وہ مردہ نہیں ہوتا۔ ان کی روایات میں ہے کہ ابو الحسن رضا اپنے والد سے ان کی وفات کے بعد ملاقات کرتے تھے، اور ان کی وصیتیں اور فرامین محفوظ کرتے تھے۔[2]

بعض شیعہ کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ابو عبداللہ کے پاس گئے تو انہوں نے پوچھا: «کیا تم ابوجعفر کو ان کی موت کے بعد دیکھنے کے خواہش مند ہو؟ اس

---

(۱) بحار الانوار: جلد ۲۷، صفحہ ۳۰۳-۳۰۴، بصائر الدرجات: صفحہ ۷۸۔

(۲) بحار الانوار: جلد ۲۷، صفحہ ۳۰۳، بصائر الدرجات: صفحہ ۷۸۔

نے کہا:» میں نے جواب دیا: جی ہاں، انہوں نے فرمایا: اٹھو اور گھر کے اندر داخل ہو جاؤ، چنانچہ میں داخل ہوا اور دیکھا کہ وہاں ابو جعفر موجود تھے۔[۱] اور ایک دوسرے شخص کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ابوالحسن کے پاس گیا تو انہوں نے پوچھا: «کیا تم پسند کرتے ہو کہ ابو عبداللہ کو دیکھو؟وہ کہتا ہے:» میں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میری یہی تمنا ہے، تو انہوں نے فرمایا: اٹھو اور اس گھر میں داخل ہو جاؤ، چنانچہ میں گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ابو عبداللہ وہاں تشریف فرما تھے۔[۲]

- **عقیدہ ظہور کا تنقیدی جائزہ:**

یہ نظریہ ایسا ہے کہ اسے محض بیان کر دینا ہی اس کے بطلان کو واضح کرنے کے لیے کافی ہےکیونکہ یہ کسی بھی صورت میں نہ تو صحیح روایات کے مطابق ہے، نہ واضح عقل کے اور نہ ہی پاکیزہ فطرت کے ،بلکہ یہ حقیقت کی بجائے من گھڑت کہانی کے زیادہ قریب ہے۔چنانچہ روزِ قیامت سے پہلے مرِدوں کاواپس لوٹنا روایات اور مسلمانوں کے اجماع کی رُو سے باطل ہے۔

---

(۱) گزشتہ حوالہ۔

(۲) گزشتہ حوالہ۔

ساتواں مبحث : البداء:

اثنا عشریہ کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اللہ عزوجل کے بارے میں "بداء" (ارادہ بدلنے) کا عقیدہ ہے، حتی کہ انہوں نے اس معاملے میں غلو کرتے ہوئے یہ تک کہہ دیا: "بداء جیسی عبادت سے بڑھ کر اللہ کی بندگی نہیں کی گئی۔"(۱) اور (کہا) "اگر لوگ جان لیں کہ بداء کے عقیدہ میں کتنا ثواب ہے، تو وہ اس کے بارے میں باتیں تراشنے سے باز رہتے۔"(۲)۔ یوں لگتا ہے کہ جس نے شیعہ کے نزدیک اس عقیدے کی بنیادیں مستحکم کی ہیں ان کے ہاں اس کا لقب "ثقۃ الاسلام" ہے، اور وہ ان کے شیخ کلینی (متوفی ۳۲۸ھ) ہیں جنہوں نے اس عقیدے کو الکافی کی قسم الاصول میں درج کیا ہے، اور اسے کتاب التوحید میں شامل کیا ہے، اور اس کے لیے «باب البداء» کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم کیا۔

ان کے بعد ابن بابویہ قمی (وفات ۳۸۱ھ) آئے جنہوں نے اسے شیعی عقائد کے ضمن میں شامل کیا،اور اس کے لیے «باب البداء» کے عنوان سے ایک خاص

---

(۱) اصول الکافی، کتاب التوحید، باب البداء، جلد ۱، صفحہ ۱۴۶، التوحید از ابن بابویہ، باب البداء، صفحہ ۳۳۲؛ بحار الانوار، کتاب التوحید، باب البداء، جلد ۴، صفحہ ۱۰۷۔

(۲) اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۱۴۸، التوحید از ابن بابویہ صفحہ ۳۳۴، بحار الانوار جلد ۴ صفحہ ۱۰۸۔

باب قائم کیا، اور یہ ان کی کتاب 'الاعتقادات' میں ہے جسے ''دین امامیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔[1] اسی طرح یہ نظریہ موجودہ دور کے علماء کی کتبِ عقیدہ میں بھی درج ہے۔[2] اور ان کے علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں جن کی تعداد ط کے 'الذریعہ' مطابق ۲۵ تک جا پہنچتی ہے۔[3]

اور لغت میں ''بداء'' کے دو معنی ہیں: پوشیدگی کے بعد ظاہر ہونا، اور کسی نئ رائے کا پروان چڑھنا۔

- **عقیدۂ بداء کا تنقیدی جائزہ:**

یہ بات واضح ہے کہ بداء کو اس کے دونوں معنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اس بات کا مقتضی ہے کہ پہلے لاعلمی ہو اور پھر نئے علم سے آشنائی ہو، جبکہ یہ دونوں باتیں اللہ کے حق میں ناممکن ہیں، اور اسے اللہ سبحانہ کی طرف منسوب کرنا بہت بڑا کفر ہے؛ پھر کیسے شیعہ اثنا عشریہ اسے عظیم ترین عبادتوں میں سے ایک قرار دے دیتے ہیں؟ سبحان اللہ! یہ بہت بڑا بہتان

---

(۱) الاعتقادات، صفحہ ۸۹۔

(۲) دیکھیے: مثال کے طور پر: عقائد الامامیہ از مظفر، صفحہ ۶۹؛ عقائد الامامیہ الاثنی عشریہ از زنجانی، جلد ۱، صفحہ ۳۴۔

(۳) دیکھیے: الذریعہ الی تصانیف الشیعہ جلد ۳ صفحہ ۵۳-۵۷۔

ہے!اور یہ ناپسندیدہ ومنکر مفہوم یہودیوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے چنانچہ جس تورات کو یہودیوں نے اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق بدل ڈالا تھا،اس میں ایسی واضح نصوص موجود ہیں جن میں بداء کے معنی کی نسبت اللہ سبحانہ کی طرف کی گئی ہے اور بظاہر لگتا ہے کہ ابن ِسبا یہودی نے اپنے مذہب سے سیکھے ہوئے اس عقیدے کو اسلامی ماحول میں پھیلانے کی سعی کی اور تشیع کے نام پر اس میں اثر انداز ہونے کی کوشش کی!

یہی مفہوم اثنا عشریہ کی روایات میں ملے گا، کیونکہ انہوں نے اپنے پیروکاروں میں یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ ان کے ائمہ وہ سب جانتے ہیں جو ہو چکا اور جو ہوگا، اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔(۱) جب وہ ائمہ کی طرف ایسی چیزیں منسوب کرتے جو پوری نہ ہوپاتیں تو کہہ دیتے کہ یہ بداء کی قبیل سے ہے!۔بحار الانوار کے باب البداء میں ''ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ ابو جعفر اور ابو عبداللہ نے فرمایا:اے ابوحمزہ! اگر ہم تمہیں کسی معاملے کے بارے بتائیں کہ وہ اس طرف سے آئے گا، لیکن وہ دوسری طرف سے آ جائے، تو بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہےاور اگر ہم تمہیں آج کوئی بات بتائیں اور کل اس کے برعکس بتائیں تو بے شک اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اورجسے چاہتا

(۱) اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۲۶۰۔

ہے برقرار رکھتا ہے۔[1]

شیعی علماء اپنے پیروکاروں کو یہ امید دلاتے تھے کہ اقتدار عنقریب ان کی طرف لوٹے گا اور حکومت ان کی ہوگی یہاں تک کہ انہوں نے اس کے لیے ستر سال کی میعاد مقرر کر رکھی تھی،ایسی ہی ایک روایت انہوں نے ابوجعفر کی طرف منسوب کر رکھی تھی۔ چنانچہ جب ستر سال بیت گئے اور ان وعدوں میں سے کچھ بھی پورا نہ ہوا، تو پیروکاروں نے اس کا شکوہ کیاتو بانیان مذہب نے اس مشکل سے یہ کہہ کر نکلنے کی کوشش کی کہ اللہ سبحانہ کے سامنے ایسی بات ظاہر ہوئی جس نے اس وعدے کی تبدیلی کا تقاضا کیا ۔[2]

شیعوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو بطورِ عقیدہ بداء کا اقرار تو کرتا ہے، لیکن وہ اس کے لیے کوئی معقول توجیہ وتاویل ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ ان میں سے بعض نے بداء کی تشریح ''نسخ'' سے کی ہے!لیکن ان کی روایات کا علم رکھنے والا جانتا ہے کہ وہ اس تاویل کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں، اسی لیے ان کے ائمہ نے بداء کے خوف کی وجہ سے غیب کی خبریں دینے سے

(۱) بحار الانوار جلد ۴ صفحہ ۱۱۹، تفسیر العیاشی جلد ۲ صفحہ ۲۱۷، البرہان جلد ۲ صفحہ ۲۹۹۔

(۲) دیکھیے: تفسیر العیاشی جلد ۲ صفحہ ۲۱۸، الغیبۃ از طوسی صفحہ ۲۶۳، بحار الانوار جلد ۴ صفحہ ۲۱۴۔

معذرت کر لی۔ انہوں نے اللہ کے نبی لوط کی طرف منسوب کیا کہ وہ فرشتوں کو اپنی قوم پر عذاب نازل کرنے پر اکسا رہے تھے اس ڈر سے کہ کہیں اللہ پر کوئی نئ بات ظاہر نہ ہو جائے، ان کا فرمان ہے: ''تم انہیں اسی وقت پکڑ لو کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے رب پر ان کے بارے میں کوئی نئ بات ظاہر نہ ہو جائے!تو فرشتوں نے کہا: اے لوط! بے شک ان کا مقررہ وقت صبح کا ہے، کیا صبح قریب نہیں ہے؟'' (۱) کیا اس حسي ''گمراہی'' میں۔ تاویل کی کوئی گنجائش ہے؟

''الکافی'' میں ابو الحسن کا یہ قول منقول ہے: ''اے ابو ہاشم! اللہ پر ابو جعفر کے بعد ابو محمد کے بارے میں وہ بات ظاہر ہوئی (یعنی بداء) جو اسے پہلے نہیں پتہ تھی، جیسا کہ اسماعیل کے بعد موسیٰ کے بارے میں اس پر وہ بات ظاہر ہوئی جس سے ان کا حال واضح ہو گیا، اور یہ وہی بات ہے جو تمہارے نفس نے تمہیں بتائی تھی اگرچہ باطل پرست اسے ناپسند کریں۔''(۲)

◉ آٹھواں مبحث : طینہ (مٹی):

شیعہ کے اس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ شیعہ سے جو بھی بڑی غلطی سرزد

---

(۱) فروع الکافی جلد ۵ صفحہ ۵۴۶۔

(۲) اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۳۲۷۔

ہوگی اس کا گناہ اہل سنت پر ہوگااور اہل سنت جو بھی نیک عمل کریں گے اس کااجرو ثواب شیعہ کو ملے گا ! شاید اکثر شیعی علماء اس بات کو اپنی عوام سے چھپاتے ہیں۔

- **عقیدۂ طینت تائید اور انکار کے درمیان:**

یہ نظریہ مرتضیٰ اور ابن ادریس جیسے بعض متقدمین شیعہ کے ہاں مقام انکار تھا،کیونکہ ان کی نظر میں اگرچہ اس کی خبریں شیعی کتب میں تواتر سے موجود ہیں، مگر یہ محض اخبارِ آحاد ہی ہیں جو قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف ہیں، لہٰذا ان کا رد کرنا واجب ہے۔(۱) مگر یہ روایات وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتی چلی گئیں، یہاں تک کہ ان کے شیخ نعمۃاللہ جزائری نے کہا: ”بے شک ہمارے ساتھیوں نے ان خبروں کو الاصول اور دیگر کتابوں میں بہت سی سندوں سے روایت کیا ہے لہٰذا صرف ان کے انکار کرنے اور ان پراخبارِ آحاد کا حکم لگانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ، بلکہ یہ روایات مستفیض ومشہور سے بڑھ کر متواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔“(۲) اور انہوں نے یہ بات اپنے ان سابقہ مشائخ کے رد میں کہی جنہوں نے ان کا انکار کیا تھا۔ بظاہر جس نے اس

(۱) الانوار النعمانیہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳۔

(۲) الانوار النعمانیہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳۔

عقیدے کی بنیادیں مستحکم کرنے کا بیڑااٹھایاوہ شیخ کلینی ہیں، جنہوں نے اس کے لیے ''طینۃ المومن والکافر''(۱) کے عنوان سے باب قائم کیا۔ پھر کلینی کے بعد یہ خبریں بڑھتی چلی گئیں یہاں تک کہ ان کے شیخ مجلسی نے اس موضوع پر الطینۃ والمیثاق(۲) (یعنی خاص مٹی اور پختہ عہد)کے عنوان سے ایک باب قائم کیا جس کے تحت۶۷ روایات درج کیں۔

• **عقیدۂ طینہ کی وضاحت:**

اس عقیدے کی سب سے زیادہ تفصیل ابن بابویہ کی ایک روایت میں ہے جو پانچ صفحات پر محیط ہے۔(۳) جس کا خلاصہ یہ ہے: شیعہ کو ایک خاص مٹی سے پیدا کیا گیا اور سنی کو دوسری مٹی سے، اور ایک خاص طریقے سے ان دونوں مٹیوں کے درمیان آمیزش کی گئی،چنانچہ شیعہ میں جو بھی نافرمانیاں اور جرائم پائے جاتے ہیں وہ سنی مٹی کا اثر ہے، اور سنی میں جو بھی نیکی اور دیانتداری پائی جاتی ہے وہ شیعی مٹی کااثر ہے، جب قیامت کا دن ہوگا تو شیعہ کی برائیاں اور مہلک گناہ اہل سنت کے پلڑے میں، اور اہل سنت کی نیکیاں شیعہ کے پلڑے میں رکھ دی جائیں گی۔

(۱) اصول الکافی جلد ۲ صفحہ ۲-۶۔

(۲) بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۲۲۵-۲۷۶۔

(۳) علل الشرائع: ص ۶۰۶-۶۱۰۔

اس عقیدے کی بنیاد پڑنے کا سبب ان سوالات اور شکایات سے بھی اخذ کیا جا سکتا ہے جو ائمہ کے سامنے پیش کی گئیں۔ چنانچہ شیعہ اپنے ہی لوگوں کے مہلک اور کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونے اور ایک دوسرے کے ساتھ بدسلوکی کرنے پر رنج، افسوس اور بے چینی کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں کہ جسے وہ محسوس تو کر رہے ہیں مگر اس کی وجہ نہیں جانتے۔ اس کی وجہ ان کے امام یہ بتاتے ہیں کہ ابتدائی تخلیق کے وقت شیعہ کی طینت (مٹی) پر سنی کی طینت کے اثرات مرتب ہو گئے تھے۔

ابن بابویہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے: ابو اسحاق لیثی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے ابو جعفر محمد بن علی باقر علیہ السلام سے سوال کیا: ''اے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے! مجھے اس صاحبِ بصیرت مومن (یعنی شیعہ) کے بارے میں بتائیے کہ جب وہ معرفت کو پہنچ جائے اور کمال حاصل کر لے، تو کیا وہ زنا کرسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہر گز نہیں، پھر میں نے سوال کیا: کیا وہ شراب پی سکتاہے؟ فرمایا: نہیں، میں نے سوال کیا: کیا وہ ان بڑے گناہوں میں سے کسی گناہ یا بے حیائی کے کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کرسکتا ہے؟انہوں نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا: اے فرزندِ سول! میں آپ کے شیعوں میں ایسے لوگوں کو پاتا ہوں جو شراب بھی پیتے ہیں، رہزنی کرتے ہیں، راستوں

میں خوف پھیلاتے ہیں،زنا کرتے ہیں،قوم لوط کا عمل کرتے ہیں، سود کھاتے ہیں، فحش کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں،نماز، روزہ اور زکوٰۃ میں سستی کرتے ہیں، قطع رحمی کرتے ہیں اور بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں؛ یہ سب کیسے ممکن ہے اور اس کی وجہ کیا ہے؟ توانھوں نے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تمہارے سینے میں اس کے علاوہ بھی کچھ کھٹک رہا ہے؟میں نے جواب دیا: جی ہاں اے رسول اللہ کے لختِ جگر! دوسری بات تو اس سے بھی زیادہ بڑی ہے،پوچھا: وہ کیا ہے اے ابو اسحاق!؟ وہ کہتے ہیں: میں نے جواب دیا: اے فرزند رسول اللہ!میں آپ کے دشمنوں اور ناصبیوں[۱] میں سے ایسے لوگوں کو دیکھتاہوں جو کثرت سے نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں،زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، تسلسل سے حج اور عمرہ کرتے ہیں، جہاد کے بھی حریص ہوتے ہیں اور نیکی و صلہ رحمی کو ترجیح بھی دیتے ہیں،اپنے بھائیوں کے حقوق پورے کرتے ہیں، اپنے مال سے ان کی غم خواری کرتے ہیں، شراب نوشی، زنا، لواطت اور دیگر تمام فحش کاموں سے بچتے ہیں۔ تو یہ کیا ہے؟ اور ایسا کیوں ہے؟ اے ابنِ رسول اللہ!؟ میرے لیے اس کی تشریح کردیں،اس کی دلیل دےدیں اور وضاحت کردیں، کیونکہ اللہ کی قسم! میری پریشانی بڑھ گئی ہے، میری راتیں بے خواب ہو گئی ہیں اور

---

(۱) مراد اہل سنت ہیں۔

میری ہمت جواب دے چکی ہے۔[1]

یہ روایت دراصل بعض سچے اور مخلص شیعوں کو پیش آنے والے ایک خاص احساس کے ازالے کے لیے وارد ہوئی ہے، جو احساس گناہوں سے بھری عملی صورت حال کی وجہ سے پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ ان پریشان کن اور خوفناک حالات کے پیشِ نظر، ان کے دلوں میں اٹھنے والے سوالات اور اعتراضات سے بچنے کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی کہ یہ کہا جائے: شیعوں میں جو گناہ پائے جاتے ہیں وہ اہلِ سنت کی مٹی کی وجہ سے ہیں، اور سنی معاشرے میں جو نیکیاں نظر آتی ہیں وہ شیعہ کی مٹی کا اثر ہے۔

(راوی کہتا ہے) میں نے سوال کیا: میں آپ پر قربان جاؤں، پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو کیا ہوگا؟ انہوں نے مجھ سے کہا: اے اسحاق! کیا اللہ خیر اور شر کو ایک ہی جگہ جمع کر سکتا ہے؟جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان سے ایمان کا اثر نکال کر ہمارے شیعوں کو لوٹا دے گاجبکہ ان(شیعوں)سے برائیوں اور ناصبیت کا اثر نکال کر ہمارے دشمنوں پر لوٹا دے گا اور ہر چیز اپنی پہلی اصل کی طرف لوٹ جائے گی۔ میں نے پوچھا : میں آپ پر قربان جاؤں، کیا ان کی نیکیاں لے کر ہمیں دے دی جائیں گی اور ہماری برائیاں لے کر انہیں دے دی

(۱) علل الشرائع صفحہ ۶۰۶-۶۰۷، بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۲۲۸-۲۲۹۔

جائیں گی؟ فرمایا: ہاں، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔(۱)

- **عقیدۂ طینہ پر تنقیدی نظر:**

پہلی بات: عقیدۂ طینت، اسلام کی اس فطرت کے خلاف ہے جس پر اللہ سبحانہ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَأَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفٗاۚ فِطۡرَتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي فَطَرَ ٱلنَّاسَ عَلَيۡهَاۚ لَا تَبۡدِيلَ لِخَلۡقِ ٱللَّهِۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ ”پس تو ایک طرف کا ہو کر اپنا چہرہ اس دین کے لیے سیدھا رکھ، اللہ کی اس فطرت کے مطابق، جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدائش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں، یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ [الروم: ۳۰]۔

دوسری بات: عقیدہ طینت، ربانی عدل کے خلاف ہے اور مستند صحیح روایات اورعقلِ صریح کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٞ وِزۡرَ أُخۡرَىٰۚ ”نہ کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ اٹھائے گی۔“ [الأنعام: ١٦٤]۔ اور فرمایا: كُلُّ نَفۡسِۭ بِمَا كَسَبَتۡ رَهِينَةٌ ”ہر شخص اس کے بدلے جو اس نے کمایا، گروی رکھا ہوا ہے۔“ [المدثر: ۳۸]۔ اور فرمایا: ٱلۡيَوۡمَ تُجۡزَىٰ كُلُّ

(۱) علل الشرائع صفحہ ۴۹۰-۴۹۱، بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۲۴۷-۲۴۸۔

نَفۡسِۭ بِمَا كَسَبَتۡۚ لَا ظُلۡمَ ٱلۡيَوۡمَۚ ''آج ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا، آج کوئی ظلم نہیں۔'' [غافر: ۱۷]۔

تیسری بات: عقیدہ طینت، بندوں کے افعال کے مسئلے میں خود شیعہ مسلک سے متصادم ہے! کیونکہ طینت کی روایتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے فعل پر مجبور ہے، اور اسے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے افعال طینت کے تقاضے کے مطابق ہوتے ہیں، دوسری طرف بندوں کے افعال میں ان کا مسلک یہ ہے کہ بندہ خود اپنے افعال پیدا کرتا ہے!؟

چوتھی بات: جس طرح عقیدۂ طینت کی روایات میں تذبذب اور تضاد پایا جاتا ہے! پھر کیونکر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ شیعہ — جیسا کہ پچھلی روایتوں میں گزرا — جس نے برا عمل کیا ہو،اور جرم میں انتہا کر دی ہو، اور بکثرت گناہوں اورمہلک افعال کا مرتکب ہو ، وہ حقیقت میں پاکیزہ مٹی (طینت) کے حاملین میں سے ہوگا؟ اور وہ جو نیک عمل کرے وہ ناپاک مٹی والوں میں سے ہوگا؟!

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ یہ نظریہ واضح طور پر باطل ہے، اس کی خرابی کو جاننے کے لیے اس کا محض تصور ہی کافی ہے۔

تیسرا باب

دورِ جدید کی حقیقت

پہلی فصل

عصرِ حاضر کے شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق

◉ پہلا مبحث: مصادرِ تلقی کے ساتھ ان کا تعلق:

معاصر شیعی علما نے علمِ شریعت کے حصول میں انہی قدیم اصولوں پر اعتماد کیا ہے جو ان کی پہلی چار بنیادی کتابوں میں جمع کیے گئے ہیں۔ وہ کتابیں یہ ہیں: ''الکافی''، ''التہذیب''، ''الاستبصار'' اور ''من لا یحضرہ الفقیہ''۔ جیسا کہ ان کے متعدد علماء نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے۔ چنانچہ آغا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب الذریعہ[۱] میں اور محسن الامین نے اعیان الشیعہ[۲] میں اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔[۳] اسی طرح ان کے ایک معاصر

(۱) الذریعہ جلد ۱۷ صفحہ ۲۴۵۔

(۲) اعیان الشیعہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۰۔

(۳) المراجعات: صفحہ ۳۱۱۔ (مراجعہ نمبر ۱۱۰)۔

عالم، آیت عبد الحسین موسوی، ان چاروں کتب (الکافی، التہذیب، الاستبصار اور من لا یحضرہ الفقیہ) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سب متواتر ہیں اور ان کے مضامین کی صحت یقینی ہے۔ مزید یہ کہ ان کے نزدیک الکافی ان تمام میں سے سب سے قدیم، سب سے بہتر اور سب سے زیادہ مستند کتاب ہے۔[۱]

یہ بات اس امر کی واضح دلیل ہے کہ بعد کے شیعہ اپنے اسلاف سے ہرگز مختلف نہیں، کیونکہ سب کے سب ایک ہی سرچشمے سے مستفید ہوتے ہیں اور ایک ہی ماخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں، خصوصاً بنیادی اصولوں کے معاملے میں۔ تاہم یہ معاملہ صرف اسی حد تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔

- ## متأخر شیعی علماء کے علمی مصادر و مراجع ..

ان کے معاصرین علماء نے ان مجموعوں کو بھی دین کے مصادر و مراجع میں شامل کر لیا ہے، جو ان کے متأخرین نے بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں مرتب کیے تھے۔ ان میں سب سے آخری کتاب ان کے شیخ نوری (متوفی ۱۳۲۰ھ) کی کتاب مستدرک الوسائل ہے۔ انہوں نے ان کتابوں کو ''متأخرین کی

(۱) دیکھیے: مقدمہ سفینۃ البحار۔

چار کتابیں" (الکتب الأربعة المتأخرة) کا نام دیا ہے۔

اس بات سے قطع نظر کہ وہ ان روایات پر اعتماد کرتے ہیں جو سابقہ ائمہ کے بارے میں چودہویں صدی میں لکھی گئیں، مستدرک الوسائل کے سوا ان کی اکثر کتابیں دورِ صفوی میں مرتب اور مدوّن ہوئیں۔ اسی بنا پر ان میں غلو اور ایسی ایسی خطرناک باتیں شامل ہو گئیں جو اولین شیعہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں، جیسا کہ بحار الانوار میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود یہ کتابیں موجودہ دور کے شیعی معاشرے میں بنیادی مراجع کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ دور کے لوگوں میں ایک ایسی نمایاں اور خطرناک تبدیلی پیدا ہو رہی ہے، جو انہیں غلو اور انتہا پسندی کی طرف مائل کر رہی ہے۔

اور بات یہیں تک محدود نہیں رہی، بلکہ موجودہ دور کے لوگوں نے درجنوں ایسے مآخذ پر بھی اعتماد کرنا شروع کر دیا ہے جو ان کے پاس اسلاف کی نسبت سے پہنچے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف ان پر بھروسہ کیا بلکہ درجہ اور استدلال کے اعتبار سے بھی انہیں پہلی کتبِ اربعہ کے برابر قرار دے دیا۔ جیسا کہ ان مصادر کے مقدمات میں اس کی صراحت موجود ہے۔ درحقیقت یہ طرزِ عمل صفوی

دور کے شیخ، مجلسی کی پیروی کا نتیجہ ہے، جنہوں نے اپنی کتاب بحار الانوار میں ان مصادر کو اسی درجہ اور مقام پر فائز قرار دیا تھا۔

• اثنا عشری شیعہ کا اسماعیلی مصادر سے استدلال!

اسماعیلی شیعہ جعفر صادق کے بعد والے تمام ائمہ کی امامت کا انکار کرتے ہیں، اور اثنا عشریہ کے نزدیک یہ بات کفر کے مترادف ہے۔ اس کے باوجود یہ ایک قابل توجہ امر ہے کہ اثنا عشری شیعہ اسماعیلی مصادر سے علمی استفادہ کرتے ہیں اور ان سے دین بھی لیتے ہیں ، بلکہ بعض اسماعیلی کتب تو موجودہ دور کے اثنا عشری شیعوں کے ہاں اہم مراجع کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ مثال کے طور پر دعائم الاسلام، جو قاضی نعمان بن محمد بن منصور (متوفی ۳۶۳ھ) کی تصنیف ہے—وہ خود اسماعیلی تھے جیسا کہ خود اثنا عشریہ کے بعض مصادر اس بات کی تائید کرتے ہیں۔(۱) اس کے باوجود اثنا عشریہ کے بڑے علماء ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔(۲)

بعض معاصر اثنا عشری علماء اسماعیلیوں اور اثنا عشریہ کے مابین علمی مصادر کی یکسانیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ فاطمی حکمراں اثنا عشری

---

(۱) معالم العلماء، صفحہ ۱۳۹

(۲) جیسے خمینی اپنی کتاب الحکومۃ الاسلامیہ میں، دیکھئے: صفحہ ۶۷۔

مذہب کے پیروکار نہ تھے، تاہم انہی کے دور میں اس مذہب کو نمایاں تقویت ملی اور اسے ایک مضبوط آغاز ملا، جس کے نتیجے میں اس کا دائرۂ اثر وسیع ہوگیا اور اس کے داعی بھرپور انداز میں سرگرم ہو گئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اثنا عشری اور اسماعیلی کئی پہلوؤں سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن بعض شعائر اور امور میں ان کے درمیان خاصی مماثلت پائی جاتی ہے، خصوصاً علومِ اہلِ بیت کی تدریس، ان میں فقاہت حاصل کرنے اور لوگوں کو اس کی طرف راغب کرنے کے معاملے میں[1] چنانچہ جو شخص اسماعیلی کتب کا مطالعہ کرے، وہ دونوں گروہوں کی متعدد روایات میں واضح ہم آہنگی اور موافقت محسوس کرسکتا ہے۔[2]

• معاصر شیعی علماء کا اپنے اسلاف کی کتابوں میں منقول غلو کو قبول کرنا:

ڈاکٹر علی سالوس نے ایک معاصر شیعی عالم کاظم الکفائی سے رابطہ کیا اور ان سے پوچھا کہ "اصولِ کافی" غلو سے لبریز جن روایات پر مشتمل ہے، ان کے

---

(۱) محمد جواد مغنیہ کی کتاب 'الشیعہ فی المیزان صفحہ ۱۶۳۔

(۲) اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ان کی ایک روایت ہے: " جو ہماری رجعت پر ایمان نہیں لاتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" یہ اسماعیلیوں کی کتابوں میں مروی ہے۔ دیکھئے: 'اربعہ کتب اسماعیلیہ کے مجموعہ مسائل کا صفحہ ۴۹، اسی طرح یہ بات اثنا عشریہ کی کتابوں میں بھی ہے: صفحہ ۴۶

بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جنہیں ہمارے شیخ کلینی نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں ذکر کیا ہے، تو وہ ہمارے نزدیک مصادر کے اعتبار سے قابل اعتماد ہیں... اور''الکافی'' میں مروی ہے کہ ائمہ ان تمام علوم کو جانتے ہیں جو فرشتوں، انبیاء اور رسولوں کو دیے گئے تھے، اور یہ کہ جب وہ کسی چیز کی معرفت کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے بارے میں جان لیتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ کب مریں گے اور وہ اپنی مرضی سے ہی مرتے ہیں، جو ہوچکا اور جو آئندہ ہوگا، اس کا علم ان کے پاس ہے اور ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے،بے شک وہ اللہ کے دوست اور اس کے وہ بندے ہیں جنہوں نے بندگی میں اخلاص دکھایا پھر انہوں نے اپنے ائمہ سے مروی ایک قول ذکر کیا : ''ہمارے بارے میں جو چاہو کہو مگر ہمیں ربوبیت سے مبرّا رکھو۔''(۱)

ائمہ کے بارے میں غلو پر مبنی اصول الکافی کے مضامین ومشمولات پر یہ رائے صرف الکافی تک محدود نہیں، بلکہ خنیزی کی بھی یہی رائے ہے جنہوں نے اہلِ سنت اور امامیہ شیعہ کے درمیان اتحاد کی دعوت دینے والی کتاب لکھی ہے،ان

(۱) کاظم الکفائی کی گفتگو جسے ڈاکٹر علی السالوس نے خود الکفائی کے خط میں شائع کیا ہے۔ دیکھئے: کتاب فقہ الشیعہ، صفحہ ۲۶۵۔

مسائل کے بارے میں ان کا جواب درحقیقت الکفائی کے جواب سے مختلف نہیں ہے۔[1] اگرچہ انہوں نے یہ بات ایسی کتاب میں لکھی ہے جو تقیہ کے انداز میں مرتب کی گئی تھی کیونکہ یہ کتاب ان کے اور اہل سنت کے درمیان ظاہری اتحاد کی دعوت کا ایک منشور ہے، لیکن حقیقت میں یہ اہل سنت کے درمیان دعوتِ تشیع کو عام کرنے کے لیے ہے۔

یہ حقیقت—گزشتہ ابواب میں—ثابت ہو چکی ہے کہ کتاب ''الکافی'' میں اتنا غلو جمع کر دیا گیا ہے جو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا، اور اس کی روایات کو دوبارہ دیکھنے کے بجائے محض اس کے ابواب پر ایک نظر ڈال لیناہی کافی ہے۔

◉ دوسرا مبحث: قدیمی فرقوں کے ساتھ ان کا تعلق:

میں نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ موجودہ دور کے شیعی علماء جب بھی اپنی جماعت، اس کے افراد یا ریاستوں کے بارے میں بات کرتے ہیں، تو وہ تشیع سے وابستہ ہر فرقہ، ہر ریاست اور ہر شخصیت کو اپنے دائرۂ اعتبار میں شامل کر لیتے ہیں—چاہے وہ اسماعیلی ہوں ، باطنی ہوں، دہریہ(زندیق) ہوں یا وہ جسمیت (تشبیہ و تمثیل) کے قائل غالی افراد ہی کیوں نہ ہوں۔

---

(۱) الدعوۃ الاسلامیہ از ابوالحسن الخنیزی ، جلد ا، صفحات ۲۷-۲۸۔

- **اثنا عشری شیعہ دیگر شیعہ فرقوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں..**

مثال کے طور پر، جب وہ شیعی ریاستوں کا ذکر کرتے ہیں تو فاطمی سلطنت کو اپنی ریاستوں میں سرِفہرست شمار کرتے ہیں، حالانکہ وہ اثنا عشری نہیں تھی۔[1] اور جب ان کی شخصیات کی بات آتی ہے، تو آپ کو ان میں گمراہی اور الحاد کے کئی ایسے سرغنے نظر آئیں گے جن کی طرف ایسے مخصوص فرقے منسوب ہیں جو اثنا عشری نہیں ہیں، بلکہ ان کی نسبت بعینہ انہی اشخاص کے ناموں کی طرف ہے۔ اسی لیے آپ مثال کے طور پر دیکھتے ہیں کہ شیعی پیشوا محسن الامین،ہشام بن حکم کے پیروکار ہشامیہ، یونس بن عبد الرحمن قمی کے پیروکار یونسیہ، اور محمد بن نعمان شیطان الطاق کے پیروکار شیطانیہ اور دیگر فرقوں کے بارے میں کہتے ہیں: امامیہ شیعوں کے نزدیک تمام کے تمام قابل اعتماد ہیں! اور پختہ عقیدے والے ہیں، اور وہ سب کے سب امامی اور اثنا عشری ہی ہیں۔[2] بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ ہم دیکھتےہیں اثنا عشریہ ہر اس گروہ کو اپنا بنانے کی کوشش کرتا ہے جو خود کو تشیع سے منسوب کرتے ہوں، چاہے وہ قدیم شیعی کتابوں کے مطابق کفریہ فرقوں میں ہی کیوں

(۱) دیکھیے: الشیعہ فی المیزان، مبحث دول الشیعہ: صفحہ ۱۲۷۔ اور اس کے بعد والے صفحات۔اور دیکھیے: إعیان الشیعہ: جلد۱، صفحہ ۴۴-۴۵۔ اور دیکھیے: دول الشیعہ/ از محمد جواد مغنیہ۔

(۲) إعیان الشیعہ جلد ا، صفحہ ۲۱۔

نہ شامل ہوں۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ وہ بعض ایسے لوگوں کو بھی شرعی جواز دینے کی کوشش کرتے ہیں جو بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک گمراہ ہیں، جیسے نصیریہ۔

مزید یہ کہ عصرِ حاضر کے ایک اثنا عشری عالم، حسن الشیرازی نے ایک رسالہ اس عنوان سے لکھا ہے: (العلویون شیعۃ أھل البیت) یعنی علوی اہلِ بیت کے شیعہ ہیں—اور علوی دراصل نصیریہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس رسالے میں ذکر کرتے ہیں کہ وہ شام اور لبنان میں نصیریوں سے ملے، اور یہ ملاقات ان کے مذہبی پیشوا محمد الشیرازی کے حکم پر ہوئی۔ لکھتے ہیں کہ انہوں نے نصیریوں کو ویسا ہی پایا جیسا وہ پہلے گمان رکھتے تھے: یعنی وہ اہلِ بیت کے مخلص اور سچے شیعہ ہیں، جو اخلاص اور حق کی پابندی میں نمایاں ہیں۔ مزید یہ کہ وہ علی بن ابی طالب سے ولایت کے ذریعے نسبت رکھتے ہیں، جبکہ بعض لوگ ولایت اور نسب دونوں اعتبار سے ان سے تعلق نسبت رکھتے ہیں... یہاں تک کہ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ علوی اور شیعہ ایک ہی مفہوم کے دو نام ہیں، جیسے امامیہ اور جعفریہ ہیں۔ (۱)

(۱) دیکھئے: شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مجموعہ فتاویٰ: جلد ۳۵، صفحہ ۱۴۵ اور اس کے بعد والے صفحات۔

اس پر اثنا عشریہ کے علما میں سے کسی ایک نے بھی اس شیرازی پر نکیر نہیں کی، حالانکہ قدیم شیعی کتابیں نصیریہ کی تکفیر کرتی ہیں اور انہیں اسلام سے خارج فرقہ قرار دیتی ہیں۔(۱) لیکن موجودہ دور کے شیعہ انہیں جعفریہ میں سے ہی سمجھتے ہیں، اگرچہ ان کا نام کوئی دوسرا ہے!

• اثنا عشریہ کا غالی شیعی گروہوں کے وجود سے انکار!

اس زمانے میں شیعہ کے بعض بڑے پیشواؤں کا یہ خیال ہے کہ آج روئے زمین پر غالی فرقوں میں سے کوئی فرقہ موجود نہیں ہے! حالانکہ نصیریہ، دروز اور آغا خانی وغیرہ موجود ہیں،گویا کہ وہ ان پر غالی نہ ہونے کا حکم لگا رہے ہیں۔ محمد حسین آل کاشف الغطا کہتے ہیں: بے شک تمام غالی فرقے مٹ چکے ہیں! اور آج ان میں سے کوئی ایک بھی چنگاڑی بھڑکانے والا نہیں رہا۔(۲)

اور ڈاکٹر سلیمان دنیا رحمہ اللہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: آغا خانیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا وہ حلول کے قائل نہیں ہیں؟ یا کیا وہ اپنے حلولیہ عقیدے کی وجہ سے ملحد نہیں ہیں؟ یا کیا وہ شیعوں کی طرف منسوب

---

(۱) اسے 'بحار الانوار میں دیکھئے: جلد ۲۵، صفحہ ۲۸۵۔

(۲) کتاب اصل الشیعہ و اصولہا، صفحہ ۳۸، اور دیکھئے: دعوۃ التقریب، صفحہ ۷۵۔

نہیں ہیں؟ پھر کیا وہ آج روئے زمین پر موجود نہیں ہیں؟۔[۱] حقیقت یہ ہے کہ بہت سے شیعی فرقوں کے نام تو ناپید ہو چکے ہیں لیکن ان کی آراء اور عقائد اثنا عشریہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

• شیعی کتابوں میں غلو پر مبنی عقائد کی تائید!

جب عصرِ حاضر کے شیعہ خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آٹھوں کتابیں ــــ یعنی قدیم و متأخرہ کتبِ اربعہ اور ان کے ہم پلہ دیگر کتابیں ــــ ہی ان کے حصولِ علم کے بنیادی مصادر ہیں ، تو اس کا صاف مطلب یہی بنتا ہے کہ وہ پوری تاریخ میں پائے جانے والے مختلف شیعی فرقوں کے افکار اور عقائد کو بھی قبول کر رہے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتابیں دراصل ایسے بڑے دریا کی حیثیت رکھتی ہیں جن میں دیگر تمام شیعی فرقوں کے ندی نالے اور معاون نہریں آ کر شامل ہو جاتی ہیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے جس کے بے شمار شواہد موجود ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ان فرقوں کا کوئی بھی ایسا عقیدہ نہیں ہے جس کے لیے اثنا عشریہ کی کتابوں میں کسی نہ کسی درجے میں دلیل یا ان کی تائید نہ ملتی ہو۔

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ عقیدۂ بداء کو ابتدا میں غالی فرقوں نے اختیار کیا

---

(۱) بین السنہ والشیعہ، صفحہ ۳۷۔

تھا[1] اور اسے ''مختاریہ'' کی طرف منسوب کیا[2] لیکن اس کے باوجود — جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا — ان کی معتبر کتاب الکافی میں بداء کے بارے میں ۱۶ احادیث موجود ہیں، اور بحار الانوار میں ''باب البداء والنسخ'' کے تحت ۷۰ سے زائد روایات مروی ہیں۔ چنانچہ ''بداء'' اثنا عشریہ کے عقائد میں شامل ہو گیا، اگرچہ ان کے علماء نے اس گمراہ کن عقیدے کی وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے ہونے والی تکفیر سے بچنے کے لیے تاویلیں اور وضاحتیں پیش کر کے نکلنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

اسی طرح ''رجعت'' کا عقیدہ ہے جسے انہوں نے غالیوں کے عقائد میں سے شمار کیا تھا، مزید شیعی علماء نے خود اعتراف کیا کہ رجعت ابن سبا کے بنیادی عقائد میں سے ہے، اس سب کے باوجود یہ اثنا عشریہ کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔[3]

---

(۱) دیکھیے: الشہرستانی - الملل والنحل، جلد۱، صفحہ ۱۷۳۔

(۲) مختاریہ: مختار بن ابی عبید ثقفی کے پیروکار، ان کے مذہب میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بداء کے قائل تھے۔ الملل والنحل، جلد۱صفحہ ۱۴۷-۱۴۸۔ اور دیکھیے: التعریف بالکیسانیہ۔

(۳) دیکھئے: بابِ رجعت۔

’’ائمہ کو معبود بنانا‘‘ غالی فرقوں جیسے سبئیہ وغیرہ کے عقائد میں سے ہے، مگر اثنا عشریہ کی کتب جیسے ’’الکافی‘‘ اور ’’بحار الانوار‘‘ میں اور احادیث وآثار کی رو سے تفسیر کرنے والی کتب، جیسے ’’تفسیر القمی‘‘ اور ’’تفسیر العیاشی‘‘ میں، اور کتبِ رجال جیسے ’’رجالِ الکشی‘‘ میں ایسی بہت سی عبارتیں موجود ہیں جو ائمہ کو الوہیت کا درجہ دیتی ہیں—جیسا کہ ان میں سے بعض کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے۔

ائمہ سے بھول چوک کی نفی کا مسئلہ غالی رافضیوں کا عقیدہ تھا، جیسا کہ خود ابن بابویہ قمی نے اس کی وضاحت کی ہے اور ایسا کہنے والوں پر لعنت بھیجی ہے، لیکن اب یہ شیعوں کے نزدیک ایک عقیدہ بن چکا ہےاور مجلسی نے ائمہ سے بھول چوک کی نفی پر شیعی علماء کا اجماع نقل کیا ہے مگر اب یہ مذہب کی ضروریات میں شامل ہو چکا ہے!

- **شیعی کتابوں میں مختلف غالی شیعی فرقوں کی آراء کا امتزاج!**

اثنا عشریہ کی کتابوں میں غالی شیعی فرقوں کے عقائد اس انداز سے شامل ہو گئے ہیں کہ وہ ائمہ سے منسوب روایات کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ بعد کے لوگوں نے انہیں بغیر تحقیق کے قبول بھی کر لیا ہے۔ تو کیا یہ تعصب

ہی تھا جس نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ہر شیعہ کی روایت کو قبول کر لیں چاہے اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو اور ان لوگوں کی روایات کو رد کر دیں جنہیں وہ ‹‹عامی›› یعنی اہلِ سنت کہتے ہیں؟ان کے شیخ طوسی نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حدیث کے میدان میں ان کے اکثر راوی فاسد عقائد رکھنے والے فرقوں سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ہمارے بہت سے مصنف ساتھی ایسے ہیں جو فاسد مسالک کی پیروی کرتے ہیں۔[۱] اس کے باوجود انہوں نے اپنی ان کتابوں کو قابلِ اعتماد قرار دیا۔ مزید یہ کہ جو شخص ان کے راویوں کی حالاتِ زندگی کا جائزہ لے... وہ واضح طور پر دیکھ سکتا ہے کہ ان میں واقفی، فطحی[۲] وغیرہ بھی شامل ہیں ۔

موجودہ دور کے بعض شیعہ مفکرین نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اثنا عشری فکر نے قدیم شیعی فرقوں کے مختلف عقائد اور نظریات کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر مصطفی الشیبی کہتے ہیں: ’’ہمیں بات ختم کرنے سے پہلے یہ واضح کر دینا چاہیے کہ وہ تمام شیعی افکار جو پہلے مختلف مخصوص فرقوں سے تعلق رکھتے تھے، آہستہ آہستہ اثنا عشری شیعہ میں شامل ہو گئے پھر انہیں

---

(۱) الفہرست، صفحہ ۲۴-۲۵۔

(۲) دیکھئے: بابِ سنت۔

عقلی دلائل اور دینی نصوص کے ذریعے مضبوط بھی کیا گیا۔"

موجودہ تشیع دراصل مختلف شیعی تحریکوں اور شخصیات کے افکار کا مجموعہ اور نچوڑ ہے۔ یہ سلسلہ عمار سے لے کر حجر بن عدی پھر مختار ثقفی، کیسان، محمد بن حنفیہ اور ابو ہاشم سے ہوتا ہوا بیان بن سمعان تک پہنچتا ہے۔اسی طرح کوفہ کے غالی عناصر، عبد اللہ بن حارث کے ساتھیوں میں پائے جانے والے غالی افراد، زیدیہ اور اسماعیلیہ جیسے مختلف گروہوں کے اثرات بھی اس میں شامل ہوتے گئے۔ بالآخر یہی سلسلہ امامیہ تک پہنچا جو آگے چل کر اثنا عشریہ کی شکل اختیار کر گیا۔ اس پورے عمل میں شیعی متکلمین اور مصنفین نے مختلف افکار و نظریات کو جمع کر کے ایک منظم شکل دینے میں اہم کردار ادا کیا۔(۱)

لہٰذا موجودہ تشیع درحقیقت تمام شیعی رجحانات کا نچوڑ ہے، جس میں مختلف قسم کے غلو کے عناصر بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اثنا عشریہ کی روایات سے سبئی رجحان بھی ہمیں صاف دکھائی ہے۔یہ بات ہر وہ شخص آسانی سے محسوس کر سکتا ہے جو الکافی اور بحار الانوار جیسی کتابوں کے صرف ابواب کے عناوین پر ہی ایک سرسری نظر ڈال لے۔

---

(۱) مصطفیٰ الشیبی کی کتاب الصلہ بین التصوف والتشیع، صفحہ ۲۳۵۔

• مذہب کی تبدیلی اور اس کے ارتقاء کا خطرناک اعتراف

ان کے علمِ رجال کے ماہر اور موجودہ دور کے بڑے علمامیں سے ایک عالم نےنہایت اہم اور چونکا دینے والا اعتراف کیا ہےجس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ مذہب وقت کے ساتھ بدلتا اور ارتقا پذیر ہوتا رہا ہے۔ان کے بیان کے مطابق آج جس شکل میں اثنا عشری مذہب موجود ہے ماضی کے شیعہ اسی کو غلو اور شدت پسندی شمار کرتے تھے۔ مزید یہ کہ آج کے شیعہ جن عقائد کو دین کی بنیادی ضروریات اور ارکان سمجھتے ہیں یہی عقائد سابقہ شیعی علما کے نزدیک غلو بلکہ کفر شمار ہوتے تھے۔

شیخ عبد اللہ مامقانی[1] نے مفضل بن عمر جعفی پر لگائے گئے قدیم شیعی علما کے الزامات کا دفاع کرتے ہوئے ایک اہم بات کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہم بارہا یہ واضح کر چکے ہیں کہ قدیم علما کا کسی شخص پر غلو کا الزام لگانا نہ قابلِ اعتماد ہے اور نہ ہی اس پر بھروسا کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ائمہ کے فضائل کے معمولی درجے کا ذکر بھی غلو شمار ہوتا تھا، جن باتوں کو آج ہم

(۱) عبد اللہ بن محمد حسن المامقانی شیعہ کے بڑے شیوخ میں سے ہیں، نجف میں سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور وہیں سنہ ۱۳۵۱ہجری میں وفات پائی۔ ان کی ایک ”کتاب تنقیح المقال فی عالم الرجال“ ہے جو تین جلدوں میں ہے۔ معجم المؤلفین، جلد ۶ صفحہ ۱۱۶۔

تشیع کے بنیادی عقائد اور ضروریات میں شمار کرتے ہیں وہی چیزیں ان کے نزدیک غلو تھیں۔ مثال کے طور پر شیخ صدوق ائمہ سے سہو (بھول چوک) کی نفی کو غلو قرار دیتے تھے حالانکہ آج یہی عقیدہ مذہب کی بنیادی باتوں میں شامل ہے،اسی طرح ائمہ کے لیے آئندہ پیش آنے والے امور کا علم (یعنی علمِ غیب) ثابت کرنا——خواہ وہ جبرائیل اور نبی کے واسطے سے ہی کیوں نہ ہو——قدیم علما کے نزدیک غلو تھا جبکہ آج اسے بھی مذہب کی ضروریات میں شمار کیا جاتا ہے۔[۱]

• غلو میں آج کے شیعہ سابقہ شیعوں سے بھی آگے بڑھ چکے ہیں...

اس عبارت سے اور اس طرح کی دوسری نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ موجودہ دور کے شیعوں نے صرف اپنے اسلاف کی پیروی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ غلو میں ان سے بھی آگے نکل گئے۔ جبکہ چوتھی صدی میں شیخ صدوق وغیرہ جیسے شیعی علماء کا یہ خیال تھا کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ ائمہ نہیں بھولتے یا یہ کہ ائمہ آنے والے حالات کو جانتے ہیں یا کلینی کی عبارت کے مطابق: وہ سب کچھ جانتے ہیں جو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے، اور ان پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی تو جو شخص ان عقائد اور ان جیسی دیگر باتوں کا اعتقاد رکھتا

(۱) تنقیح المقال، جلد ۳، صفحہ ۲۴۰۔

ہے وہ شیعہ کے سابقہ بڑے علماء کی نظر میں ان غالیوں میں شمار ہوتا ہے جن کی روایتیں ائمہ کے بارے میں قبول نہیں کی جاتیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں وقت کے ساتھ تبدیلی آئی، اور جو عقائد پہلے غلو سمجھے جاتے تھے آج وہی تشیع کی بنیادی ضروریات میں شمار ہونے لگے ہیں، جیسا کہ عبد اللہ مامقانی کے اعتراف سے واضح ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ متقدمین شیعی علما عصرِ حاضر کے شیعہ کو غالی سمجھتے اور ان کے اقوال کو کبھی قابل اعتماد نہ قرار دیتے۔

یہاں خاص طور پر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ان عقائد پر غلو کا حکم خود شیعہ اکابرین نے لگایا تھا، نہ کہ اہلِ سنت کے علما نے۔ مزید یہ کہ یہ رائے چوتھی صدی ہجری کے شیعی علما کی ہے، جبکہ اس وقت بھی تشیع میں خاصی تبدیلی اور ارتقاء آچکا تھا۔ تو پھر اس سے بھی پہلے کےپرانے شیعہ کاموقف کیاہوگا، جن کا تشیع صرف اس بات تک محدود تھا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے؟۔

دوسری فصل

آیت اللہ حضرات کی ریاست وحکومت

ان کی موجودہ ریاست کو پڑھنے اور پرکھنے کے لیے خاص طور پر منتخب کرنے کی دو بنیادی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: اس ریاست نے اپنے قائد کی زبان سے، اور اپنے آئین کے ذریعے، امامی تشیع کے دائرے میں ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریے نے شیعی علما کے درمیان شدید اختلاف پیدا کر دیا۔ کچھ نے اس کی حمایت کی اور کچھ نے مخالفت کی۔ یہ امام مہدی کی طویل غیبوبت اور ان کے ظہور میں تاخیر کے سبب ان کے تمام مناصب اور اختیارات کو مکمل طور پر کسی شیعی فقیہ کی طرف منتقل کرنے کا نظریہ ہے۔ چنانچہ خمینی نے اپنی ریاست کے قیام کے بعد امام مہدی منتظر کے مناصب پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا۔ جیسا کہ اس کی تفصیل اور اس کے آثار پر گفتگو آئندہ سطور میں آئے گی۔

دوسری وجہ: یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہی ریاست موجودہ دور میں اسلام کی نمائندہ ہے۔ اس کے علما کو مسلمانوں کا پیشوا سمجھا جاتا ہے اور اس کے بانی کو مجددین میں شمار کیا جاتا ہے۔مزید یہ کہ بعض اخبارات اور ذرائع ابلاغ نے یہاں تک کہا کہ جو اثرات اور تبدیلیاں ”خمینی تحریک“ نے پیدا کیں، ان کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ تحریک مکمل طور پر ایک اسلامی تحریک ہے۔[1] تیونس کے جریدے ”المعرفہ“ نے خمینی کو خدمتِ اسلام کے لیے شاہ فیصل ایوارڈ حاصل کرنے کے لیے نامزد کیا۔[2] اسی ڈگر پر چلتے ہوئے دوسرے رسائل وجرائد نے بھی یہی کام کیا، جیسے الرائد[3] ، الدعوہ[4]، الرسالہ [5]اور الامان[6] وغیرہ۔ جبکہ یہ تمام رسائل اہل سنت کی طرف ہی منسوب ہیں۔

اہل سنت کی طرف منسوب بعض افراد نے خمینی کے انقلاب کی ستائش کی ہے

---

(۱) رسالہ الاعتصام، شمارہ نمبر ۵، سال ۴۲، ربیع الاول ۱۳۹۹ ہجری۔

(۲) دیکھئے: تیونس کا رسالہ المعرفہ، شمارہ نمبر ۹، سال ۵، ذوالحجہ ۱۳۹۹ ہجری۔

(۳) دیکھئے: رسالہ 'الرائد (جرمنی)، شمارہ ۳۴، ذوالحجہ ۱۳۹۸ ہجری، (صفحات ۲۵-۲۶)۔

(۴) دیکھئے: رسالہ 'الدعوۃ (مصر)، شمارہ ۳۰، مورخہ ۱۳۹۸/۱۲/۱ ہجری، (صفحہ ۸)۔

(۵) دیکھئے: رسالہ 'الرسالہ (لبنان)، شمارہ ۳۱، جمادی الثانی ۱۳۹۹ ہجری۔

(۶) دیکھئے: رسالہ 'الامان (لبنان)، شمارہ ۳۱، مورخہ ۹ شوال ۱۳۹۹ ہجری۔

اور اسے اسلامی حکومت کی درست مثال قرار دیا۔[۱] لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک نہایت سنگین اور خطرناک فتنہ تھا جس کے اثرات آج بھی باقی ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگ حقیقت کو سمجھ کر ہوش میں آ چکے ہیں لیکن ان میں سے بعض اب بھی خمینی شیعوں کی طرف سے پھیلائے جانے والے فتنوں کو محض ''ڈرامہ اور پروپیگنڈا'' سمجھتے ہیں۔[۲]

خمینی حکومت نے انقلاب کے ساتھ ہمدردی رکھنے والی اس جذباتی فضا کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مذہب کو فروغ دیا اور اپنے عقائد کی ترویج کی۔ اسلامی اخبارات اور میڈیا میں چلائی جانے والی پروپیگنڈا مہم نے عام مسلمانوں کے سامنے حقیقت کو چھپانے میں بھی کردار ادا کیا کیونکہ وہ اہلِ تشیع اور اہلِ سنت کے درمیان اختلافات کے اصل سبب سے واقف نہ تھے۔ زیادہ تر لوگوں کے لیے تو محض اس میں اتنی ہی بحث تھی کہ اقتدار کس کا حق ہے: علی رضی اللہ عنہ کا یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا؟ جبکہ آج کے دور میں یہ اختلاف زیادہ

---

(۱) مثلاً: 'الخمینی: اسلامی حل اور متبادل ، تالیف فتحی عبدالعزیز؛ اور 'ایران کے انقلاب کے ساتھ ، جو کہ آخن (جرمنی) کے اسلامی مرکز سے صادر ہونے والی تیسری کتاب ہے نیز محمد عنبر کی کتاب 'اسلامی انقلاب کی طرف۔

(۲) سابقہ مصدر۔

اہمیت نہیں رکھتا۔یوں یہ پورا ماحول فتنہ پھیلانے کے لیے ایک زرخیز میدان ثابت ہوا ... اسی وجہ سے اس حقیقت کو اس کی اصل صورت میں واضح کرنا آج بھی ضروری ہے۔

◉ پہلا مبحث: اس کے بانی کے افکار ونظریات:

خمینی نے اپنی تصانیف «کشف الاسرار »، «تحریر الوسیلہ»، «الحکومۃ الاسلامیہ» اور «مصباح الامامہ والولایہ»، « رسائل التعدد والترجیح والتقیہ» ، «دروس فی الجہاد والرفض» اور «سر الصلاۃ» وغیرہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے ہاں کئی رجحانات پائے جاتے تھے، جن میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

۱- بت پرستی کی طرف جھکاؤ:

خمینی نے اپنی کتاب 'کشف الاسرار' میں یہ عنوان قائم کیا ہے: کیا فوت شدگان سے حاجت طلب کرنا شرک نہیں ہے؟ اس میں انہوں نے یہ بات لکھی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مردوں کے قریب جانا اور ان سے حاجت طلب کرنا شرک ہےکیونکہ نبی یا امام کی وفات کے بعد وہ محض جمادات کی طرح ہو جاتے ہیں اور ان سے نفع یا نقصان کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

تو جواب یہ ہے : شرک دراصل اللہ کے سوا کسی سے اس عقیدے کے ساتھ حاجت طلب کرنا ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود یا رب ہے لیکن یہ عقیدہ رکھے بغیر کسی دوسرے سے حاجت طلب کی جائے تو وہ شرک نہیں ہے، اور اس مفہوم میں زندہ اور مردہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہےاسی لیے اگر کوئی اپنی حاجت پتھر یا مٹی کے ڈھیلے سے طلب کرے تو وہ شرک نہیں ہوگا اگرچہ اس نے ایک لغواوربے فائدہ کام کیا ہے۔

دوسری طرف، ہم انبیاء اور ائمہ کی مقدس روحوں سے مدد حاصل کرتے ہیں جنہیں اللہ نے خاص قدرت عطا فرمائی ہے۔ یقیناً، مضبوط عقلی دلائل اور حتمی شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ موت کے بعد روح کی زندگی باقی رہتی ہے، اور اس دنیا پر روحوں کا مکمل قبضہ ثابت ہے۔(۱)

- پھر انہوں نے اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے فلاسفہ کے اقوال ذکر کیے، اوریہ عبارت درج ذیل باتوں پر مشتمل ہے:

نمبر۱: ان کا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے سوا پتھروں، بتوں اور مزاروں کو پکارنا شرک نہیں ، الا یہ کہ پکارنے والا یہ عقیدہ رکھے کہ وہی معبود اور رب ہیں۔

---

(۱) کتاب کشف الاسرار، صفحہ ۳۰۔

تو یہ ایک باطل قول ہے کیونکہ یہی تو بعینہٖ وہ 'شرکِ اکبر' ہے جسے مٹانے کے لیے اللہ نے رسول بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں،اور یہ ان مشرکین کا شرک ہے جن کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے جہاد کیا۔ چنانچہ یہ بات بالکل پوشیدہ نہیں کہ مشرکین اپنے بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ ہرگز نہیں رکھتے تھے کہ وہی رب ہیں بلکہ وہ وہی کہتے تھے جو اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: مَا نَعۡبُدُهُمۡ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلۡفَىٰٓ ''ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا۔'' [الزمر: ۳] اور اللہ سبحانہ نے فرمایا: وَيَعۡبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنفَعُهُمۡ وَيَقُولُونَ هَٰٓؤُلَآءِ شُفَعَٰٓؤُنَا عِندَ ٱللَّهِۚ قُلۡ أَتُنَبِّـُٔونَ ٱللَّهَ بِمَا لَا يَعۡلَمُ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَلَا فِي ٱلۡأَرۡضِۚ سُبۡحَٰنَهُۥ وَتَعَٰلَىٰ عَمَّا يُشۡرِكُونَ ''اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچاتی ہیں اور نہ انھیں نفع دیتی ہیں اور کہتے ہیں یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔'' [یونس: ۱۸] نیز اللہ سبحانہ نے فرمایا: (قُل لِّمَنِ ٱلۡأَرۡضُ وَمَن فِيهَآ إِن كُنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ٨٤ سَيَقُولُونَ لِلَّهِۚ قُلۡ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ٨٥ قُلۡ مَن رَّبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ ٱلسَّبۡعِ وَرَبُّ ٱلۡعَرۡشِ ٱلۡعَظِيمِ ٨٦ سَيَقُولُونَ لِلَّهِۚ قُلۡ أَفَلَا تَتَّقُونَ ٨٧ قُلۡ مَنۢ بِيَدِهِۦ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيۡءٖ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ إِن كُنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ٨٨ سَيَقُولُونَ لِلَّهِۚ قُلۡ فَأَنَّىٰ تُسۡحَرُونَ) ''کہہ یہ زمین اور اس

میں جو کوئی بھی ہے کس کا ہے، اگر تم جانتے ہو؟.. ضرور کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ کہہ ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ضرور کہیں گے اللہ ہی کے لیے ہے۔ کہہ دے پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟ کہہ کون ہے وہ کہ صرف اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی مکمل بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی، اگر تم جانتے ہو؟ ضرور کہیں گے اللہ کے لیے ہے۔ کہہ پھر تم کہاں سے جادو کیے جاتے ہو؟۔'' [المؤمنون: ٨٤-٨٩] اس سے یہ ثابت ہوا کہ عرب کے مشرکین اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ تنہا اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اس کے باوجود وہ مشرک تھے، جبکہ ان کا شرک وہی تھا جس کی طرف خمینی دعوت دے رہے ہیں۔

نمبر۲: ان کا یہ عقیدہ رکھناکہ مردوں کے پاس نفع اور نقصان پہنچانے کی قدرت ہے اور وہ ان سے مدد طلب کرسکتے ہیں۔ ان کا یہ قول بلاشبہ شرک کا دروازہ کھولتا ہے،کیونکہ مردے تو خود اپنے لیے بھی کسی نقصان یا نفع کا اختیار نہیں رکھتے۔تو کیا اس میں اور قریش کے مشرکین کے شرک میں اسی طرح دیگر امتوں کے مشرکین کے شرک میں کوئی فرق ہے جن کا اکثر شرک اسی

قبیل سے تھا؟(۱) شاید فرق صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے شرک کو 'اسلام' کا نام دیتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ محمدﷺ کا دین ہے۔

نمبر۳: خمینی نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ ارواح نے اس کائنات کا مکمل احاطہ کر رکھا ہے اور پھر اسے ثابت کرنے کے لیے فلسفے اور منطق کے پیچیدہ دلائل میں غوطہ لگایا۔حالانکہ اس جہاں کا احاطہ صرف اللہ وحدہ نے ہی کر رکھا ہے۔ جیساکہ ارشادِ باری تعالی ہے: وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٖ مُّحِيطا ''اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔'' [النساء: ۱۲۶] اورروح ایک مخلوق ہے، جس کی تدبیر اللہ نے فرمائی ہے۔ جسم سے جدا ہونے کے بعد وہ یا تو نعمتوں میں رہتی ہے یا عذاب میں، اور کائنات کا احاطہ کرنے کے معاملے میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

- **ستاروں اور دنوں کا انسانی سرگرمیوں پر اثر رکھنے کے بارے میں ان کا عقیدہ:**

خمینی کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر مہینے میں کچھ منحوس دن ہوتے ہیں جن میں شیعہ کو ہر قسم کے کام سے رک جانا چاہیےاور چاند کا بعض برجوں میں منتقل

(۱) دیکھئے: شرح الطحاویہ، صفحہ ۲۰۔

ہونا انسانی کاموں پر منفی اثر ڈالتا ہے۔ لہذا شیعی شخص کو چاہیے کہ وہ کسی خاص منصوبے کو شروع کرنے سے باز رہے یہاں تک کہ چاند اس خاص برج سے گزر جائے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو شخص دنوں اور ستاروں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ خوش قسمتی کھینچ لانے یا نقصان کرنے میں یا نقصان کو روکنے میں اثر رکھتے ہیں، تو اس نے ستاروں کے بارے میں اپنے عقیدے میں بے دین اور ملحد لوگوں کی موافقت کی۔

خمینی کے اس عقیدے کی گواہی تحریر الوسیلہ میں بھی ملتی ہے، جہاں وہ لکھتے ہیں: ''اس وقت نکاح منعقد کرنا مکروہ ہے جب چاند برجِ عقرب میں ہو، مہینے کی تاریک راتوں میں ہو اور مہینے کے ان منحوس دنوں میں سے کسی ایک پر ہو جو کہ سات ہیں: ۳، ۵، ۱۳، ۱۶، ۲۱، ۲۴، اور ۲۵ تاریخ۔ یہ اصول ہر مہینے پر لاگو ہوتا ہے۔''(۱)

(۱) تحریر الوسیلہ، جلد ۲، صفحہ ۲۳۸۔

• خمینی کے نزدیک شرک کی حقیقت:

وہ کون سا معاملہ ہے جو خمینی کی نظر میں شرک ہے؟خمینی کہتے ہیں: ”بہت سی ایسی عبارتیں موجود ہیں جو ہر غیر اسلامی نظام کو شرک قرار دیتی ہیں اور اس کے حاکم یا سلطان کو ”طاغوت“ کہتی ہیں، اور ہم اپنے مسلمان معاشرے سے شرک کے نشانات مٹانے اور انہیں اپنی زندگیوں سے مکمل طور پر دور کرنے کے ذمہ دار ہیں۔“[۱] اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ خمینی کے نزدیک شرک کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کے ممالک پر اہلِ سنت میں سے کوئی حکمرانی کرے۔ اس کے مطابق، ایسے حکمران مشرک ہیں اور ان کے زیرِ اثر لوگ بھی مشرک قرار پاتے ہیں۔ یوں خمینی کے دین کی بنیاد دراصل ”ولایت“ ہے توحید نہیں ہے۔

(۱) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحات ۳۳-۳۴۔اور دیکھئے: توحیدِ الوہیت میں ان کا اعتقاد اور اس رسالے کے اگلے صفحات۔

۲. حلول اور اتحاد کا قول:

خمینی کے ہاں تصوف میں غلو کی عکاسی کا سب سے واضح مظہر اس کی کتاب ''مصباح الہدایہ الی الخلافہ والولایہ'' اور اسی ''طرح سر الصلاۃ'' میں دکھائی دیتا ہے۔ ذیل میں ان کے بعض غالی صوفیانہ رجحانات کا بیان ہے:

الف- خاص حلول کے بارے میں ان کا قول:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں: ان کے خلیفہ ہیں (یعنی رسول اللہ ﷺ کے) ظاہری وباطنی جہانوں میں ان کے قائم مقام ہیں، جبروت و لاہوت میں اپنی حقیقت کے ساتھ ان سے متحد ہیں۔وہ شجرِ طوبیٰ کی اصل اور سدرۃ المنتہیٰ کی حقیقت ہیں، مقامِ 'أو أدنیٰ' میں رفیقِ اعلیٰ ہیں، روحانیوں کے معلم ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین کی تائید کرنے والے امیر المومنین علی ہیں۔(۱)

چنانچہ دیکھیے : ان کے اس قول : ''لاہوت کے ساتھ متحد'' کو آپ عیسائیوں کے ہاں لاہوت کو ناسوت کے ساتھ متحد کے عقیدہ کی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اس سے قبل بھی بعض شیعی غالیوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ علی بن ابی طالب میں حلول کر گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں

---

(۱) مصباح الہدایہ، صفحہ ۱۔

کہا: يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ يُفَصِّلُ ٱلْآيَٰتِ لَعَلَّكُم بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ "وہ ہر کام کا انتظام کرتا ہے، وہ اپنی نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب سے ملاقات کا یقین کر لو۔" [الرعد: ۲] "تمہارے رب سے مراد امام ہے۔"(۱)

ب- مکمل حلول اور کلی اتحاد کے بارے میں ان کا قول:

مزید برآں خمینی نے جزوی حلول، یا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ 'خاص حلول' کے قول کا مرحلہ پار کر کے 'عام حلول' کا قول اختیار کیا۔ چنانچہ وہ—— اپنے تصور کے مطابق توحید اور اس کے مقامات پر گفتگو کرنے کے بعد——کہتے ہیں: "تمام مقامات اور توحیدات کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی فعل اور صفت کو نہ دیکھا جائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی (کسی فعل و صفت کا مشاہدہ نہ ہو)، اور کثرت کی کلی طور پر نفی ہو، اور صرف خالص وحدت کا مشاہدہ ہو..۔(۲)

ایسا لگتا ہے کہ خمینی کا یہ کہنا کہ "اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی فعل اور صفت دکھائی نہ دے" دراصل عقیدۂ اتحاد (وحدتِ مطلقہ) پر زور دینے کے لیے ہےکیونکہ کسی الگ فعل کو دیکھنا یا اللہ کے لیے کسی مخصوص صفت کو ثابت

(۱) مصباح الہدایہ، صفحہ ۱۴۵۔
(۲) مصباح الہدایہ: صفحہ ۱۳۴۔

کرنا ان کے نزدیک اللہ میں 'غیریت' اور کثرت کو ظاہر کرنا ہے، اور یہی چیز ان کے ہاں شرک کے زمرے میں آتی ہے۔پھر وہ اپنے ائمہ میں سے ایک امام کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''اللہ کے ساتھ ہماری (مختلف) حالتیں ہیں: (کبھی) وہ، وہ ہے، اور ہم، ہم ہیں، اور (کبھی) وہ، ہم ہیں، اور ہم، وہ ہیں۔''[۱] پھر وہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: اہل معرفت کے کلمات، بطور خاص شیخ کبیر محی الدین کے، ایسی باتوں سے بھرے پڑے ہیں، جیسے ان کا قول: ''اللہ ہی مخلوق ہے، اور مخلوق ہی اللہ ہےاور اللہ ہے اور مخلوق مخلوق ہے۔''[۲] اور کہا کہ :نہ کوئی ظہور ہے اور نہ ہی کوئی وجود سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ۔ اور آزاد لوگوں کے نزدیک یہ پوری دنیا محض خیال در خیال ہے۔[۳]

۳. رافضیت میں غلو:

خمینی غالی اور شدت پسند مسلک کے حامل ہیں اور یہی غالی رافضیوں کامسلک ہے۔[٤] اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ائمہ کو اللہ کے ابناء اور رسولوں پر فضیلت

(۱) مصباح الہدایہ: صفحہ ۱۱۴۔

(۲) مصباح الہدایہ: صفحہ ۱۱۴۔

(۳) مصباح الہدایہ: صفحہ ۱۲۳۔

(۴) رافضیت سے اس کے شغف کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کا عنوان یہ رکھا ہے: (دروس فی الجہاد والرفض)۔

دینے کے لیے غالیوں کے مقولوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ "جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں: بے شک ہمارے مذہب کی ضروریات میں شامل ہے کہ ہمارے ائمہ کا وہ مقام ہے جس تک نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی بھیجا ہوا نبی۔" اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ "اللہ کے ساتھ ہماری ایسی حالتیں ہیں جن کی استطاعت نہ تو کوئی مقرب فرشتہ رکھتا ہے اور نہ کوئی بھیجا گیا نبی۔"[۱] اور یہی غالی رافضیوں کا مذہب ہے! آپ دیکھ سکتے ہیں کہ خمینی اس عقیدے کو تمام معاصر شیعی علما کے عقائد سے جوڑتے ہیں اور اسے مذہب کے ضروری عقائد میں شمار کرتے ہیں۔ اس بنا پر، ائمۂ اسلام کے حکم کے مطابق، وہ غالی رافضیوں میں شامل ہیں۔ مزید یہ کہ اپنے ائمہ کے بارے میں خمینی کا نظریہ بھی چوتھی صدی ہجری کے شیعی اکابرین کے معیار کے مطابق غلو پر مبنی ہے کیونکہ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ائمہ کے حق میں نسیان اور بھول چوک کا صدورس ممکن نہیں ہے۔[۲]

یہ عقیدہ خود ان کے شیخ ابن بابویہ، جو «رئیس المحدثین» کے لقب سے معروف ہیں، کے نزدیک ائمہ کے بارے میں غالیوں اور مفوضہ کا مذہب شمار

(۱) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحہ ۵۲۔

(۲) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحہ ۹۱۔

ہوتا ہے لہذا وہ ابن بابویہ وغیرہ کی نظر میں لعنت کے مستحق ہیں جیساکہ انہوں نے کہا: ''بے شک غالی اور مفوضہ ـــــ اللہ ان پر لعنت کرے ـــــ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھول چوک کا انکار کرتے ہیں۔''[۱] اور انہوں نے اپنے استاد محمد بن حسن بن ولید سے نقل کیا ہے کہ وہ نبی اور امام سے سہو کی نفی کرنے کو غلو شمار کرتے تھے۔[۲] مزید انہوں نے اپنی کتاب ''الاعتقادات''میں ان غالیوں اور مفوضہ سے متعلق یہ حکم صادر کیا ہے: غالیوں اور مفوضہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ جل شانہ کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں، اور وہ یہودیوں، عیسائیوں اور آتش پرستوں سے بھی بدتر ہیں۔[۳]

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۳۴۔

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۳۴۔

(۳) الاعتقادات، صفحہ ۱۰۹۔

۴. خمینی کے بعض عقائد:

خمینی اپنے دیگر عقائد میں اثنا عشریہ کے غلو پر مبنی عقائد سے الگ نہیں ہیں، جن پر پہلے کئی صفحات میں گفتگو کی جا چکی ہے۔یہ چیز ان کی صحابۂ کرام[۱] اور عموما اہل سنت کی تکفیر میں واضح ہے ۔ یہاں تک کہ وہ انہیں ناصبی کے لقب سے پکارتے ہیں—سوائے ان کے جنہیں وہ مستضعفین (کمزور) کا نام دیتے ہیں— بلکہ خمینی اس معاملے میں اپنے گروہ کی آراء میں سب سے زیادہ انتہا پسندی اختیار کرتے ہیں، اور ان کے نزدیک دشمن کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا واجب ہے جیسے جنگ میں کافر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے: زیادہ قوی قول یہ ہے کہ ناصبی کا حکم اہلِ حرب کے حکم کی مانند ہے؛ لٰہذا اس کا مال بطورِ غنیمت لینا جائز ہے، اور اس مال میں خمس بھی واجب ہوگا بلکہ یہ واضح ہے کہ اس کا مال جہاں بھی ملے اور جیسے بھی ملے، اسے لینا جائز

(۱) حتیٰ کہ وہ اپنی کتاب 'تحریر الوسیلہ میں نماز کے دوران ائمہ کے دشمنوں سے برات کی مشروعیت ثابت کرتے ہیں اور ان کے نزدیک سوائے تین یا سات کے تمام صحابہ کرام ائمہ کے دشمن ہیں۔ (تحریر الوسیلہ: ۱/۱۶۹)؛ اپنی کتاب 'کشف الاسرار میں شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تکفیر کی صراحت کرتے ہیں۔ دیکھئے: کشف الاسرار (صفحہ ۱۱۲ اور اس کے بعد)؛ نیز دیکھئے: ندوی کی کتاب 'صورتان متضادتان صفحات ۵۷-۵۸، اور محمد منظور نعمانی کی 'الثورۃ الایرانیہ فی میزان الاسلام صفحہ ۴۸ اور اس کے بعد والے صفحات۔

ہے، اور اس کا خمس نکالنا ضروری ہے ۔[۱] خمینی ناصبی سے مراد اہلِ سنت اور ان کے ساتھ موافقت رکھنے والوں کو لیتے ہیں، جنہیں وہ زیدی شیعہ قرار دیتے ہیں، البتہ جارودیہ کو اس سے مستثنیٰ رکھتے ہیں، ان کے نزدیک صرف خوارج ہی ناصبی نہیں ہیں، جنہیں اہل سنت کے نزدیک علی بن ابی طالب کی تکفیر پر اجماع کی وجہ سے ناصبی کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ خارجیوں کو ناصبیوں سے الگ ایک قسم کے طور پر بیان کرتے ہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں:اور رہے ناصبی اور خارجی——اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے——تو یہ دونوں ناپاک ہیں۔ [۲]

قرآن سے متعلق ان کے عقیدے کے حوالے سے خمینی اس افسانے کی تصدیق کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک قرآن موجود تھا جسے انہوں نے صحابہ کے سامنے پیش کیا، لیکن صحابہ نے اسے مسترد کر دیا۔ اس قرآن میں وہ اضافے شامل تھے جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں۔چنانچہ وہ کہتے ہیں: شاید وہ قرآن جو علی نے جمع کیا تھا اور جسے وہ رسول اللہ[۳] کے بعد لوگوں

---

(۱) تحریر الوسیلہ: جلد ۱، صفحہ ۳۵۲ ، اور دیکھئے: 'وجاء دور المجوس، صفحہ ۱۸۶۔

(۲) تحریر الوسیلہ : جلد ۱، صفحہ ۱۱۸۔

(۳) عبارت میں اسی طرح (صرف 'رسول اللہ کا لفظ) ہے، ان پر درود و سلام ﷺ کے ذکر کے بغیر۔

تک پہنچانا چاہتے تھے ۔ وہی قرآنِ کریم ہے جس میں وہ تمام داخلی خصوصیات درج تھیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے سمجھی تھیں۔ (۱)

میرے سامنے کشف الاسرار کی ترجمہ شدہ عبارت میں خمینی ان لوگوں کو جواب دیتے ہیں جو یہ پوچھتے ہیں کہ قرآن میں ائمہ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ کہتے ہیں: وہ لوگ جن کا اسلام اور قرآن سے تعلق صرف اقتدار اور دنیا کی خاطر تھا، اور وہ قرآن کو اپنے فاسد مقاصد کا ذریعہ بناتے تھے، ان کے لیے یہ ممکن تھا کہ اگر قرآن میں امام کا نام ذکر ہوتا تو وہ اس آسمانی کتاب میں تحریف کر دیتے، اور مسلمانوں کی زندگی پر شرمندگی کا دھبہ لگا دیتے۔(۲) چنانچہ انہوں نے یہاں تحریف کے واقع ہونے کی صراحت تو نہیں کی مگر اشارہ ضرور کیا ہے، لیکن وہ صاف طور پر یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ لوگوں میں سے کسی کے لیے بھی اللہ کی کتاب میں تحریف کرنا ممکن ہے۔ جبکہ یہ اللہ سبحانہ کے اس فرمان کی تکذیب ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ''بے شک ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' [الحجر: ۹] اس متعصبانہ ذہنیت کو دیکھئے، جس کا یہ دعوی ہے کہ اللہ سبحانہ نے صرف صحابہ کی طرف

(۱) رسالہ 'التعادل والترجیح : صفحہ ۲۶، خمینی کے رسائل کی دوسری جلد کے ضمن میں۔

(۲) کشف الاسرار، صفحہ ۱۱۴۔

سے تحریف کے ڈر سے اپنی کتاب میں اس چیز کو ذکر ہی نہیں کیا -جوان کے عقیدے کے مطابق-دین کی بنیاد اور اس کی مضبوط اساس ہے۔

اسی طرح خمینی نظریۂ غیبوبت کے قائل ہیں اور امام کی واپسی (رجعت) کے دعویدار ہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں: تمام انبیاء دنیا میں عدل کی بنیادیں قائم کرنے کے لیے آئے تھے لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے،یہاں تک کہ خاتم الانبیاء نبی محمد ﷺ جو انسانیت کی اصلاح کے لیے آئے تھے۔ وہ بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکے، اور جو شخصیت اس میں کامیاب ہوگی وہ مہدی منتظر ہیں۔[۱]

لیکن مسلمانوں نے اس کی سخت مذمت کی، اور رابطہ عالمِ اسلامی نے ایک بیان جاری کیا جس میں اس مقالہ کی مذمت کی گئی اور یہ واضح کیا گیا کہ یہ اسلام، قرآن و سنت کی تعلیمات اور امت کے متفقہ عقیدے کے صریح متصادم ہے۔[۲] اسی طرح کئی دیگر اداروں کی طرف سے بھی اس کی مذمت کی گئی۔[۳]

---

(۱) خمینی کے ایک خطاب سے ماخوذ جو انہوں نے ۱۵ شعبان ۱۴۰۰ ہجری کو امام مہدی کے یومِ پیدائش کی مناسبت سے دیا، اور اسے ریڈیو تہران سے نشر کیا گیا۔

(۲) دیکھئے: اخبار 'المدینہ' (۴ رمضان ۱۴۰۰ ھ) اور اخبار 'عالمِ اسلامی' (۹ رمضان ۱۴۰۰ ھ) میں مذمتی بیانات؛ نیز کویت کا رسالہ 'المجتمع'، شمارہ ۴۸۸، مورخہ ۸ جولائی ۱۹۸۰۔

(۳) مراکش کے علماء نے اس بارے میں ایک بیان جاری کیا جو رسالہ 'دعوٰی الحق'، چوتھے شمارے (شعبان-رمضان ۱۴۰۰ ھ) میں شائع ہوا۔

پاکستان میں جماعتِ اسلامی کے رسالے نے خمینی کا خطاب شائع کیا اور اس پر یہ تبصرہ کیا: یہ اسلام اور تاریخ اسلام کی نفی ہے، اور ایسی بات ہے جسے دوست بھی برداشت نہیں کر سکتے۔(۱)

پھر خمینی نے معترضین کو جواب دیتے ہوئے ایک بیان جاری کیا، مگر ان کے جواب میں اس ''قابل انکار بات'' کی تاکید کے سوا کچھ نہ تھا، چنانچہ انہوں نے کہا: اور ہم کہتے ہیں کہ انبیاء اپنے مقاصد کو لاگو کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور بے شک اللہ آخری زمانے میں ایک ایسا شخص مبعوث کرے گا جو انبیاء کے احکامات کو لاگو کرے گا، پھر وہ معترضین پر یہ الزام لگاتے ہوئے ان کی مذمت کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔(۲)

- **ایک شبہ اور اس کا ازالہ:**

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمینی تقیہ کے بارے میں اپنے بعض عقائد سے دستبردار ہو چکے ہیں، اور انہوں نے اپنے پیروکاروں کو اہل سنت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، جو کہ بظاہر میانہ روی شمار کیا جاتا ہے۔

(۱) ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۰۴ ہجری کو جاری ہونے والا شمارہ، دیکھئے: نہج خمینی فی میزان الفکر الاسلامی، ص ۵۲۔

(۲) خمینی کی کتاب: مسئلۂ مہدی منتظر مع رسالہ اخری، صفحہ ۲۲۔

اس کا جواب ان کے رسالے ''التعادل والترجیح'' اور ''التقیہ'' میں موجود ہے جس کے لیے اتنا جان لینا ہی کافی ہے :ان کا عقیدہ ہے کہ شیعہ کے دین کی بنیاد اہل سنت کی مخالفت پر ہےاور روایات کے اختلاف کی صورت میں یہ چیز ان کے نزدیک ترجیح دینے والے عوامل میں سے ہے۔ چنانچہ خمینی کہتے ہیں:ان ائمہ کی وہ روایات جو عوام (اہلِ سنت) کے خلاف عمل کرنے کا حکم دیتی ہیں' وہ ترجیح کے اصولوں میں سے ہیں جیسے کہ ان کا قول ہے: ''جو عوام کے مخالف ہو اس میں ہدایت ہے۔'' اور ان کا یہ قول: ''جو چیز اس قوم (اہل سنت) کے موافق ہو اسے چھوڑ دو، کیونکہ ہدایت ان کی مخالفت میں ہے۔'' ، ان کے ذریعے ترجیح محض تعبدی نہیں ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ ''ان کی مخالفت حق تک پہنچنے کا راستہ ہے، اور ہدایت ان کی مخالفت میں ہے۔''(۱) تو دیکھیے کہ خمینی اہل سنت کی مخالفت کو اپنے یہاں ترجیح کے اصولوں میں سے شمار کررہے ہیں۔

رہی بات اپنے گروہ کو اہل سنت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دینے کی، تو وہ تقیہ کے قبیل سے ہے، اور اسی بات کی تفصیل انہوں نے اپنے رسالے ''التقیہ'' میں بیان کی ہے،چنانچہ اس میں انہوں نے لکھا ہے:ایسی خاص روایات

(۱) دیکھئے: رسالہ 'التعادل والترجیح ، صفحہ ۷۱۔

وارد ہوئی ہیں جو لوگوں یعنی ''اہل سنت'' کے ساتھ نماز کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہیں، اور ان کی مسجدوں میں حاضر ہونے، ان کی اقتداء کرنے اور اسے شمار کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

جیسے حماد بن عثمان کی ابو عبداللہ سے روایت کردہ صحیح حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا: جس نے ان کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی، وہ ایسے ہے جیسے اس نے رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھی،اور خمینی نے اس پر یہ لکھا: اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے ساتھ ــــیعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھــــ نماز پڑھنا صحیح ہے اور بہت زیادہ فضیلت والی عبادت ہے؛ تو یہ ان کے ساتھ نماز حالتِ تقیہ میں ہے۔(۱) پھر کہتے ہیں اور سماعہ کی موثق ومعتبر روایت ہے، وہ کہتے ہیں : میں نے ان سے ان کے ساتھ نکاح کرنے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا؟ تو انہوں نے کہا: یہ ایک سخت معاملہ ہے، تم اس کی طاقت نہ رکھ سکو گے؛ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرایا تھا اور علی نے ان کے پیچھے نماز پڑھی تھی۔(۲) پھر انہوں نے اس طرف اشارہ کیا کہ تقیہ کی یہ قسم ضرورت کے ساتھ جڑی ہوئی نہیں ہے، بلکہ یہ اہلِ سنت کے ساتھ برتاؤ

---

(۱) رسالہ ' التقیہ'، صفحہ ۱۰۸ (خمینی کے رسائل کی دوسری جلد کے ضمن میں)۔

(۲) رسالۃ التقیہ، صفحہ ۱۹۸۔

کے لیے مخصوص ہے،کیونکہ ان کا خیال ہے کہ تقیہ مجبوری کے طور پر خوف کی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی رواداری کے قبیل سے بھی ہوتا ہے، اور وہ اس وقت ان کے نزدیک بہترین اعمال میں ہوتا ہے۔ پہلی حالت میں تو معاملہ واضح ہے، لیکن دوسری حالت کی وضاحت وہ اپنے اس فرمان سے کرتے ہیں: رہا پسندیدہ خوش اخلاقی کے لیے تقیہ—جیسے—ان کے ساتھ عبادت کرنا تمام عبادتوں سے زیادہ محبوب اور افضل ہے، تو بظاہر یہی ہے کہ یہ ”عامہ“ سے تقیہ کرنے کے ساتھ مخصوص ہے،جیسا کہ اکثر روایات اسی پر دلالت کرتی ہیں۔[۱] چنانچہ اہل سنت کے ساتھ تقیہ کرنا بہترین اعمال میں سے ہےاور یہ ان کے ہاں مطلق طور پر مشروع ہے۔پھر خمینی اس کے بعد تقیہ کی تیسری قسم کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو کہ اسے نمایاں کرنے کی بجائے چھپانا ہے، جیسا کہ وہ کہتے ہیں: ان کی اپنی تعبیر کے مطابق یہ مذہب کو فاش کرنے اور اہل بیت کے راز کو ظاہر کرنے سے بچانے کے معنی میں ہے۔[۲]

اسی لیے جس نے خمینی کے بارے میں اچھا گمان رکھا، اور یہ کہا کہ وہ تقیہ اور دھوکہ دہی سے دستبردار ہو چکے ہیں، اس پر یہ بات پوشیدہ رہی کہ ان کے

---

(۱) رسالۃ التقیہ، صفحہ ۲۰۰۔

(۲) رسالۃ التقیہ، صفحہ ۱۸۴۔

ہاں تقیہ کی کئی اقسام ہیں اور اہل سنت کے ساتھ تقیہ ان کے نزدیک بہترین اعمال میں سے ہےاور یہ ضرورت کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔

آخر میں آپ کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ خمینی خلفائے راشدین کے دور کو تقیہ کا دور شمار کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ کے بعد سے امیر المومنین کی خلافت کے زمانے تک اور ان کے بعد سے غیبوبت کے زمانے تک ائمہ اور ان کے شیعہ دو سو سال سے زائد عرصہ تقیہ کی آزمائش میں مبتلا رہے۔“[۱]

۵. فقیہ کی عمومی ولایت سے متعلق ان کا نظریہ:

اثنا عشریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مسلمانوں پر عمومی حکمرانی ان مخصوص افراد کے ساتھ وابستہ ہے جن کے نام اور تعداد متعین ہےاور یقیناً اللہ نے انہیں اسی طرح منتخب فرمایا ہے جیسے وہ اپنے انبیاء کو منتخب فرماتا ہے۔[۲] ان ائمہ کا حکم اللہ کے حکم کی طرح ہے، ان کی عصمت اللہ کے رسولوں کی عصمت کی طرح ہے اور ان کی فضیلت اللہ کے انبیاء کی فضیلت سے بھی بڑھ کر ہے لیکن ان کے عقیدے کے مطابق ان ائمہ میں سے آخری امام سن ۲۶۰ ہجری سے غائب

(۱) رسالۃ التقیہ، صفحہ ۲۹۶۔

(۲) دیکھئے: (اسی کتاب کا) بابِ امامت۔

ہیں،اسی وجہ سے اثنا عشریہ اس بات کو حرام قرار دیتے ہیں کہ کوئی بھی شخص خلافت میں ان کے منصب کو سنبھالے، یہاں تک کہ وہ اپنے چھپنے کی جگہ سے ظاہر ہو جائیں، وہ یہاں تک کہتے ہیں: ہر وہ جھنڈا جو امامِ قائم کے قیام سے پہلے بلند کیا جائے، اس کا اٹھانے والا طاغوت ہے، اگرچہ وہ حق کی طرف ہی کیوں نہ بلاتا ہو۔[1]

- **امامی دستاویز...**

اسی پر پچھلی صدیوں کے شیعہ چلتے رہے ہیں... انہوں نے غائب امام سے ایک امامی فرمان اور دستخط لینے میں کامیابی حاصل کی ــــ ان کے دعویٰ کے مطابق ــــ جو ان کے علما کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ مہدی کے مخصوص اختیارات میں سے بعض کو سنبھال لیں، تمام اختیارات کو نہیں اور اس میں یہ بھی ہے: جو نئے واقعات پیش آئیں ان میں ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو، کیونکہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں۔[2] اس نص کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ وہ انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ پیش آنے والے نئے واقعات کے احکامات جاننے کے لیے اپنے شیوخ کی طرف رجوع

(۱) الکافی: مع شرح مازندرانی، جلد ۱۲، صفحہ ۳۷۱، بحار الانوار: جلد ۲۵، صفحہ ۱۱۳۔

(۲) الکافی مع شرح مرآۃ العقول، جلد ۴، صفحہ ۵۵ (کتاب) اکمال الدین، صفحہ ۴۵۱ الغیبہ از طوسی، صفحہ ۱۷۷، الاحتجاج از طبرسی، صفحہ ۱۶۳، وسائل الشیعہ، جلد ۱۸، صفحہ ۱۰۱۔

کریں، اسی وجہ سے شیعوں کے ہاں یہ رائے پختہ ہو گئی کہ ان کے فقہاء کی ولایت صرف فتویٰ کے مسائل اور اس جیسی دیگر باتوں کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ «توقیعِ منتظر» میں حکم دیا گیا ہے۔

رہی بات ولایتِ عامہ کی جو سیاست اور ریاست کے قیام کو شامل ہے، تو وہ مہدی غائب کی خاصیات میں سے ہے جو کہ ان کی غیبوبت سے واپسی تک موقوف ہے،اسی لیے اس مذہب کے پیروکار اس حال میں زندگی گزارتے رہے کہ وہ مسلمانوں کے خلفاء کو غاصب اور آمر سمجھتے رہے، اور اس بات پر کڑھتے تھے کہ انہوں نے ان کے امام کے اقتدار پر قبضہ کر رکھا ہےاور وہ ہر لمحہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کے ظہور میں جلدی فرمائے تاکہ وہ ان کی ریاست قائم کر سکیں جبکہ وہ موجودہ حکومتوں کے ساتھ تقیہ کے عقیدے کے مطابق معاملہ کرتے ہیں۔

- **امام مہدی کے فرائض شیعی فقیہ کو سپرد کر دیے گئے...**

مہدی کی غیبوبت طویل ہو گئی اور ان کے ظاہر ہوئے بغیر تقریباً بارہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اس عرصے میں شیعہ اپنے عقیدے کے مطابق ایک شرعی ریاست سے محروم رہے ہیں، چنانچہ بعد کے شیعی علماء کے ذہنوں میں یہ خیال

پیدا ہوا کہ مہدی کے فرائض فقیہ کے سپرد کر دیے جائیں۔

خمینی نے اس طرف اشارہ کیا کہ ان کے متاخرین علما، یعنی نراقی[۱] اور نائیئ[۲] اس رائے کے قائل تھے کہ فقیہ کو حکومت، نظم و نسق اور سیاست سمیت وہ تمام اختیارات حاصل ہیں جو امام کے لیے ہوتے ہیں۔[۳] خمینی نے ان لوگوں سے پہلے کسی ایسے شخص کا ذکر نہیں کیا جس نے اس سوچ وفکر کو اجاگر کیا ہو۔ اگر ایسا کوئی ہوتا تو وہ ضرور اس کا حوالہ دیتے کیونکہ وہ اپنے مذہب کے لیے دلائل و جواز تلاش کرتے ہیں ۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ فقیہ کی عمومی ولایت کا یہ عقیدہ تیرہویں صدی ہجری سے پہلے اثناعشریہ کے ہاں موجود نہ تھا۔

- **شیعی ریاست کے قیام کے لیے خمینی کے دلائل:**

چنانچہ خمینی نے اس تصور کو اختیار کر لیا، اور اس نظریے کو باقاعدہ پیش کرنا شروع کردیا۔ انہوں نے شیعہ مذہب کے نفاذ کے لیے امام کے نائب کی سربراہی میں ایک ریاست کے قیام کی ضرورت پر زور دیا۔ اسی سلسلے میں وہ کہتے ہیں: آج دورِ غیبوبت میں کسی معین شخص کے بارے میں کوئی نص

---

(۱) احمد بن محمد بن مہدی نراقی کاشانی (پیدائش: ۱۱۸۵ھ، وفات: ۱۲۴۵ھ)۔

(۲) حسین بن عبد الرحمٰن نجفی نائینی (پیدائش: ۱۲۷۳ھ، وفات: ۱۳۵۵ھ)۔

(۳) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحہ ۷۴۔

موجود نہیں جو ریاست کے امور کو سنبھالے، تو پھر کیا کیا جائے؟ کیا اسلام کے احکام کو معطل کر دیا جائے؟ یا ہم خود اسلام سے دستبردار ہو جائیں؟ یا ہم یہ کہیں کہ اسلام صرف دو صدیوں تک لوگوں پر حکمرانی کرنے آیا تھا تاکہ اس کے بعد انہیں بے سہارا چھوڑ دے؟ یا یہ مان لیا جائے کہ اسلام نے ریاستی نظام کے معاملات کو سرے سے بیان ہی نہیں کیا؟ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ حکومت کے نہ ہونے کا نتیجہ اسلامی سرحدوں کی تباہی اور ان کی پامالی ہے، بلکہ یہ اپنی ہی سرزمین سے دستبرداری کے مترادف ہے۔ کیا ہمارے دین میں اس کی اجازت ہے؟ اور کیا حکومت انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے ایک ضرورت نہیں؟(۱)

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں: ہمارے امام مہدی کی غیبوبت کبریٰ پر ایک ہزار سال سے زائدوقت بیت چکا ہے، اور امام منتظر کی آمد جس مصلحت کا تقاضا کرتی ہے اس سے پہلے ہزاروں سال اور گزر سکتے ہیں،اس طویل عرصے کے دوران کیا اسلام کے احکامات معطل رہیں گے؟ لوگ ان میں جو چاہیں سو کرتے رہیں؟ کیا اس سے افراتفری لازم نہیں آتی؟وہ قوانین جن کا اعلان نبی اسلام ﷺ نے کیا اور ان کی اشاعت، وضاحت اور نفاذ میں تیئیس(۲۳) سال تک

(۱) الحکومۃالاسلامیہ، صفحہ ۴۸۔

جدوجہد کی،کیا وہ سب ایک محدود مدت کے لیے تھا؟کیا اللہ نے شریعت کی حد تقریبا دو سو سال مقرر کی تھی؟ میرے نزدیک اس رائے کو قبول کرنا اس عقیدے سے بھی زیادہ سنگین ہے کہ کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ اسلام منسوخ ہو چکا ہے۔[۱]

پھر وہ کہتے ہیں: ایسی صورت حال میں جو شخص یہ رائے ظاہر کرنے کا قائل ہے کہ اسلامی حکومت کی تشکیل ضروری نہیں ہے، تو ایسا شخص اسلامی احکامات کو نافذ کرنے کی ضرورت کا انکار کر رہا ہے، ان کو معطل اور منجمد کرنے کی دعوت دے رہا ہے، اور نتیجتا وہ اسلامی دین حنیف کی ہمہ گیریت اور ہمیشگی کا انکار کر رہا ہے۔[۲]

چنانچہ ان مذکورہ دلائل کی بنیاد پر خمینی اس بات کے قائل ہیں کہ شیعی فقیہ اور اس کے پیروکاروں کو مہدی کے نائب ہونے کی حیثیت سے اسلامی ممالک میں اقتدار پر قبضہ جمانے کے لیے نکلنا چاہیے۔

---

(۱) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحہ ۲۶۔

(۲) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحات ۲۶-۲۷۔

• خمینی کی رائے ائمہ کی وصیتوں کی صریح مخالف ہے...

خمینی اپنے اس قول کے ذریعے اثنا عشریہ مذہب کے مسلمہ اصولوں سے نکل رہے ہیں، اور اپنے ائمہ کی ان بہت سی وصیتوں کی مخالفت کر رہے ہیں جو امام غائب کے انتظار کی ضرورت اور خروج میں جلدی نہ کرنے کے بارے میں ہیں۔ یہاں تک کہ اس زمانے میں ان کے ایک مرجع، آیت اللہ العظمیٰ اور اعلیٰ مذہبی پیشوا محمد حسینی بغدادی نجفی کا قول ہے وہ کہتے ہیں: ان (ائمہ) سے بکثرت یہ بات مروی ہے کہ اپنے دشمنوں اور "اپنے دور کے بادشاہوں کے خلاف خروج کرنا حرام ہے۔"[1] اس کی وجہ یہ ہے ان کے نزدیک منصبِ امامت صرف اسی کے لیے مناسب ہے جس کے لیے اللہ کی طرف سے نص ہو، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان حکومتوں سے خوش بھی ہوں۔

یہ جوازات جو خمینی نے شیعی ریاست کے قیام کی ضرورت اور اس کی سربراہی میں امام مہدی کی جگہ فقیہ کی نیابت ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں، ان کا رخ کسی اور جانب ہونا چاہیے تھا۔ اگر خمینی اور اس کے حامیوں کی باتوں میں سچائی ہوتی اور وہ واقعی اپنے پیروکاروں کے خیر خواہ ہوتے، تو یہ رخ کچھ یوں ہوتا کہ اس مسلک پر بنیادی طور پر تنقید کی جاتی جس کی اساس ہی

---

(۱) ان کی کتاب وجوب النہضہ لحفظ البیضہ، صفحہ ۹۳۔

غیبوبت اور غائب کے انتظار کے عقیدے پر رکھی گئی ہے کہ بالآخر جس نے انہیں اس انجام تک پہنچا دیا ہے۔

- **خمینی کی رائے درست ہونے کا مطلب شیعہ مذہب کا بطلان ہے!**

بہر حال خمینی کی سابقہ گفتگو ایک اہم اور سنگین گواہی ہے جو شیعہ مذہب کی بنیاد پر کاری ضرب ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ صدیوں میں مہدی کے انتظار کو واجب قرار دینے پر ان کے گروہ کا اجماع، ایک ہزار سال سے زائد عرصے تک شیعی حکومت کے قیام کو حرام سمجھنے پر علماء کا اجماع، اور مخصوص امام پر نص کے متعلق ان کا وہ نظریہ جس کی بنیاد پر اہلِ سنت کے ساتھ طویل نزاع اور تکفیر کا سلسلہ قائم رہا یہ سب ایک فاسد اور گمراہ کن تصور پر مبنی تھا۔تاریخ اور حقائق نے اس کے فساد کو مکمل طور پر ثابت کر دیا ہے، اور اب دیکھو! وہ ''ولایتِ فقیہ کے عمومی ہونے'' کے نظریے کے ذریعے اس کے خلاف بغاوت پر مجبور ہو گئے ہیں، کیونکہ زمانہ دراز ہو گیا ہے اور وہ ان کے ظہور سے مایوس ہو چکے ہیں جسے وہ صاحب الزمان کہتے تھے۔ اس وقت انہوں نے امام کے تمام اختیارات اپنے قبضے میں لے لیے ہیں، اور خمینی نے امام کے تمام فرائض اور ذمہ داریاں خود کے لیے مخصوص کر لیں ہیں!

• خمینی اور ان کی کتاب: الحکومۃ الاسلامیہ!

خمینی نے اپنے گروہ کو اس نظریے پر قائل کرنے کے لیے اپنی کتاب: «الحکومۃ الاسلامیہ» یا «ولایتِ فقیہ» تصنیف کی۔

وہ ریاست کے امور کے لیے ہر کسی کی ولایت کو قبول نہیں کرتے، بلکہ اسے صرف شیعی فقہاء تک مخصوص کرتے ہیں اور حکومت و اقتدار کو انہی تک محدود کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: اگرچہ وقتِ غیبوبت میں امام کے قائم مقام بننے والے کسی مخصوص شخص پر کوئی نص موجود نہیں، تاہم شرعی حاکم کی خصوصیات اس زمانے میں ہمارے اکثر فقہاء میں موجود ہیں۔ اگر وہ اپنے امور میں اتحاد کریں تو وہ ایک ایسی عادلانہ حکومت قائم کرسکتے ہیں جو بے مثال ہو۔ (۱)

میں (یعنی مصنف) کہتا ہوں: اگر شیعی فقہاء کی حکومت عدل و انصاف میں بے مثال ہے—جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں—تو پھر انہیں منتظر کے ظہور کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ شیعہ کی ولایتِ فقیہ رسول اللہ ﷺ کی ولایت جیسی ہے۔ اوروہ کہتے ہیں: اللہ نے رسول کو تمام مومنوں کا ولی بنایا۔ اور ان کے بعد امام ولی تھے، اور ان دونوں کی ولایت کا مطلب یہ

---

(۱) الحکومۃ الاسلامیہ ، صفحات ۴۸-۴۹۔

ہے کہ ان کے شرعی احکامات سب پر نافذ ہیں۔ یہی ولایت اور حاکمیت فقیہ کے پاس بھی موجود ہے، لیکن ایک فرق کے ساتھ کہ دیگر فقہاء کے اوپر فقیہ کی ولایت ایسی نہیں کہ وہ انہیں معزول یا مقرر کر سکے، کیونکہ ولایت میں تمام فقہاء اہلیت کے اعتبار سے برابر ہیں۔[1]

• خمینی نظریے کے اصول..

جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں خمینی کا نظریہ دو بنیادوں پر قائم ہے: پہلا: فقیہ کی ولایتِ عامہ کا نظریہ۔ اور دوسرا: ریاست کی کمان وقیادت شیعی فقیہ کے علاوہ کوئی نہیں سنبھال سکتا۔

یہ ائمہ کی تعیین اور انہیں بارہ تک محدود کرنے کے دعوی سے انحراف ہے؛ کیونکہ فقہاء کی تعداد مخصوص ومحدود نہیں ہے، اور نہ ہی ان پر کوئی نص موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کسی حد تک اہل سنت کے مذہب کے مطابق امامت کے مفہوم کی طرف لوٹ آئے ہیں۔[2]

---

(۱) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحہ ۵۱۔

(۲) میں (مصنف) کہتا ہوں: کسی حد تک؛ کیونکہ وہ امامت کو (مخصوص) شخص میں محدود کرنے (کے نظریے) سے نکل کر اسے ایک نوع (گروہ) میں محدود کرنے کی طرف آگئے ہیں، اور وہ ہے "شیعی فقیہ"

اس قول کے مطابق انہوں نے اپنے اسلاف کی گمراہی اور اپنے مذہب کے باطل ہونے کا اقرار کر لیا ہے! لیکن وہ اس (ولایتِ فقیہ کے) نظریے کو مہدی کی واپسی تک ان کی نمائندگی شمار کرتے ہیں۔ گویا وہ اپنے مذہب کی اصل بنیاد سے دستبردار نہیں ہوئے،اسی وجہ سے یہ رجحان—میری نظر میں—مذہبِ بابیت سے مختلف نہیں،کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ شیعی فقیہ ہی مہدی کی نمائندگی کرتا ہے، جیسا کہ بابیت کے سربراہ بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں، شاید فرق صرف یہ ہے کہ خمینی اپنے تمام فقہاء کو ابواب سمجھتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں: بے شک خمینی نے مہدی منتظر کو ان کی غیبوبت سے باہر نکال لیا، کیونکہ انہوں نے مہدی کے اختیارات اور فرائض کو فقیہ کے ساتھ منسلک کر دیا ہے،جس سے فقیہ مہدی کے مقام پر فائز ہو چکا ہے! بلکہ خمینی نے اس نظریے کے ذریعے صرف ایک مہدی کو نہیں نکالا بلکہ درجنوں مہدی نکال دیے ہیں، کیونکہ ان کے بہت سے علما اور آیات اس منصب کے حقدار ہیں، جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں: یقینا اس دور کے ہمارے اکثر فقہاء میں وہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جو انہیں امام معصوم کے نائب ہونے کا اہل بناتی ہیں۔[1]

---

(۱) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحہ ۱۱۳۔

• ان کی ریاست کی تعریف میں غلو اور مبالغہ آرائی...

اس نیابت کے تقاضے کے مطابق ان شیعی فقہاء کا حکم رسول اللہ ﷺ کے حکم کی طرح ہے۔چنانچہ خمینی کہتے ہیں: وہ لوگوں پر اسی طرح حجت ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ ان پر اللہ کی طرف سے حجت تھے، اور جو بھی ان کی اطاعت سے پیچھے ہٹے گا، اللہ اس کی گرفت کرے گا اور اس پر اس کا محاسبہ گا۔(۱) مزیدوہ کہتے ہیں کہ مجموعی طور پر انبیاء نے ان (یعنی شیعہ شیوخ) کو وہ تمام امور عطا کر دیئے جو انہیں سونپے گئے تھے، اور انہیں امین بنایا جن پر وہ خود امین بنائے گئے تھے۔(۲)

شیعی عالم احمد فہری کا کہنا ہے: ''بے شک خمینی نے ایران میں عظیم اسلامی جمہوریت کی بنیاد رکھی۔ تاریخ اسلام میں پہلی بار انہوں نے انبیاء، رسول اعظم ﷺ اور ائمہ معصومین کے خواب کو سچ کر دکھایا۔''(۳)

شیعی مرجع ''طالقانی'' کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے خلفاء کی حکومت بھی ان کی ریاست کے مقام کو نہیں پہنچ سکتی، اور یہ اس کے قیام

---

(۱) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحہ ۸۰۔

(۲) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحہ ۸۰۔

(۳) خمینی کی کتاب سر الصلاۃ کے اپنے لکھے گئے مقدمہ میں، صفحہ ۱۰۔

کے لیے ایک تمہید ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ سلطنت ہی اس زمانے میں زندگی کے لیے موزوں ہے، جبکہ وہ اسلام کے آغاز میں زندگی کے لیے مناسب نہیں تھی۔یقیناً وہ سماجی اور سیاسی تبدیلیاں جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین سے لے کر آج تک دنیا نے دیکھی ہیں، درحقیقت وہ اسلامی جمہوریہ کے قیام کے لیے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔(۱)

آپ غور کریں کہ شیعی نظریے کی فطرت ہمیشہ غلو، شخصیات کی تقدیس، اور عقائد میں شدت کی طرف مائل رہتی ہے۔جیسا کہ آپ طالقانی کی نظر میں خمینی کی جمہوریت کی طرفداری دیکھ رہے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض نے تو یہ دعویٰ کر دیا کہ خمینی کی بشارت ان کے ائمہ پہلے ہی دے چکے تھے۔(۲)

• خمینی کے تضادات

اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خمینی نے اپنی کتاب «تحریر الوسیلہ» میں واضح لکھا ہے کہ مہدی کی غیبوبت کی وجہ سے جہاد کا آغاز کرنا جائز نہیں

---

(۱) لبنانی اخبار السفیر، مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۷۹، اور اسے محمد جواد مغنیہ نے نقل کیا اور اسے ایک "نئی فہم" قرار دیا ہے۔

(۲) الخمینی والدولۃ الاسلامیہ از محمد جواد مغنیہ، صفحات ۳۸-۳۹۔

ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ولی امر اور سلطان عصر (اللہ تعالیٰ ان کی آزادی شریف میں جلدی کرے) کی غیبوبت کے دور میں، ان کا نائب کھڑا ہوگا—— جو فقہاء میں وہ ہیں جن میں فتویٰ اور قضاء کی تمام شرائط موجود ہوں——اور وہ سیاست کے نفاذ اور ان تمام معاملات میں عمل کریں گے جو امام کے لیے مخصوص ہیں، مگر جہاد کا آغاز نہیں کریں گے۔(۱)

لیکن جب انہوں نے اپنی ریاست قائم کی تو اس کے آئین میں یہ طے کیا: اسلامی جمہوریت کی فوج صرف سرحدوں کی حفاظت اور چوکیداری کی ذمہ داری نہیں اٹھائے گی، بلکہ وہ ایک نظریاتی پیغام یعنی اللہ کی راہ میں جہاد، اور دنیا میں اللہ کے قانون کی حکمرانی کو دنیا کے تمام کونوں میں وسعت دینے کے لیے جدوجہد کی بھی ذمہ دار ہوگی۔(۲)

آپ اس میں کھلا تضاد دیکھ رہے ہیں ۔ چنانچہ وہ تحریر الوسیلہ میں جہاد کو مہدی کے فرائض میں شمار کرتے ہیں، جبکہ اپنی ریاست کے قیام کے بعد اس کے آئین میں جہاد کو اس کی فوج سے وابستہ اور فقیہ کے فرائض میں قرار

(۱) تحریر الوسیلہ، جلد ۱، صفحہ ۲۸۴۔

(۲) جمہوریہ ایران کا دستور: صفحہ ۱۶، مؤسسۃ الشہید کی مطبوعات،اور دیکھئے: دستور کا دوسرا ایڈیشن جو ایرانی وزارتِ ارشاد نے جاری کیا: صفحہ ۱۰۔

دیتے ہیں، یہ ولایت فقیہ کے بارے میں ان کے اس نئے نظریے کے تقاضے کے مطابق ہے، جس میں مہدی کے تمام اختیارات شیعی شیخ کو منتقل کر دیے گئے ہیں۔ ان کے دستور میں بھی اس بات کی واضح صراحت موجود ہے،جہاں لکھا ہے: ''امام کی غیبوبت کے زمانے میں اسلامی جمہوریہ ایران میں حکومت کی ولایت اور امت کی امامت فقیہ کے ہاتھ میں ہوگی۔''(۱)

اسی لیے خمینی کی ریاست کے قیام کے بعد، سب سے پہلا کام جو انہوں نے شروع کیا وہ اپنے سپاہیوں اور مسلم ممالک کے بعض حصوں میں اپنی وفادار تنظیموں کے ذریعے اسلامی قوموں سے لڑائی تھی!اس کے باوجود خمینی بعض اوقات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ صرف دفاع کے زمرے میں آتا ہےاور تاویل کی کوئی حد نہیں ہوتی، چنانچہ وہ کہتے ہیں: ''ہم اسلحہ اٹھا کر کسی پر حملہ نہیں کرنا چاہتے، عراق ایک عرصے سے ہم پر حملہ کر رہا ہے جبکہ ہم اس پر حملہ نہیں کر رہےبلکہ صرف دفاع کر رہے ہیں اور دفاع ایک واجب امر ہے۔''(۲)

(۱) ایران میں اسلامی جمہوریہ کا دستور: (صفحہ ۱۸)، طبع: وزارتِ ارشاد۔

(۲) قدس کی ازادی کے مسئلے اور مہدی منتظر کے بارے میں خمینی کا خطاب: (صفحات ۹-۱۰)۔

- خمینی کی اپنے عقائد مسلط کرنے کی جدوجہد...

خمینی نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے انقلاب کو پھیلائیں گے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اپنا اسلامی انقلاب تمام اسلامی ممالک تک پہنچانا چاہتے ہیں۔[1] وہ صرف پرامن ایکسپورٹ ہی یہنں کرنا چاہتے، بلکہ اپنے مذہب کو طاقت کے زور پر مسلمانوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے اپنی ریاست کے قیام سے پہلے ہی اس کا اشارہ دے دیا تھااور یہ طے کیا تھا کہ اس کا راستہ ایک ایسی شیعی ریاست کا قیام ہے جو اس ذمہ داری کو بخوبی نبھائے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:امت مسلمہ کو متحد کرنے[2] اس کی زمینوں کو استعمار کے قبضے سے چھڑانے اور ان کی ایجنٹ حکومتوں کو گرانے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ہم اپنی اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش کریں، اور یہ حکومت اپنے لحاظ سے اپنے کاموں میں اس دن کامیابی سے ہمکنار ہوگی جب ہم خیانت کرنے والوں کو کچلنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ان انسانی بتوں کو تباہ کر دے گی جو زمین پر ظلم و فساد پھیلاتے ہیں۔[3]

---

(۱) قدس کی ازادی کے مسئلے اور مہدی منتظر کے بارے میں خمینی کا خطاب: صفحہ ۱۰۔

(۲) یعنی (اتحاد) ان کے مذہب اور عقیدے کی بنیاد پر

(۳) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحہ ۳۵۔

خمینی اور ان کے پیروکار صرف ان اسباب کی بنا پر ہی حکومتوں پر تنقید نہیں کرتے جو وہ ذکر کر رہے ہیں، کیونکہ اگر کوئی حکومت روئے زمین پر بہترین حکومت بھی ہو تب بھی اسے ان کی طرف سے شدید ناراضگی اور نفرت ہی ملے گی،سوائے اس کے کہ وہ ان کے مذہب اور عقیدے پر ہو، اس بارے میں آپ کے لیے خلفائے ثلاثہ راشدین—رضوان اللہ علیہم—کی خلافت کے حوالے سے ان کا نقطۂ نظر ہی کافی ہے۔

- **مہدی کے مقررہ مشن کا ایران سے آغاز...**

مسلمانوں کے قتل کے بارے میں مہدی کا طے شدہ مشن مسلسل ایرانی علماء اور فقہاء کی زبانوں پر ظاہر ہوتا رہا کہ خمینی عنقریب اس مشن کا آغاز کریں گے، کیونکہ وہ مہدی کے تمام فرائض میں ان کے قائم مقام ہیں۔ بعض شیوخ نے اس حقیقت کو بھی فاش کر دیا، کیونکہ وہ، جیسا کہ ان کے امام فرماتے ہیں:

"بے صبری اور راز نہ چھپا سکنے کے مرض"میں مبتلا ہیں۔"(۱)

چنانچہ ۱۷ مارچ ۱۹۷۹ ء کو اسلامی جمہوریت کے قیام کی تائید کے لیے عبادان میں منعقدہ ایک رسمی اور عوامی تقریب میں ڈاکٹر محمد مہدی صادقی نے ایک خطبہ

---

(۱) اصول الکافی، جلد ۱، صفحہ ۲۲۲۔

دیا، جسے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ریکارڈ کیا گیا، ریڈیو نے اسے ایک اہم خطبہ قرار دیا۔ اس خطبے میں جو باتیں سامنے آئیں ان میں سے یہ بھی ہے: ”اے زمین کے مشرق و مغرب میں بسنے والے میرے مسلمان بھائیو! میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ مکہ مکرمہ جو اللہ کا پرامن حرم ہے، اس پر ایک ایسا گروہ قابض ہے جو یہودیوں سے بھی زیادہ بدتر ہے۔اور اس سے پہلے انہوں نے یہ ذکر کیا کہ جب ان کا انقلاب جڑ پکڑ لے گا تو وہ ”القدس، مکہ مکرمہ، افغانستان اور مختلف ممالک کی طرف رخ کریں گے۔“(۱)

آپ ملاحظہ کیجیے کہ وہ مکہ کی صورتحال کو القدس جیسی صورتحال قرار دیتے ہیں جس پر یہودیوں کا قبضہ ہےاور افغانستان جیسی صورت حال کہ جس پر کمیونسٹوں کا قبضہ ہے۔ جبکہ دوسری طرف آپ دیکھیں کہ وہ شام کی گمراہ اور فاسد نصیری حکومت کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں اور ان پر تنقید تک نہیں کرتے۔

(۱) یہ خطبہ ۱۷ مارچ ۱۹۷۹ کو دوپہر ۱۲ بجے عبادان سے صدائے انقلابِ اسلامی پر نشر کیا گیا۔ دیکھئے: وجاء دور المجوس، صفحات ۳۴۴-۳۴۷۔

• ولایتِ فقیہ میں خمینی نظریے کی بعض شیعی علما کی طرف سے مخالفت:

خمینی کے اس نظریے ـــــ جس میں انہوں نے مہدی کے فرائض کو مکمل طور پر فقیہ کی طرف منتقل کیا اور ولایت کو اس میں منحصر کر دیا ـــــ نے شیعی علما کی ایک جماعت کو غصے سے بڑھکا دیا[1] اور اس سے اچانک خمینی اور ان کے ایک بڑے مرجع شریعتمداری کے درمیان شدید جھگڑا شروع ہوگیا۔[2]

شیعی عالم محمد جواد مغنیہ نے اس پر حیرت کا اظہار کیا کہ خمینی نے یہ نظریہ اپنایا اور اختیارات میں معصوم اور فقہاء کو برابر کر دیا؛ چنانچہ انہوں نے کہا: معصوم کا قول[3] اور ان کا حکم بالکل اللہ عزیز و علیم کی وحی کی طرح ہے: وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ - إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ''اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، یہ تو صرف وحی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔'' [النجم: ۳-۴] ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ معصوم کو ہدایت یافتہ و گمراہ، عالم و جاہل سبھی پر اطاعت اور ولایت کا حق حاصل ہے، اور یہ کہ روحانی اور وقتی اقتدار ـــــ ان

(۱) دیکھئے: الخمینی بین الدین والدولہ، صفحات ۱۵۳-۱۵۴۔
(۲) دیکھئے: عبد الجبار العمر، الخمینی بین الدین والدولہ، صفحہ ۱۴۴ اور اس کے بعد۔
(۳) شیعہ کے نزدیک ائمہ رسول اللہ ﷺ کی طرح معصوم ہیں۔

کی موجودگی میں——صرف انہی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے، ورنہ ولایت ان پر ہوتی نہ کہ ان کے لیے،یہ جانتے ہوئے کہ خطا اور گناہ سے معصوم ہستی کے اوپر کوئی نہیں سوائے اس ذات باری کے جس کے لیے پیدا کرنا اور حکم دینا ہے۔کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب معصوم غائب ہو جائے تو اس کی ولایت مکمل طور پر فقیہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے؟(۱)

یہ ان کی نظر میں انتہا درجے کا غلو ہے کیونکہ فقیہ کے حکم کو معصوم کے حکم جیسا کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ پھر وہ اس کی وضاحت اپنے اس قول سے کرتے ہیں: معصوم کا حکم شکوک و شبہات سے پاک ہے، کیونکہ وہ خود دلیل ہے مدلول نہیں ہے، اور وہ حقیقت پر مبنی ہے صرف ظاہر پر منحصر نہیں ہے...رہا فقیہ، تو اس کا حکم ظاہر پر دلالت کرتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ وہ بھول چوک، تکبر و غرور کے غلبے، ذاتی جذبات، ارد گرد کے ماحول، معاشی حالات کی تبدیلی اور سماجی مرتبے کی تبدیلی کا نشانہ بھی بن سکتاہے، میں نے خود بہت سے ظالمانہ احکامات کا مشاہدہ کیا ہے اور ان کی تکلیف برداشت کی ہے۔ مثالوں ا ور شواہد پیش کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے، سوائے اس کے کہ میں نے

(۱) الخمینی والدولۃ الاسلامیہ، صفحہ ۵۹۔

ایک ایسے فقیہ کو پہچانا جو اقتدار سے پہلے زہد و تقویٰ میں مشہور تھا مگر اس کے بعد اس کے اپنی اولاد اور سسرالی رشتہ داروں کی طرف جھکاؤ کے بارے میں لوگ باتیں کرنے لگے۔[1]

یہ ان کی طرف سے اپنی ہی قوم کے شیوخ کے خلاف ایک گواہی ہے کہ جب کبھی انہیں اقتدار کا موقع ملتا ہے تو وہ زہد و عبادت غائب ہو جاتی ہے جس کا وہ تکلف سے اظہار کرتے ہیں اور یہ حال ہے ان علما کا جن کا یہ وصف ہے، خمینی کی رائے یہ ہے کہ یہی لوگ امت پر حکمران ہیں۔اس کے برعکس، خمینی کے نظریے کی مخالفت کرنے والے احباب کا خیال ہے کہ ولایتِ فقیہ، معصوم کی ولایت کے مقابلے میں زیادہ کمزور اور محدود ہے۔[2]

محمد جواد مغنیہ نے اس کے خلاف بڑے شیعی علماء کے کئی اقوال پیش کیے ہیں، اور ان دلائل کو رد کیا ہے جو خمینی نے اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں، اور یہ واضح کیا کہ وہ ولایت کے عمومی ہونے کے اس دعوی پر دلالت ہی نہیں کرتے۔

---

(۱) الخمینی والدولۃ الاسلامیہ، صفحات ۵۹-۶۰۔

(۲) الخمینی والدولۃ الاسلامیہ، صفحہ ۶۱۔

خمینی کے مخالفین ولایت کے معاملے کو عام لوگوں کی طرف لوٹاتے ہیں اور اسے صرف شیعی علما تک محدود نہیں رکھتے، جبکہ وہ شیوخ اپنی موجودہ حالت اور اپنی مخصوص ولایت میں قائم رہیں گے، یہاں تک کہ مہدی غائب ظہور پذیر ہوجائیں اور دین و دنیا کے تمام امور کو سنبھالیں۔ موجودہ دور کی اصطلاح میں یہ دین کو ریاست سے الگ کرنا ہے،چنانچہ مذہب فقیہ کے بارے میں غلو، یا دین کو ریاست سے جدا کرنے کی دعوت کے درمیان گھوم رہا ہے۔

یہ دونوں نظریات نص اور تعیین کے قول کے باطل ہونے پر متفق ہو گئے ہیں ، کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی حاکم کو کسی کتعین شخص کے ساتھ محدود نہیں کیا، سوائے مہدی غائب کے ایک ظاہری اور شکلی تعین کے۔

◉ دوسرا مبحث: خمینی کے بارے میں شیعہ کا غلو:

خمینی نے اپنی کتاب الحکومۃ الاسلامیہ میں ذکر کیا ہے: شیعی فقیہ مرتبے میں موسیٰ اور عیسیٰ کے مقام پر ہوتا ہے۔(۱) یوں انہوں نے خود کو اور اپنے پیروکاروں کو انبیاء کے مرتبے پر، بلکہ ان میں سے اولوالعزم کے مرتبے پر فائز کر دیاہےاور شیعہ نے خمینی کی تقدیس میں بہت مبالغہ کیا، یہاں تک کہ

(۱) الحکومۃ الاسلامیہ، صفحہ ۹۵۔

انہیں ""الامام"" کا لقب دے دیااور یہ بات ذہن سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ ان کے نزدیک امامت کا مقام نبوت کے مقام سے بلند ہے[1]۔۔۔حسلہ کہ پہلے اس کا ذکر گزر چکا ہے- چنانچہ خمینی کو ایران میں صرف ""امام"" ہی پکارا جاتا ہے، یعنی اس وصف کے ساتھ جو ان کے ہاں نبوت کے وصف سے بھی اوپر ہے۔ اسی لیے مرتضیٰ کتبی[2] اور جان لوین[3] نے کہا: ایرانی عوام کی بڑی اکثریت کے نزدیک روح اللہ خمینی اب صرف آیت اللہ نہیں رہےبلکہ وہ امام بن چکے ہیں اور یہ وہ لقب ہے جو شیعی تاریخ میں بہت ہی شاذ و نادر کسی کو دیا گیا ہے۔[4]

اس مفہوم کی تاکید ایک ایرانی ذمہ دار نے کی ہے جن کا نام فخر الدین حجازی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ""بے شک خمینی اللہ کے دونوں نبی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے بھی بڑے ہیں ،چنانچہ اسی قول کی وجہ سے انہوں نے خمینی

---

(۱) شیعہ کے ہاں امام کی اصطلاح اہل سنت کے نزدیك اس کے مفہوم سے بالکل مختلف ہے، اسی لیے شیعہ کے اس استعمال پر اہل سنت کی جانب سے کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

(۲) مرتضیٰ کتبی: تہران یونیورسٹی میں سماجی علوم کے پروفیسر۔

(۳) جان لیون فاندورن: ایک فرانسیسی صحافی۔

(۴) امام خمینی کے ہاں معاشرہ اور دین؛ یہ تحقیق فرانسیسی اخبار 'لی مونڈ میں شائع ہوئی، پھر 'ایران نامی کتاب میں طبع ہوئی (صفحہ ۲۱۶)۔

کی رضا پالی اور خمینی نے انہیں تہران کا نمائندہ اور ملک کے سب سے بڑے مالیاتی ادارے مؤسسۃ المستضعفین کا سربراہ مقرر کر دیا۔"(۱)

ہم مزید دیکھتے ہیں کہ محمد جواد مغنیہ، خمینی کو اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام پر برتری دینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: سید معلم ــــ یعنی خمینی ــــ نے (الحکومۃ الاسلامیہ، صفحہ ۱۱۱ میں) کہا ہے: ڈر کیسا؟ چاہے قید ہو، جلاوطنی ہو یا قتل ہو، اللہ کے ولی تو اپنی جانیں اللہ کی رضا کی تلاش میں بیچ دیتے ہیں۔ پھر مغنیہ نے اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا: "یہ کلمات محض شدید غم وغصے کی کوئی لہر نہیں ، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا جب انہوں نے تورات کی تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر کھینچنے لگے تھے، بلکہ یہ علم اور پختہ منطق پر مبنی ہیں جن پر جذبات کی آگ کا کوئی اثر نہیں ہے ۔"(۲)

مغنیہ کے بعینہ یہی الفاظ ہیں، جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ خمینی اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام سے بھی زیادہ کامل ہیں اور خمینی کا فعل علم اور منطق پر مبنی ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام کا فعل محض غصے اور جذبات پر مبنی تھا! جبکہ موسیٰ علیہ السلام تو اس سے کہیں زیادہ معزز اور عظیم ہیں کہ ان کا موازنہ نیک

(۱) موسیٰ الموسوی، الثورۃ البائسہ (ناامید انقلاب): صفحہ ۱۴۷۔

(۲) الخمینی والدولۃ الاسلامیہ : صفحہ ۱۰۷۔

لوگوں کے چنے ہوئے طبقے سے کیا جائے تو خمینی کو ان پر کیسے فوقیت حاصل ہے؟ یا ان کے ساتھ کیسے اس کا تقابل کیا جا سکتا ہے؟! ہاں، یہ غلو کی منطق ہے جو رسالت اور رسولوں کی عظمت کا پاس ولحاظ بالکل نہیں رکھتی۔

جب ان کے شیخ ابن بابویہ چوتھی صدی میں یہ رائے رکھتے تھے کہ شیعہ کا اذان میں یہ کہنا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ علی اللہ کے ولی ہیں۔۔'' یہ مفوضہ[۱] کی جانب سے وضع کردہ ہے، اللہ ان پر لعنت کرے۔[۲] تو آپ نے جان لیا کہ موجودہ دور کے شیعہ اس زمانے کے غالی مفوضہ سے بھی بڑھ گئے ہیں! اور اب ان کے پاس ایسی کوئی حدود باقی نہیں بچیں جہاں وہ اپنے مذہب کے ساتھ غلو کی طرف قدم بڑھانے سے رک جائیں۔

---

(۱) مفوضہ: شیعہ کے غالی لوگ، جنھوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ نے (پہلے) محمد ﷺ کو پیدا کیا پھر کائنات کی تخلیق اور انتظام ان کے سپرد کر دیا، پھر محمد ﷺ نے کائنات کا انتظام علی کے سپرد کر دیا، اس لیے وہ دوسرے مدبر (نظام چلانے والے) ہیں! مفوضہ کے بارے میں جاننے کے لیے شیعی کتب: تصحیح الاعتقاد اور بحار الانوار دیکھئے۔

(۲) دیکھئے: من لا یحضرہ الفقیہ، جلد ۱، صفحات ۱۸۸-۱۸۹۔

◉ تیسرا مبحث: آیات حضرات کی ریاست کا آئین:

اسلامی جمہوریہ ایران نے اپنا آئین ایک کتاب کی صورت میں جاری کیا جسے وزارت ارشاد اسلامی نے شائع کیا، اس کا پہلا ایڈیشن سنہ ۱٤٠٦ ہجری میں نشر ہوا،اور اس آئین کی دفعات اس سے پہلے ایرانی رسالہ الشہید کے ایک خاص شمارے میں شائع ہو چکی تھیں۔[1] چنانچہ یہاں اس آئین کی بعض دفعات کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ واضح ہو سکے کہ کیا یہ کسی اسلامی ریاست کے آئین کی نمائندگی کرتا ہے—جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں—یا نہیں کرتا؟

آئین کی بارہویں شق میں ہے کہ جعفریہ مذہب ریاست کا دین ہے، چنانچہ اس میں ہے: ایران کا سرکاری دین اسلام ہے، اور مذہب جعفریہ اثنا عشری ہے اور یہ شق ابد تک ناقابل ترمیم ہے۔[2] اسی طرح آئین امامت میں اثناعشریہ کے نظریئے کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ وہ ولایتِ فقیہ کو خمینی کے مذہب کے ساتھ امامت کے معاملے سے جوڑ دیتا ہے، اور اس میں کہا گیا ہے: ولایتِ فقیہ، ولایتِ امر اور امامت کے تسلسل پر انحصار و اعتماد کرتی ہے۔[3]

---

(۱) موسسہ الشہید کا ایڈیشن، قم، سنہ ۱۹۷۹ـ

(۲) الدستور: صفحہ ۲۰ـ

(۳) الدستور: صفحہ ۹ـ

آپ ملاحظہ کریں کہ وہ اپنے آئین میں ایک متعصب فرقے کا واضح طور پر اعلان کر رہے ہیں حالانکہ خود انہیں ((جمہوری اسلامی)) کہا جاتا ہے ، شاید ان کا یہ قول اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان کا مذہب صرف اسلام کے دائرے میں محصور نہیں ہے،بلکہ ضروری ہے کہ اسلام کے ساتھ کسی دوسرے شریک دین کی طرح اس پر الگ سے تنصیص موجود ہو۔ اس کے باوجود آپ کثرت سے انہیں یہ دعویٰ کرتے ہوئے پائیں گے کہ ان کا مذہب دیگر اسلامی مذاہب سے صرف فروعی مسائل میں مختلف ہے۔ اگر ان کے یہاں معاملہ ایسا ہی ہے تو پھر ان کے آئین میں خاص طور پر مذہب جعفریہ کی صراحت کیوں کی گئی ہے؟

پھر یہ شق ابد تک ناقابل تبدیلی کیوں ہے؟ وہ اپنے ذہنوں اور دلوں کو اہل سنت کے مذہب کے لیے کیوں نہیں کھولتے؟ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ اس شق کی رُو سے اس ریاست کا نام جمہوریہ جعفریہ ہونا چاہیے؟ کیوں کہ اسلامی ریاست تو اسلام کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے نہ کہ مسلک کی بنیاد پر،اور جب خلیفہ اس مسلک یا کسی دوسرے مسلک سے کوئی چیز اپناتا ہے تو وہ اسے دلیل کی قوت کی بنیاد پر اپناتا ہے نہ کہ وراثت یا تعصب کی بنیاد پر،لیکن انہوں نے اس شق کے ذریعے اپنے بعض شیوخ کے اس قول کی پیروی کی ہے کہ اثنا عشریہ ایک دین ہے نہ کہ ایک مسلک ۔

مزید آپ آئین کی بعض دفعات میں فارسی نعرہ اور قومی رنگ پائیں گے۔ آئین کی پندرہویں شق میں ہے: ایرانی عوام کی سرکاری اور عام زبان فارسی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تمام دستاویزات، مراسلات، سرکاری متن اور درسی کتابیں اسی زبان میں ہوں۔

آپ دیکھیے کہ یہ شق ایرانی قومیت کی بنیاد پر رکھی گئی ہے کیونکہ اسلام کی زبان صرف ایک ہے اور وہ ہے عربی، یہ اس لیے نہیں کہ یہ عربوں کی زبان ہے بلکہ اس لیے کہ یہ قرآن و سنت کی زبان ہے اور رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ریاستی زبان ہے۔

آئین کی چھٹی شق میں ہے کہ ان کا مرجع امت کی رائے ہے—نہ کہ کتاب و سنت!—اس میں صراحت ہے کہ ''اسلامی جمہوریہ ایران میں ضروری ہے کہ ملک کے امور امت کی رائے پر چلائے جائیں''۔[1] جبکہ بلاشک وشبہ اسلام میں خلافت کے امور کتاب و سنت کی رہنمائی میں چلائے جاتے ہیں اور اسلام میں حکومت کی بنیاد رائے عامہ پر نہیں ہوتی۔ رائے عامہ پر تو وضع کردہ قوانین کی بنیاد ہوتی ہے۔

---

(۱) الدستور: ص ۱۸۔

اس اصول کو ان کی شق نمبر انسٹھ (۵۹) مزید واضح کرتی ہے: قانون ساز طاقت کا استعمال بعض اوقات عوامی رائے شماری یا ووٹنگ کے ذریعے مکمل ہوتا ہے اور یہ اہم معاشی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی مسائل میں ہوتا ہے، عوامی رائے شماری مجلس کے کل ارکان کے دو تہائی سے زائد کے مطالبے کی بنیاد پر منعقد ہوتی ہے۔[۱] تواس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ وہ اپنے معاملات میں لوگوں سے رائے لینے کی طرف رجوع کریں، جب انہوں نے خود کو قانون سازی کے دوسرے شرعی ماخذ یعنی «سنت مطہرہ» سے محروم کر لیا ہے۔

یہ ان کے دستور میں مذکور بعض باتیں تھیں (سنہ ۱٤۰٦ ہجری کے ایڈیشن کے مطابق) جس سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ کسی اسلامی ریاست کے دستور کی نمائندگی نہیں ہے بلکہ یہ ایک فارسی، نسلی اور شیعہ ریاست کی نمائندگی ہے جو اپنے احکامات کتاب و سنت سے اخذ نہیں کرتے، بلکہ ان کا تعلق ایسی من گھڑت روایات سے ہے جو ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور جنہیں وہ سنتِ معصومین کا نام دیتے ہیں۔

---

(۱) الدستور: ص۴٦۔

تیسری فصل

اسلامی دنیا میں شیعہ کا اثر و رسوخ

تاریخ کے مختلف مراحل میں عالمِ اسلامی پر شیعہ کے اثرات ...ایک بہت وسیع باب ہے، لیکن اس فصل میں کوشش کروں گا کہ ان کے بعض اثرات کو مخصوص شعبوں کے لحاظ سے نمایاں کیا جائے، تاکہ گفتگو منتشر نہ ہو۔ وہ شعبے درج ذیل ہیں:

۱. فکری و اعتقادی

۲. سیاسی

۳. سماجی واجتماعی

۴. معاشی

یہ تقسیم صرف ان اثرات کی وضاحت کے لیے ہے، ورنہ یہ آپس میں مربوط اورایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعت کی نحوست

امت کے لیے بہت خطرناک ہے جو اس کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوتی ہے، جو شخص اس امت کی تاریخ اور اس میں ظاہر ہونے والے بدعتی رجحانات کا مطالعہ کرے گا وہ ان کا منفی اثر پوری اسلامی ریاست پر پائے گا۔مثال کے طور پر ابنِ تیمیہ ریاست بنی امیہ کے زوال کے اسباب کے بارے میں فرماتے ہیں: بنو امیہ کی ریاست کا خاتمہ اسی جعد معطل[۱] اور چند دیگر اسباب کی وجہ سے ہوا تھا[۲]

اور فرمایا: اسی جعد کی طرف مروان بن محمد الجعدی منسوب ہے جو بنو امیہ کا آخری خلیفہ تھا، اس کی نحوست اس پر آن پڑی ، آخرکار ریاست ہی ختم ہو گئی،کیونکہ جب ایسی بدعات ظاہر ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے دین سے متصادم ہوں، تو اللہ تعالی رسولوں کی مخالفت کرنے والوں سے انتقام لیتا ہے اور رسولوں کی نصرت فرماتا ہے۔[۳]

---

(۱) مراد جعد بن درہم ہے۔ یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفات کی تعطیل کا قول گھڑا تھا۔

(۲) مجموع فتاوی شیخ الاسلام جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۲۔

(۳) مجموع فتاوی شیخ الاسلام جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۷۔

تاریخی واقعات کی یہ اسلامی تشریح مورخین کے اس عمومی طریقے کے خلاف ہے جو تاریخ کے واقعات کی وضاحت صرف مادی وجوہات کی بنا پر کرتے ہیں؛ اور یہ ایک ایسا کام ہے جسے صرف اہلِ ایمان ہی سمجھ سکتے ہیں۔

◉ پہلا مبحث: اعتقادی اور فکری میدان میں ان کے اثرات:

۱. امت میں شرک کے مظاہر:

یقیناً، امامت اور امام کے بارے میں غلو پر مبنی عقیدے کا عالمِ اسلام میں شرکیہ اعمال کے ظہور پر واضح اثر رہا ہے۔ چنانچہ ائمہ کے بارے میں غلو ان کی قبروں کے بارے میں غلو میں تبدیل ہو گیااور ان کے مشن کی تائید کے لیے روایات اور احادیث گھڑی گئیں۔

۲. گمراہ فرقوں کا ظہور:

جیسے کہ گزشتہ بحث سے واضح ہو چکا ہے کہ اثنا عشریہ کی وہ روایات اور احادیث — جن کے بارے میں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ اہلِ بیت سے حاصل کی ہیں — غالی افکار کے ظہور اور ملحد فرقوں کے ابھرنے کے لیے موزوں ماحول فراہم کرتی ہیں کیونکہ ان میں مختلف رجحانات رکھنے والے شاذ

فرقوں کے اقوال جمع کیے گئے ہیں جو ہم تک فرق اور مقالات کی کتابوں کے ذریعے پہنچے ہیں۔ بعد ازاں ہم نے دیکھا کہ اثنا عشریہ کی یہ روایات ان رجحانات کی نہ صرف شاہد ہیں بلکہ ان کی تائید بھی کرتی ہیں۔

شیخ الطائفہ طوسی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ شیعی کتابوں کے بہت سے مصنفین فاسد وگمراہ مذاہب کی طرف منسوب تھے! ان کا کہنا ہے: ہمارے مصنفین اصحاب میں سے بہت سے لوگ فاسد وگمراہ مذاہب کی پیروی کرتے ہیں۔[1] یہیں سے اثنا عشریہ کے بہت سے ایسے فرقے نکلے جو پھر غلو اور کفر کے ساتھ مشہور ہوئے: جیسے شیخی، کشفی، بابی وغیرہ۔

ااسی لیے ابو حامد غزالی نے کہا: ''باطنیہ مذہب کا ظاہر رفض ہے اور اس کا باطن خالص کفر ہے۔''[2] اور محب الدین الخطیب نے لکھا ہے کہ ایران میں کمیونزم اور بہائیت کے رواج کے اسباب وعوامل میں سے ایک تشیع بھی تھا۔[3]

---

(۱) الفہرست، ص ۲۴-۲۵۔

(۲) فضائح الباطنیہ ص ۳۷۔

(۳) الخطوط العریضہ ص ۴۴-۴۵۔

۳. جھوٹی روایات گھڑنا:

ان کے فکری اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک گروہ حدیث کے راویوں میں گھس گیا جنھوں نے ایسی روایات داخل کرنے کی کوشش کی جو تشیع کے مفاد میں تھیں۔

یہاں تک کہ اس رنگ کا اثر اہل سنت کی لغات اور ان کے حدیث کے مجموعوں پر بھی ظاہر ہونے لگا۔ مگر رجالِ حدیث اس سے خبردار ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے حق واضح کر دیا اور اس چالبازی کو بے نقاب کر دیا۔

چنانچہ شیخ سویدی نے اس اثر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ان کے بعض علماء علمِ حدیث میں مشغول ہوئےاور قابل اعتماد محدثین سے احادیث سنیں اور انہوں نے اہل سنت کی صحیح سندیں یاد کیں، اور بظاہر تقویٰ و ورع کے زیور سے خود کو آراستہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے ان احادیث میں اپنے مذہب کے مطابق من گھڑت روایات داخل کر دیں اور اس کے ذریعے اہل سنت کے عوام کے ساتھ ساتھ بہت سے خاص لوگ بھی گمراہ ہوئے۔ لیکن اللہ نے اپنے فضل سے ائمہ حدیث کو پیدا کیا جنہوں نے ان من گھڑت روایات کو بھانپ لیا اور ان کے بے بنیاد ہونے کی وضاحت کر دی۔ چنانچہ اسی وقت ان کی قلعی کھل

گئی اور پردہ فاش ہوگیا ۔ الحمد للہ[1]

آلوسی کہتے ہیں کہ اس حیلے کو استعمال کرنے والوں میں جابر جعفی[2] بھی شامل ہے،ابنِ قیم نے ذکر کیا کہ حافظ ابویعلیٰ نے اپنی کتاب ''الارشاد'' میں کہا ہے: رافضہ نے علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے فضائل میں تقریبا تین لاکھ احادیث گھڑیں،ابن قیم رحمہ اللہ نے اس پر یوں تبصرہ کیا ہے: ہم اسے بعید نہیں سمجھتےکیونکہ اگر آپ ان کے پاس موجود مواد کی چھان بین کریں گے تو معاملے کو ویسا ہی پائیں گے جیسا انہوں نے کہا ہے۔ [3]

۴. بظاہر ان کا اہل سنت کے مذہب میں داخل ہونا :

برے فکری اثرات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے شیوخ کے ایک گروہ نے ظاہر میں اہل سنت کے مذہب میں داخل ہو کر حنفی یا شافعی مسلک اختیار کیا تاکہ زیادہ سے زیادہ گمراہی پھیلا سکیں اور ساتھ ہی ایسی تصانیف بھی لکھیں جو

(۱) نقض عقائد الشیعہ از السویدی۔ قلمی نسخہ غیر مرقوم ۔ صفحات کی تعداد کے اعتبار سے دیکھیے: ۲۴-۲۵، اور دیکھیے: السیوف المشرقہ از اِلوسی، قلمی نسخہ، صفحہ ۵۰، اور مختصر التحفہ، صفحہ ۳۲۔

(۲) السیوف المشرقۃ: ص ۵۰۔

(۳) المنار المنیف، ص ۱۱۶۔

باطنی مذہب کی تائید کرتی ہیں۔(۱)

بلکہ انہوں نے بعض اکابرین کے ناموں کی اہل سنت کے اکابرین کے ناموں سے مشابہت کا فائدہ بھی اٹھایا اور گھٹیا فکری چال کے ذریعے حق تلاش کرنے والوں کو گمراہ کیا۔ چنانچہ جہاں بھی انہیں اہلِ سنت کا کوئی معروف اور معتبر نام ملتا، اگر اس نام یا لقب کا کوئی ہم نام یا ہم لقب شیعہ راوی موجود ہوتا تو وہ اس شیعہ کی روایت یا قول کو اسی اہلِ سنت عالم کی طرف منسوب کر دیتے۔

اس کی ایک مثال «محمد بن جریر الطبری» ہیں: وہ مشہور سنی امام ہیں جو تفسیر اور تاریخ کے مصنف ہیں، یقیناً ان کے نام کے موافق ان کے مشائخ میں سے بھی محمد بن جریر بن رستم الطبری ہیں۔(۲) اور وہ دونوں ہی بغداد کے تھے،

---

(۱) اس بارے میں ان کے مختلف طریقے ہیں، جیسا کہ التحفہ الاثنا عشریہ کے مصنف نے اس کی حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ یہ لوگ خلفائے اربعہ کے فضائل میں کتابیں تصنیف کرتے ہیں، مگر جہاں علی رضی اللہ عنہ کا ذکر آتا ہے وہاں ایسی نصوص شامل کر دیتے ہیں جو ان کے مذہب کی تائید کرتی ہیں اور صحابۂ کرام پر طعن و تشنیع کرتی ہیں! کبھی وہ ایسی کتاب بھی تالیف کرتے ہیں جسے اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ گویا یہ اہلِ سنت کی تصنیف ہے، لیکن جب اس کا بطلان ظاہر ہو جاتا ہے تو اس سے رجوع کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی ایک کتاب "لماذا اخترت مذہب الشیعہ" ہے، جسے انہوں نے مرعی انطاکی نامی ایک مزعوم شخص کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۲) رافضی مذہب میں (شیعی طبری) کی کئی تصانیف ہیں جیسے: المسترشد فی الامامۃ، اور نور

ایک ہی زمانے میں تھے، بلکہ ان دونوں کی وفات بھی ایک ہی سال یعنی ۳۱۰ ہجری میں ہوئی توانہوں نے اس مشابہت کا فائدہ اٹھایا اور امام ابن جریر کی طرف بعض ایسی چیزیں منسوب کر دیں جو ان کے مذہب کی تائید کرتی تھیں۔ جیسے: کتاب المسترشد فی الامامۃ[1]، باوجود اس کے کہ یہ شیعی شیخ کی ہے نہ کہ سنی عالم کی[2] اور وہ آج تک بعض ایسی خبروں کو امام ابن جریر طبری کی طرف منسوب کرتے ہیں جو ان کے مذہب کی تایید کرتی ہیں۔[3]

یقیناً اس حرکت نے امام طبری کو ان کی زندگی میں اذیت پہنچائی جیساکہ ابن کثیر نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض عام لوگوں نے ان پر رافضی ہونے کی تہمت بھی لگادی تھی اور جاہلوں میں سے بعض نے تو ان پر الحاد کا بھی الزام لگا دیا تھا۔ ان کی طرف غدیرِ خم کی حدیث کے عنوان سے ایک کتاب منسوب

المعجزات فی مناقب الائمہ الاثنی عشر۔دیکھئے ان کی سوانح میں: جامع الرواۃ جلد ۲ صفحہ ۸۲-۸۳، بحار الانوار جلد ۱ صفحہ ۱۷۷، تنقیح المقال جلد ۲ صفحہ ۹۱، اور دیکھئے: لسان المیزان از ابن حجر، جلد ۵ ، صفحہ ۱۰۳۔

(۱) دیکھئے: الفہرست از ابن الندیم، صفحہ ۳۳۵۔

(۲) دیکھئے: طبقات اعلام الشیعہ فی المائۃ الرابعہ، صفحہ ۲۵۲؛ابن شہر آشوب، معالم العلماء، صفحہ ۱۰۶۔

(۳) دیکھئے: الامینی النجفی، الغدیر، جلد ۱، صفحات ۲۱۴–۲۱۶۔

کر دی گئی جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، اور ان کی طرف وضو میں دونوں پاؤں پر مسح کے جائز ہونے کا قول بھی منسوب کر دیا۔[1]

اسی طرح ««ابن قتیبہ»» ہیں۔ اس نام کے بھی دو آدمی ہیں: ایک عبد اللہ بن قتیبہ جو غالی رافضی ہے اور دوسرے عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ جو اہل سنت کے معتبرلوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ایک کتاب بھی تصنیف کی جس کا نام ''المعارف'' ہے ۔ دوسرےرافضی نے بھی ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام جان بوجھ کر گمراہ کرنے کے لیے ''المعارف'' ہی رکھ دیا۔[2] اور محققین ''کتاب الامامہ والسیاسہ'' کو ابن قتیبہ سنی کی طرف منسوب کرنے میں الجھن واضطراب کے شکار ہوگئے کیونکہ وہ باطل اشیا پر مشتمل تھی ۔ جبکہ بہت سے لوگ اس بات سے ناآشنا تھے کہ ابن قتیبہ نامی دو شخص ہیں! اور کتاب ''الامامہ والسیاسہ'' سنی عالم کی نہیں ہے۔

---

(۱) دیکھئے: البدایہ والنہایہ، جلد ۱۱، صفحہ ۱۴۶۔

(۲) دیکھئے: مختصر التحفہ الاثنی عشریہ، صفحہ ۳۲؛ مختصر الصواعق، صفحہ ۵۱، مخطوط؛ السویدی، نقض عقائد الشیعہ، صفحہ ۲۵، قلمی نسخہ۔

۵. مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنا:

تاریخ میں بعض شیعی مصنفین کی ایسی تحریریں بھی ملتی ہیں جن میں انہوں نے امتِ مسلمہ کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ محمد بن السائب الکلبی، ابو مخنف لوط بن یحییٰ، اور نصر بن مزاحم منقری کی روایات اور خبروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔یہ روایات محمد بن جریر الطبری کی تاریخ میں بھی نقل ہوئی ہیں، لیکن طبری انہیں باقاعدہ سند کے ساتھ ان ہی راویوں کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے ہیں تاکہ اہلِ علم ان کی حقیقت کو پہچان سکیں۔ اسی طرح یہ المسعودی کی کتاب «مروج الذہب» اور الیعقوبی کی «تاریخ الیعقوبی» میں بھی موجودہے۔

محب الدین الخطیب نے «العواصم» کے حاشیہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تاریخی تدوین کا باقاعدہ آغاز دراصل بنو امیہ کی ریاست کے بعد ہوا، اور اس میں تشیع کا لبادہ اوڑھنے والے باطنی اور شعوبی گروہوں کا بھی کردار رہا، جنہوں نے خیر کے آثار کو مٹانے اور تاریخ کے روشن صفحات کو سیاہ کرنے کی کوشش کی۔[۱] یہ چالبازی اس شخص پر ظاہر ہو جاتی ہے جو ابن العربی کی کتاب ’’العواصم من القواصم‘‘ کا اس بہترین حاشیہ کے ساتھ مطالعہ کرے جو

(۱) دیکھئے: العواصم من القواصم، حاشیہ ۔ صفحہ ۱۷۷۔

علامہ محب الدین الخطیب نے لکھا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمنوں نے انسانی تاریخ کے بہترین دور کو برا بھلا کہہ کر ہزاروں صفحات سیاہ کر دیئے ہیں اور مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنے کے لیے اپنا وقت اور اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیں۔ یہ اعتراضات اور الزامات اُن تاریخی کتابوں میں پائے جاتے ہیں جنہیں رافضیوں نے خود وضع کیا یا جن کی بعض روایات میں وہ شریک رہے۔ یہی مواد ان کی حدیث کی کتابوں، جیسے «الکافی» اور «بحار الأنوار» میں بھی ملتا ہے، نیز ان کے قدیم شیوخ کی تصانیف، جیسے «احقاق الحق» اور حدیث کے موضوع پر «الغدیر» میں بھی اس کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔یہی عام، ناپسندیدہ، تاریک اور سیاہ مواد مستشرقین اور دیگر دشمنانِ اسلام کی تحریروں کا بنیادی ماخذ بھی ہے۔

دوسرا مبحث: سیاسی میدان میں ان کے اثرات:

شیعی اصول اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عالمِ اسلام میں کسی بھی ریاست کی شرعی حیثیت کو تسلیم نہ کیا جائے، اور تمام مسلم حکمرانوں اور خلفاء کو طاغوت اوران کی حکومت کو غیر شرعی سمجھا جائے۔ وہ اس حکم سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتے، سوائے علی بن ابی طالب اور حسن بن علی علیہما السلام کی خلافت

کے۔جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، ان کی بعض روایات میں یہ بھی منقول ہے: ”ہر وہ جھنڈا جو قائم امام کے ظہور سے پہلے بلند کیا جائے، اس کا علمبردار طاغوت ہے۔“

امت مسلمہ کی گھات میں بیٹھے دشمن کے لیے ایسے عقیدے کے ماننے والوں کو استعمال کرنا آسان ہو جاتا ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے اپنے بہت سے مقاصد پورے کر سکے، کیونکہ یہ عقیدہ دوستی اور اطاعت کے خاتمے کا باعث بنتا ہے، اور مسلم حکمرانوں اور عوام کے خلاف دل میں دشمنی اور نفرت پیدا کرتا ہے۔

اس طرح اس عقیدے پر یقین رکھنے والے گروہ دشمن کے ہاتھ میں ایک تابع فرمان آلۂ کار بن سکتے ہیں، اور عقیدۂ تقیہ کی موجودگی میں ان کے لیے منصوبہ بندی اور خفیہ سرگرمیوں کو منظم کرنا آسان ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ ایک ”خفیہ سیل“ کی مانند بن جاتے ہیں جو باطن میں امت کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے ہیں۔

علاوہ ازیں جو شخص تاریخ کے واقعات اور جنگوں کا گہرائی سے مطالعہ کرے گا، وہ یہ ملاحظہ کرے گا کہ اس قسم کے عقائد رکھنے والے لوگ ان خطرناک ترین عناصر میں شامل رہے ہیں جنہوں نے اسلامی ریاست کو چاروں طرف

سے نقصان پہنچایا کیونکہ وہ ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے تھے جبکہ باطن میں ان کے دشمنوں کا ساتھ دیتے تھے۔

لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ جب ہلاکو خان سنہ ٦٥٨ ہجری میں شام میں داخل ہوا، تو وہ روافض جو شام میں تھے، مسلمانوں کی بادشاہت ختم کرنے، ان کا تسلط قائم کرنے اور ان کے حکم کے نفاذ میں اس کے سب سے بڑے مددگار اور معاون بنے تھے۔اسی طرح عام و خاص سب اس واقعے سے واقف ہیں جو عراق میں پیش آیا، جب ہلاکو خان وہاں آیا اور اس نے ایسی خونریزی کی جسے اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خلیفہ کے وزیر ابن العلقمی اور رافضہ ہی اس کے رازدار تھے، جنہوں نے مختلف خفیہ اور علانیہ طریقوں سے اس کی مدد کی۔ جن کی تفصیل طویل ہے۔

اس سے پہلے ہلاکو کے دادا چنگیز خان کی مدد میں بھی رافضیوں نے مسلمانوں کے خلاف اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا!

ابن تیمیہ نے فرمایا کہ اسی طرح وہ قدیم زمانے میں بیت المقدس پر نصاریٰ کے قبضے کے سب سے بڑے اسباب میں سے تھے، یہاں تک کہ مسلمانوں نے

اسے ان کے ہاتھوں سے آزاد کروا لیا۔(۱) اور اس باب میں گفتگو طویل ہے، کیونکہ تاریخ کی کتابیں ان تلخ اور دردناک واقعات کی عکاسی سے بھری پڑی ہیں۔

اگر یہ اثر ان افراد کا تھا جو اسلامی ریاست کے اندر رہ رہے تھے، تو ان باطنی ریاستوں کا اثر تو اس سے بھی کہیں زیادہ شدید تھا جو قائم ہوئیں۔ اسی لیے شیخ الاسلام نے بنو بویہ(۲) کی ریاست کے بارے میں کہا کہ اس ریاست نے مذموم مذاہب کی تمام اقسام کو اکٹھا کر لیا تھا: ان میں سے ایک گروہ زنادقہ تھا، اور ان میں بہت سے قرامطہ، فلسفی، معتزلہ اور رافضہ بھی موجود تھے۔ ان کے دور میں اہل اسلام اور اہل سنت کو ایسی کمزوری لاحق ہوئی جو پہلے کبھی نہ تھی، یہاں تک کہ نصاریٰ نے اسلام کی سرحدوں پر قبضہ کر لیا، اور ارض مصر،مشرق و مغرب وغیرہ میں قرامطہ پھیل گئےاور بہت سے واقعات رونما ہوئے۔(۳) چنانچہ آج تک ایران میں آیت اللہ حضرات کی حکومت کی طرف

---

(۱) منہاج السنہ، جلد ۴، صفحہ ۱۱۰۔

(۲) سنہ ۳۳۴ میں وہ عراق میں ظاہر ہوئی اور ایران کے کچھ حصوں میں ، اور سنہ ۴۳۷ میں مٹ گئی، اور اثنا عشریہ اسے اپنی ریاستوں میں شمار کرتے ہیں ۔دیکھئے: الشیعہ فی التاریخ ص ۹۸، والشیعہ فی المیزان ص ۱۳۸-۱۴۸۔

(۳) مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام جلد ۴، صفحہ ۲۲۔

سے، اور لبنان میں ان کی تنظیموں[1] اور خلیجی ممالک وغیرہ میں. ان کے خفیہ سیلوں کے ذریعے مسلمانوں کی سرزمین میں فتنے اٹھائے جا رہے ہیں۔

پاکستان میں شیعی شیوخ نے اسلامی شریعت کے نفاذ کی مخالفت کی[2]! چنانچہ شیعی رہنما مفتی جعفر حسین نے ایک پریس کانفرنس میں کہا: شیعہ اسلامی حدود کے نفاذ کو مسترد کرتے ہیں کیونکہ یہ اہل سنت کے مذہب کے مطابق ہوں گی۔[3]

⦿ تیسرا مبحث : سماجی میدان:

۱۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات:

شیعہ لوگ عام طور پر مسلمانوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں اور اپنی شناخت بھی اسلامی رکھتے ہیں۔ ظاہری طور پر ان میں اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان کوئی نمایاں فرق نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی اصل بنیاد نیکی، تعاون، ایثار اور ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے۔لیکن وہ طرزِ فکر (منہج) جو اہلِ

---

(۱) دیکھئے: امل والمخیمات الفلسطینیہ از ڈاکٹر محمد غریب۔

(۲) دیکھئے: مظالم الشیعہ صفحات ۹-۱۰۔

(۳) الانباء الکویتیہ، مورخہ یکم مئی سنہ ۱۹۷۹۔

بیت کی طرف منسوب کردہ بعض جھوٹی اور من گھڑت روایات پر قائم ہو وہ اسلامی معاشرے کی اس مضبوط بنیاد کو کمزور کرنے کا باعث بنتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت اس بات سے کہیں زیادہ عادل اور انصاف پسند ہیں کہ وہ لوگوں پر ظلم کریں، حتیٰ کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ بھی نہایت احتیاط اور دیانت کا مظاہرہ کرتے ہیں جو عقیدے یا مذہب میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں، جیسا کہ تاریخی شواہد بھی اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہلِ سنت رافضیوں کے ساتھ خود ان کے اپنے لوگوں سے بھی بڑھ کر حسنِ سلوک اور عدل و انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا وہ خود بھی اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ وہ انصاف کرتے ہیں جو ہمارےلوگ بھی باہم ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کرتے۔''(۱)

مجھے الکافی میں ایک نہایت اہم عبارت ملی جو اس حقیقت کی تائید کرتی ہے اور ابن تیمیہ کے کلام کی صداقت کا اعتراف کرتی ہے، اور اعتراف کو دلائل میں سب سے قوی دلیل شمار کیا جاتا ہے۔چنانچہ الکافی میں مروی ہے کہ ایک عبد اللہ بن کیسان نامی شیعہ اپنے امام سے عرض کرتا ہے کہ میں فارس (ایران) کی

(۱) منہاج السنہ، جلد ۳، صفحہ ۳۹۔

سرزمین میں پرورش پایا ہوں اور تجارت ودیگر معاملات میں لوگوں سے میل جول رکھتا ہوں توبسا اوقات میں کسی ایسے شخص سے ملتا ہوں جس میں حسنِ سلوک[۱]، عمدہ اخلاق اور عزِ معمولی اماتت داری ہوتی ہے مگر تحقیق کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ وہ ہمارے مخالفین ـــــیعنی اہلِ سنت ـــــمیں سے ہے اور کبھی میں کسی ایسے شخص سے ملتا ہوں جس میں بد اخلاقی، خیانت اور بدکرداری[۲] ہوتی ہے مگر جب اس کی حقیقت معلوم کرتا ہوں تو وہ آپ کی ولایت کے قائلین میں سے ہوتا ہے۔[۳] تو یہ روایت اہلِ سنت کے حق میں حسنِ اخلاق، کثرتِ امانت ودیانت اور عمدہ طرزِ عمل کا واضح اعتراف ہے، جبکہ اس میں بعض شیعہ افراد کو ان کے برعکس اوصاف سے متصف قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح ایک اور شیعہ، عبد اللہ بن ابی یعفور بھی اہلِ سنت کے اخلاق اور اپنے گروہ کے اخلاق کے درمیان نمایاں فرق دیکھ کر اپنی حیرت چھپا نہ سکا۔ چنانچہ اس نے اپنے امام کے سامنے یہ بات رکھتے ہوئے کہا: ''میں لوگوں سے ملتا ہوں تو ان گروہوں کو دیکھ کر میری حیرت بڑھ جاتی ہے جو آپ کی ولایت کے قائل

---

(۱) نیک لوگوں جیسی وضع قطع / الکافی کا حاشیہ، جلد ۲، صفحہ ۴۔

(۲) الدعارۃ۔یعنی برا اخلاق۔ الکافی کے بعض نسخوں میں ہے کہ الدعارۃ سے مراد: فساد، فسق و فجور اور خباثت ہے۔

(۳) اصول الکافی، جلد ۲، صفحہ ۴، تفسیر نور الثقلین، جلد ۴، صفحہ ۴۷۔

بھی نہیں ہیں بلکہ وہ فلاں فلاں (یعنی آپ کے سوادوسروں) کی ولایت کا دم بھرتے ہیں۔[۱] اوران کے اندر امانت داری، سچائی اور وفاشعاری پائی جاتی ہے، جبکہ وہ لوگ جو آپ کی ولایت کے قائل ہیں——یعنی شیعہ——ان میں نہ امانت ہے، نہ وفاداری اور نہ سچائی۔'' راوی بیان کرتا ہے کہ اس پر ابو عبد اللہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور میری طرف غصے سے متوجہ ہوئے ، پھر فرمایا: اس شخص کا کوئی دین نہیں جس نے اللہ کی اطاعت کسی ایسے ظالم امام کی ولایت کے ساتھ کی جو اللہ کی طرف سے نہ ہو، اور اس پر کوئی ملامت نہیں جس نے اللہ کی اطاعت کسی ایسے عادل امام کی ولایت کے ساتھ کی جو اللہ کی طرف سے ہو۔ میں نے عرض کیا: کیا واقعی ان لوگوں کا کوئی دین نہیں اور ان پر کوئی ملامت نہیں؟ فرمایا: جی ہاں۔[۲]

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ جواب شیعہ سے ملامت اور مواخذہ کی نفی کرتا ہے خواہ وہ سنگین گناہوں ہی کا ارتکاب کیوں نہ کرتے رہیں۔ یہی تصور انہیں برے اخلاق اور بداعمالیوں کے ارتکاب میں لا پروا بنا دیتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک

---

(۱) فلاں اور فلاں سے مراد: ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ جیسا کہ الکافی کے شارحین نے کہا ہے، اور یہ اہل سنت کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) اصول الکافی، جلد ا، صفحہ ۳۷۵۔

اصل نیکی صرف ''امام کی ولایت اور علی رضی اللہ عنہ کی محبت'' ہے، اور وہ اسے ایسی نیکی سمجھتے ہیں کہ جس کے ہوتے ہوئے کوئی برائی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ لہٰذا جب تک یہ بنیادی عقیدہ برقرار رہے گا، یہ مخصوص طرزِ فکر بھی ان میں قائم رہے گا۔

اللہ المستعان... اس قسم کی من گھڑت اور بے بنیاد روایات نے لوگوں کے اخلاق کو کس قدر بگاڑ دیا ہے، مروّت وشرافت کو ختم کر دیا، برائیوں کو عام کر دیا اور باہمی تعلقات کو ریزہ ریزہ کردیا ! بلکہ ان روایات میں آپ کو بعض ایسی باتیں بھی ملیں گی جو خفیہ طور پر قتل کرنے اور مخالفین کو دھوکے سے ختم کرنے جیسے اصول بھی طے کرتی ہیں، بشرطیکہ شیعہ خود کو کسی نقصان سے محفوظ رکھے! چنانچہ داؤد بن فرقد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا: '' آپ ناصبی کے قتل کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: اس کا خون حلال ہے، لیکن میں تمہارے بارے میں فکر مند ہوں۔ البتہ اگر تمہیں اس پر دیوار گرانے یا اسے پانی میں غرق کرنے کی طاقت حاصل ہو تو ایسا کر گزروتاکہ وہ تمہارے خلاف کوئی گواہی نہ دے سکے۔''(۱)

(۱) علل الشرائع، صفحہ ۲۰۰، وسائل الشیعہ، جلد ۱۸، صفحہ ۴۶۳، بحار الانوار جلد ۲۷، صفحہ ۲۳۱۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی من گھڑت روایات بعض بیمار دل افراد تک اپنا راستہ بنالیتی ہیں جیساکہ رجال الکشی میں ہے: ایک شیعہ اپنے امام کو بیان کرتا ہے کہ اس نے کیسے مخالفین کے ایک گروہ کو قتل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ وہ کہتا ہے: ''ان میں سے بعض وہ تھے جن کی چھت پر میں سیڑھی کے ذریعے چڑھتا تھا تاکہ انہیں قتل کرسکوں، اور بعض وہ تھے جنہیں میں نے رات کے وقت ان کے دروازے پر پکارا، جب وہ میری طرف نکلے تو میں نے انہیں قتل کر دیا، اور کچھ وہ تھے جن کا میں راستے میں ساتھی بنا ، تو موقع ملتے ہی میں نے انہیں قتل کردیا۔[1] اس نے بتایا کہ اس نے اس طرح سے تیرہ (۱۳) مسلمانوں کو قتل کیا، اس لیے کہ اسے شبہ تھا کہ وہ علی علیہ السلام سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔''[2]

ان کے عالم نعمت اللہ الجزائری کہتے ہیں کہ ان کی روایات میں مروی ہے: شیعی وزیر علی بن یقطین[3] ـــ جو خلیفہ الرسشذ کا وزیر تھا ـــ اس نے اپنے

(۱) رجال الکشی: صفحات ۳۴۲۔۳۴۳۔

(۲) رجال الکشی: صفحات ۳۴۲۔۳۴۳۔

(۳) الجزائری نے اس کا وصف بیان کیا ہے کہ وہ شیعہ کے خاص لوگوں میں سے تھا۔الانوار النعمانیہ: جلد۲،صفحہ۳۰۸، اور الطبری نے ذکر کیا ہے کہ اسے زندقہ (یعنی بے دینی) کی بنیاد پر قتل کیا گیا۔

قید خانے میں مخالفین کے ایک گروہ کو قید کیا۔ پھر اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ قید خانے کی چھتیں ان پر گرا دو، جس سے تقریباً پانچ سو (۵۰۰) افراد جاں بحق ہو گئے، بعد میں اس نے اس خون کے بوجھ سے نجات کے لیے امام کاظم علیہ السلام کو پیغام بھیجا۔ امام صاحب نے جواب میں فرمایا: «اگر تم قتل سے پہلے میری طرف رجوع کرتے تو ان کے خون کا بوجھ تم پر نہ ہوتا۔ چونکہ تم نے میری طرف رجوع نہیں کیا، اس لیے ہر قتل شدہ شخص کے بدلے ایک بکرے کا کفارہ ادا کرو! اور بکرا بھی اس سے بہتر ہے۔»(۱)

آپ ان روایات پر غور کیجیے جو غالی شیعہ اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں جو کہ قتل کے لیے ادنیٰ ترین موقع کی تلاش میں رہنے کی دعوت دیتی ہیں! یہاں ان کا امام پانچ سو مسلمانوں کو محض اس بنیاد پر قتل کرنے کی تائید کر رہا ہے کہ وہ اس کے ہم عقیدہ نہیں تھے! اوران کے کفارے کے لیے ایک بکرا ذبح کرنے کا حکم دے رہاہے کیونکہ اس نے اس سے پہلے اس کی اجازت نہیں لی تھی... لٰہذا شیعہ شخص جب اپنے امام یا اس کے نائب یعنی فقیہ سے اجازت لے لے تو پھر وہ جو چاہے کرےاور اگر اس نے اجازت نہ لی ہو تو یہ معاملہ ایک بکرا ذبح کرنے سے آگے تجاوز نہیں کرے گا۔ اور وہ بکرا بھی

(۱) الانوار النعمانیہ جلد ۲، صفحہ ۳۰۸۔

مقتول سے بہتر ہے۔

ان کے عالم عالم الجزائری نے بکرے کی دیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ بہت بھاری ہے، کیونکہ یہ نہ تو ان کے چھوٹے بھائی یعنی شکاری کتے کی کی دیت بیس (۲۰) درہم کے برابر ہے اور نہ ہی ان کے بڑے بھائی یعنی یہودی یا مجوسی کی دیت آٹھ سو (۸۰۰) درہم کے برابر ہے، اور آخرت میں ان کا حال اور زیادہ رسوا کن اور ناپاک ہوگا۔[۱] یہ قول اس قدر گھٹیا اور بے وقعت ہے کہ مزید کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔

۲- اندرونی فتنے:

جب سے آل بویہ نے چوتھی صدی ہجری میں بغداد میں مقتلِ حسین کی یاد میں ماتم کرنا شروع کیا ہے، غالی شیعہ اس سالانہ موقع پر بے پناہ فتنے کھڑے کرتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم کی جسارت کے باعث اہلِ سنت اور شیعوں کے درمیان شدید تصادم چھڑ جاتا ہے۔ سنہ ۳۳۸ ہجری میں بغداد میں پہلا بڑا فتنہ برپاہوا[۲] اس کے بعد ان دونوں کے دریمان لگاتار جھڑپیں

(۱) الانوار النعمانیہ: جلد ۲، صفحہ ۳۰۸۔

(۲) عبد الرزاق الحصان، المہدی والمہدویہ، صفحہ ۷۴۔

اور فسادات برپا ہوتے رہے۔(۱) جن میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد قتل ہوئی۔

غالی شیعہ آج بھی ایسے مواقع کو مختلف ممالک میں فتنے بھڑکانے کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔ کچھ صحابہ کرام پر لعن وطعن کرتے ہیں، کچھ امہات المؤمنین پر تبرا بازی کرتے ہیں، اور بعض تاریخ کو کرید کر ایسے واقعات اور خبریں پیش نکالتے ہیں جو ان کے ذاتی مزاج کے مطابق ہوں تاکہ لوگوں میں تفرقہ و انتشار پھیلے۔ پھر وہ اہل سنت پر حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی ذمہ داری ڈالتے ہیں ۔ افسوس کہ اس طرح کے منبر و محراب پھرتباہی کی کدال اور فتنوں کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔

۳۔ اخلاقی برائیاں:

شیعی علماء دونوں جنسوں(مردو عورت) کے درمیان نکاح کی شرائط کا لحاظ کیے بغیر وقتی جنسی تعلقات قائم کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔جسے متعہ کا نام دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ طوسی نے صراحت کی ہے کہ (لڑکی) کے باپ کی اجازت، گواہوں کی موجودگی اور کسی قسم کے اعلان کے بغیر بھی متعہ کرنا جائز

(۱) دیکھئے—مثال کے طور پر—سنہ (۴۰۶، ۴۰۸، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۵، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۶، ۵۱۰) ہجری کے واقعات 'البدایہ والنہایہ اور دیگر تاریخی کتب میں۔

ہے۔[1] نوجوان یہ فعل ہر اُس عورت کے ساتھ قائم کر سکتا ہے جو اس کی رضا مندی سے اتفاق کرلے، چاہے وہ بدکارہ ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ طوسی کے قول کے مطابق: ''فاجرہ سے متعہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔''[2] اور خمینی نے کہا: ''زانیہ سے متعہ کرنا جائز ہے۔''[3] کیا ایسے فتوے نوجوانوں میں پاکدامنی اور عفت کو فروغ دیں گے ، یا اس کے برعکس ؟

جیسا کہ بعض روایات اور فتووں میں شادی شدہ عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے میں نرمی اختیار کی گئی ہے۔ ان کی بعض روایات میں ہے کہ محمد بن عبد اللہ اشعری نے رضا علیہ السلام سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے شادی کر لے اور بعد میں دل میں یہ خیال آئے کہ اس کا تو شوہر ہے، تو انہوں نے کہا: اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔

اان کے دعوے کے مطابق، جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ فلاں نے ایک عورت سے نکاحِ متعہ کیا، پھر اسے بتایا گیا کہ اس کا شوہر موجود ہے۔ جب اس نے عورت سے پوچھا، تو ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا:اس نے

---

(۱) النھایہ، صفحہ ۴۹۰۔

(۲) النھایہ، صفحہ ۴۹۰۔

(۳) تحریر الوسیلہ، جلد ۲، صفحہ ۲۹۲۔

اس عورت سے کیوں پوچھا؟[۱] اور ان کے شیخ طوسی نے فرمایا: کہ آدمی پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اس سے پوچھے کہ کیا اس کا شوہر ہے یا نہیں۔[۲] ان کے قول کے مطابق: ممکن ہے کہ وہ اس کے ساتھ ایک دن یا ایک بار یا دو بار متعہ کرنے پر اتفاق کر لے۔[۳]

جو شخص شیعی روایات کا مطالعہ کرتا ہے، وہ بخوبی محسوس کرسکتا ہے کہ یہ روایات عورتوں اور مردوں کو زبردستی متعہ کی طرف ابھار رہی ہیں اوران میں اس سے متعلق ایسی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں جو عظیم ترین عبادات کے لیے بھی نہیں بیان کی گئیں۔ان کی ایسی ہی ایک روایت میں ہے جسے وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے ایک بار متعہ کیا اس کا درجہ حسین علیہ السلام کے درجے جیسا ہے، جس نے دو بار متعہ کیا اس کا درجہ حسن علیہ السلام کے درجے جیسا ہے، جس نے تین بار متعہ کیا اس کا درجہ علی علیہ السلام کے درجے جیسا ہے، اور جس نے چار بار متعہ کیا اس کا درجہ میرے درجے جیسا ہے۔[٤]

---

(۱) وسائل الشیعہ جلد ۱۴، صفحہ ۴۵۷، بحوالہ : تہذیب الاحکام ، جلد ۲، صفحہ ۱۸۷۔

(۲) النھایہ صفحہ ۴۹۰۔

(۳) دیکھئے: طوسی کی النھایہ ، صفحہ ۴۹۱، خمینی کی تحریر الوسیلہ ، جلد ۲، صفحہ ۲۹۰۔

(۴) تفسیر منہج الصادقین ، صفحہ ۳۵۶۔

ایسی روایات پر من گھڑت ہونے اور جھوٹی ہونے کے آثار واضح ہیں، بھلا کیا یہ عقل مان سکتی ہے کہ ایک مسلمان چار جنسی تعلقات قائم کرنے کے بعد نبی ﷺ کے درجے تک پہنچ جائے؟ اور اس کے برعکس: جو شخص متعہ سے بچتا ہے (پاک رہتا ہے) تو اس کے لیے قیامت کے دن ہلاکت ہے۔ اس بارے میں ان کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص دنیا سے اس حال میں چلا گیا کہ اس نے متعہ نہ کیا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ وہ "اجذع" ہوگا یعنی اس کی ناک اور کان کٹے ہوئے ہوں گے۔(۱)

معاملہ اس وقت حد سے مزید بڑھ جاتا ہے جب خواتین کے ساتھ غیر فطری فعل (لواطت) کو مباح قرار دینے والے فتوے پیش کیے جائیں۔ مثال کے طور پر، خمینی نے کہا کہ سب سے مضبوط اور راجح قول یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ دبر سے ہمبستری جائز ہے۔(۲) جبکہ اس کے مدمقابل اہل سنت کا اس بارے میں قول یہ ہے: اپنی بیوی کے ساتھ غیر فطری فعل (لواطت) کو حلال سمجھنا جمہور کے نزدیک کفر ہے۔(۳)

---

(۱) تفسیر منہج الصادقین، صفحہ ۳۵۶۔

(۲) تحریر الوسیلہ: جلد ۲، صفحہ ۲۴۱۔

(۳) الاشباہ والنظائر از ابن نجیم: صفحہ ۱۹۱۔

وہ متعہ کو صرف شیعہ کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے، بلکہ ان کا امام یہ نصیحت کرتا ہے کہ اہل سنت کی خواتین کو متعہ کی پیشکش کی جائے[1] اسی طرح یہودی و عیسائی خواتین کو بھی۔[2]

◉ چوتھا مبحث: معاشی میدان:

شیعہ کے ذمہ داران اپنے پیروکاروں کے مال حاصل کرنے میں اس دعوے کے ساتھ حریص ہیں کہ «خمس» اہلِ بیت کا حق ہے۔ تاہم سوال یہ ہے کہ آیا یہ مال واقعی فقراء اور ضرورت مندوں تک پہنچتا ہے، یا خمس کے فنڈ صرف عالم اسلام میں انتہا پسند اور مسلح شیعی تحریکوں کی مدد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں؟ اس کے علاوہ، یہ فنڈ اب ان اشاعتی اداروں کو ایندھن فراہم کر رہے ہیں جو ہر سال سینکڑوں کتابیں شائع کرتے ہیں جن میں شکوک و شبہات کے ساتھ ساتھ امت کی معززترین شخصیات پر طعن و تنقید کی جاتی ہے۔

ملاؤں نے خمس کے نام پر وصول کیے جانے والے اس مالی معاملے پر خاص توجہ مرکوز کر رکھی ہے، اسے غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس شخص

(۱) دیکھئے: وسائل الشیعہ، جلد ۱۴، صفحہ ۴۵۲، فروع الکافی: جلد ۲، صفحہ ۴۴۔

(۲) دیکھئے: وسائل الشیعہ، جلد ۱۴، صفحہ ۴۵۲، تہذیب الاحکام، جلد ۲، صفحہ ۱۸۸، من لا یحضرہ الفقیہ، جلد ۲، صفحہ ۱۴۸۔

کو کافروں میں شمار کرتے ہیں جو اس مال میں سے ایک درہم روکنے کو بھی حلال سمجھے! ان کا کہنا ہے: ''جس نے اس مال میں سے ایک درہم یا اس سے کم بھی روک لیا، وہ اہل بیت پر ظلم کرنے والوں اور ان کا حق غصب کرنے والوں میں شمار ہوگا، اور جو اسے جائز سمجھے، وہ کافروں میں سے ہوگا۔'' ابو بصیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کم ترین عمل کون سا ہے جس کے سبب بندہ آگ میں داخل ہوگا؟ آپ نے فرمایا:جو یتیم کے مال میں سے ایک درہم کھائے، اور وہ یتیم ہم ہی ہیں۔[۱]

اسلامی فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا «خمس» کے عنوان سے کوئی الگ کتاب نہیں پائے گا بلکہ اسے کتاب الجہاد میں مالِ غنیمت کے پانچویں حصے کا ذکر ملے گا، اور کتاب الزکوٰۃ میں جاہلیت کے مدفون مال اور معدنیات کے پانچویں حصے کا ذکر ملے گا۔

لیکن ان کے ہاں معاملہ مختلف ہے، کیونکہ خمس کا ایک الگ باب موجود ہے، جس میں انہوں نے اپنے پیروکاروں پر ان چیزوں میں بھی خمس واجب قرار دے دیا جو سال بھر کے معمولی ٹیکس سے بچ جائیں، جیسے تجارتی منافع، تمام

(۱) العروۃ الوثقیٰ از یزدی، جلد ۲، صفحہ ۳۶۶۔اس کے حاشیہ میں اس دور کے ان کے مراجع کے تبصرے درج ہیں۔

کمائیاں۔ چاہے وہ صنعت، زراعت، کرایہ داری ہوں یا سلائی، لکھائی، بڑھئی کے کام، شکار، مباح اشیاء کے حصول، حج، روزہ، نماز کی ادائیگی پر حاصل شدہ اجرت، زیارتیں، بچوں کی تعلیم ہو یا اس طرح کے دیگر کام ہی کیوں نہ ہوں جن پراجرت لی جاتی ہے۔(۱) انہوں نے مزید کہا کہ ایحلط اسی میں ہے کہ خمس ہر قسم کے فائدے پر لاگوہوتا ہے، چاہے وہ کمائی کے ذریعے حاصل نہ بھی ہوا ہو، جیسے ہبہ، تحفہ، انعام، یا وصیت کے ذریعے ملنے والا مال وغیرہ۔(۲) اسی طرح انہوں نے اصل سرمایہ اور روزگار کے لیے درکار آلات پر بھی خمس نکالنے کو محتاط عمل قرار دیا، جیسے بڑھئی کے لیے اوزار، جولاہے کے لیے بنائی کی مشین، کسان کے لیے کھیتی باڑی کے آلات، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ پہلے ان کا بھی خمس نکالا جائے۔(۳) یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی ضرورت کے لیے خریدی اور ذخیرہ کی گئی گندم، جَو اور اس جیسی دیگر اشیاء میں سے کچھ بچا لے، تو سال مکمل ہونے پر اس کا بھی خمس نکالنا واجب ہے... اور اگر وہ بستر، برتنوں، کپڑوں، غلام، گھوڑوں، کتابوں اور ایسی استعمال کی چیزوں سے بے نیاز ہو جائے جو باقی رہنے والی ہیں، تو احتیاط اسی میں ہے

(۱) العروۃ الوثقیٰ، جلد ۲، صفحہ ۳۸۹۔

(۲) العروۃ الوثقیٰ، جلد ۲، صفحہ ۳۸۹۔

(۳) العروۃ الوثقیٰ، جلد ۲، صفحہ ۳۹۴-۳۹۵۔

کہ ان کا بھی خمس نکالا جائے...۔ [1]

- اور یہ حاصل شدہ سارا مال کسے دیا جائے؟

ان کا کہنا ہے کہ غیبوبت کے زمانے میں یہ مال شیعی فقیہ کو ادا کیا جائے گا[2]، چنانچہ خمس نکالنے والے اب اسے اپنے فقہاء کو دیں گے؛ کیونکہ ان کے نزدیک خمس کو چھ (٦) حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: ایک حصہ اللہ کے لیے، ایک نبی ﷺ کے لیےاور ایک امام کے لیے—یہ تینوں حصے اس وقت "صاحب الزمان" یعنی ان کے مہدی منتظر کے لیے شمار ہوتے ہیں جو غَیبوبت میں ہیں[3] اور ان کے حصے کا مستحق اس زمانے میں شیعی فقیہ قرار دیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ خمس کا جو نصف حصہ امام کے لیے ہےغیبوبت کے زمانے میں اس کا اختیار اس کے نائب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور یہ نائب وہ مجتہد ہوتا ہے جو مقررہ شرائط پر پورا اترتا ہے۔[4]

---

(۱) العروۃ الوثقیٰ، جلد ۲، صفحات ۳۹۵-۳۹۶۔

(۲) النور الساطع از علی کاشف الغطا ، غیبوبت کے زمانے میں فقیہ کو خمس دینے کا وجوب ، جلد ۱، صفحہ ۴۳۹۔

(۳) العروۃ الوثقیٰ: جلد ۲، صفحہ ۴۰۳؛ ہدیۃ العباد: صفحہ ۱۷۸۔

(۴) العروۃ الوثقیٰ: جلد ۲، صفحہ ۴۰۵؛ ہدیۃ العباد: صفحہ ۱۷۹۔

اور باقی تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں، تاہم انہوں نے ان کے لیے ایمان کی شرط عائد کی ہے، یعنی یہ کہ وہ ان کے نزدیک شیعہ ہوں کیونکہ ان کے دعوے کے مطابق ایمان کا اطلاق صرف انہی پر ہوتا ہے۔ مزید برآں، اس دوسرے نصف حصے کے بارے میں جو ان تینوں طبقات پر خرچ ہونا ہے' انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ زیادہ محتاط بات یہی ہے کہ اسے بھی مجتہد کے حوالے کیا جائے۔ (۱)

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ مال ان کے شیوخ کے حوالے کیا جاتا ہے تاکہ وہ اس میں سے خود پر اور مذکورہ تین طبقات پر خرچ کریں۔ چنانچہ کتاب ''النور الساطع'' میں مذکور ہے کہ فقیہ خمس کا آدھا حصہ خود لے گا، اور باقی آدھا حصہ ضرورت کے مطابق تقسیم کرے گا،اگر اس میں سے کچھ بچ جائے تو وہی اس کا حق دار ہوگا ، اور اگر کمی واقع ہو جائے تو وہ اسے اپنے حصے سے پورا کرے گا۔ (۲)

ڈاکٹر علی سالوس بیان کرتے ہیں کہ موجودہ جعفری طرزِ عمل میں یہ دیکھا گیا ہے کہ جو شخص حج کا ارادہ کرے، وہ اپنے تمام سرمائے کی قیمت کا اندازہ

---

(۱) العروۃ الوثقیٰ: جلد ۲، صفحہ ۴۰۵؛ ہدیۃ العباد: صفحہ ۹۱۷۔

(۲) النور الساطع جلد۱ صفحہ ۴۳۹۔

لگائے، پھر اس کا خمس (پانچواں حصہ) ان فقہاء کو ادا کرے جنہوں نے اس کے وجوب کا اور اسے ادا نہ کرنے والے کے حج قبول نہ ہونے کا فتویٰ دے رکھا ہے۔ (۱)

خمس کے بارے میں یہ عقیدہ ان کے ہاں دراصل عقیدۂ امامت کے اثرات میں سے ہے، جس کی بنیاد اس نظریے پر ہے کہ تمام مال امام کا حق ہے۔ ان کے علماء نے اس نظریے کو قدیم زمانے میں شروع کیا تھا، اور آج تک اس پر عمل جاری ہے۔ حالانکہ اس طریقے سے خمس کی وصولی کا یہ تصور ایک ایسی ایجاد کردہ بدعت ہے جس کی نہ تو نبی ﷺ کے عہد میں کوئی اصل ملتی ہے، نہ خلفائے راشدین کے دور میں، بلکہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اس کا کوئی وجود نہیں ملتا ۔ وہ جن کے شیعہ (پیروکار) ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔

(۱) اِثر الامامۃ فی الفقہ الجعفری: صفحہ ۳۹۱۔

چوتھی فصل

صحابہ کرام پر طعن وتشنیع کرنے والوں کے بارے میں علماء کے اقوال

امام مالک نے فرمایا: وہ شخص جو نبی ﷺ کے اصحاب کو برا بھلا کہتا ہے، اس کااسلام میں کوئی نام (ومقام) نہیں ـــــ یا انہوں نے فرمایا: اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔[1] اللہ تعالیٰ کافرمان ہے:

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡۖ تَرَىٰهُمۡ رُكَّعٗا سُجَّدٗا يَبۡتَغُونَ فَضۡلٗا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضۡوَٰنٗاۖ سِيمَاهُمۡ فِي وُجُوهِهِم مِّنۡ أَثَرِ ٱلسُّجُودِۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمۡ فِي ٱلتَّوۡرَىٰةِۚ وَمَثَلُهُمۡ فِي ٱلۡإِنجِيلِ كَزَرۡعٍ أَخۡرَجَ شَطۡـَٔهُۥ فَـَٔازَرَهُۥ فَٱسۡتَغۡلَظَ فَٱسۡتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِۦ يُعۡجِبُ ٱلزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ ٱلۡكُفَّارَ

(۱) السنۃ از خلال: جلد ۲، صفحہ ۵۵۷، الرسالہ کے محقق کے مطابق اس کی سند صحیح ہے۔

”محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں،اور وہ جو ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت (اور) آپس میں رحم دل ہیں۔ تم انہیں رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھو گے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔ ان کی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے؛ یہ ان کی مثال تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی (سخت) ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی، کسانوں کو خوش کرتی ہے تاکہ ان (صحابہ) کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے۔“ [الفتح: ۲۹]۔ ابن کثیر فرماتے ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت منقول ہے کہ انہوں نے اسی آیت سے ان رافضیوں کے کفر کا حکم اخذ کیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ صحابہ کرام کافروں کو غصہ دلاتے ہیں، لہٰذا جو شخص صحابہ پر غصہ کرے وہ اس آیت کے تحت کافر ہے۔ اور علماء کے ایک گروہ نے بھی ان کے اس موقف کی تائید کی ہے۔(۱)

امام احمد بن حنبل سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو ابوبکر، عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو گالی دیتا ہے؟ توانہوں نے فرمایا: ”میں ایسے شخص کو

(۱) تفسیر ابن کثیر جلد ۴، صفحہ ۲۱۹۔

اسلام پر قائم نہیں سمجھتا۔''[1] اور انہوں نے یہ بھی فرمایا:''جس نے نبی ﷺ کے صحابہ کو برا بھلا کہا، ہمیں اس کے دین سے خارج ہونے کا اندیشہ ہے۔''[2]

امام بخاری نے فرمایا: ''مجھے کوئی پروا نہیں کہ میں جہمی اور رافضی کے پیچھے نماز پڑھوں یا یہود و نصاریٰ کے پیچھے نماز پڑھوں (یعنی سب برابر ہیں)، اور نہ انہیں سلام کیا جائے، نہ ان سے تعلق و دوستی رکھی جائے، نہ ان سے نکاح کیا جائے، نہ ان کی گواہی قبول کی جائے، اور نہ ہی ان کے ذبیحے کھائے جائیں۔''[3]

ابو حامد الغزالی نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص کھلے طور پر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو کافر کہے، تو اس نے امت کے اجماع (متفقہ عقیدے) کی مخالفت کی اور اسے توڑ دیا۔ اس نے ان تمام دلائل کو بھی رد کر دیا جو ان کے جنتی ہونے، ان کی تعریف و توصیف، ان کے دین کے درست ہونے، ان کے پختہ یقین، اور تمام لوگوں پر ان کی برتری کے بارے میں بکثرت موجود ہیں۔'' اورمزید فرماتے ہیں: ''وہ شخص جس تک وہ تمام روایات اور دلائل پہنچ چکے ہوں پھر

---

(۱) السنۃ از خلال: جلد ۲، صفحہ ۵۵۷۔

(۲) السنۃ از خلال: جلد ۲، صفحہ ۵۵۸۔

(۳) خلق اِفعال العباد: ص ۱۲۵۔

اس کے باوجود وہ ان کے کفر کا عقیدہ رکھے تو بذاتِ خود کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی بات کو جھٹلایا، اور جو شخص نبی ﷺ کی کسی ایک بات کا بھی انکار کرے وہ سب کے نزدیک بالاتفاق کافر ہے۔''(۱)

امام نووی نے فرمایا: ''صحیح اور راجح قول، جس کے اکثر علماء اور محققین قائل ہیں وہ یہ ہے کہ خوارج کی تکفیر نہیں کی جائے گی بلکہ ان کا حکم دیگر اہلِ بدعت کی طرح ہے۔''(۲) اس عبارت سے ملا علی قاری نے یہ سمجھا کہ امام نووی رافضیوں کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں کیونکہ وہ بھی اہلِ بدعت میں شامل ہیں تاہم انہوں نے وضاحت کی کہ رافضیوں کا مذہب وقت کے ساتھ بدلتا رہا ہے اور بعد کے زمانے کے رافضی پہلے لوگوں جیسے نہیں رہے لہٰذا ہمارے زمانے کے رافضی وہ نہیں ہیں جن کے بارے میں امام نووی نے کلام کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ عدمِ تکفیر کا حکم ہمارے دور کے رافضیوں پر لاگو نہیں ہوتا، کیونکہ وہ صرف اہلِ سنت ہی نہیں بلکہ اکثر صحابہ کرام کے کفر کے قائل ہیں، اس لیے بالاتفاق ان کے کفر پر اجماع ہے۔(۳)

---

(۱) فضائح الباطنیہ: صفحہ ۱۴۹۔
(۲) شرح صحیح مسلم از نووی، جلد ۲ ص ۵۰۔
(۳) مرقاۃ المفاتیح: جلد ۹، صفحہ ۱۳۷۔

قاضی ابو یعلیٰ نے رافضیوں کے بارے میں شرعی حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی شخص صحابہ کرام کو کافر قرار دے یا ان پر ایسے فسق کی تہمت لگائے جس کا نتیجہ انہیں جہنمی کہنا ہو، تو ایسا شخص خود کافر ہوتا ہے۔[1]

- فخر الدین رازی ذکر کرتے ہیں کہ ان کے اشعری ساتھی تین وجوہات کی بنا پر رافضیوں کی تکفیر کرتے ہیں:

پہلی وجہ کہ انہوں نے مسلمانوں کے بڑے پیشواؤں (صحابہ) کو کافر کہا ہے، حالانکہ جو کسی مسلمان کی تکفیر کرے وہ خود کافر ہو جاتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی اپنے بھائی سے کہے: اے کافر! تو یہ بات دونوں میں سے ایک پر لوٹتی ہے۔“، اس لیے ان کی تکفیر لازم ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ان ہستیوں کی تکفیر کی جن کی تعریف اور عظمت کی رسول اللہ ﷺ نے صراحت فرمائی ہے، تو یہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے۔

تیسری وجہیہ کہ مسلمانوں کے سردار صحابہ کی تکفیر کرنے والے کی تکفیر پر امت کا اجماع ہے ۔[2]

---

(۱) المعتمد: صفحہ ۲۶۷۔

(۲) نہایۃالعقول از رازی، ورق نمبر ۲۱۲ (قلمی نسخہ)۔

اورابن تیمیہ نے فرمایا: ’’جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ قرآن کی کچھ آیات کم ہیں یا چھپا دی گئی ہیں یا یہ کہ اس کی باطنی تاویلیں ایسی ہیں جو شرعی اعمال کو بے اثر کرتی ہیں تو اس کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور جو یہ کہے کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مرتد ہو گئے تھے' سوائے چند افراد کے جن کی تعداد بیس تک بھی نہیں پہنچتی، یا یہ کہ ان کی اکثریت فاسق تھی ' تو اس کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں، کیونکہ یہ ان قرآنی نصوص کو جھٹلانے والا ہے جن میں صحابہ سے راضی ہونے اور ان کے بارے میں تعریف وثنا کا بیان ہے۔بلکہ جو اس طرح کے انسان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے ، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت کو نقل کرنے والے کافر یا فاسق تھے، جبکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ ’’تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے۔‘‘ [آل عمران: ۱۱۰]۔ اور اس امت کا سب سے بہتر زمانہ قرنِ اول تھا؛ لہٰذا یہ کہنا کہ اس کے عام لوگ کافر یا فاسق تھے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ امت تمام امتوں سے بُری ہے۔‘‘[۱]

---

(۱) الصارم المسلول، صفحات ۵۸۶ــ۵۸۷۔

لیکن شیخ الاسلام اگرچہ ان افکار کے حاملین کی تکفیر کرتے ہیں، مگر ان کے ہاں کسی متعین شخص کی تکفیر کے لیے حجت کا قائم ہونا اور پیغام کا پہنچنا شرط ہے۔ اسی لیے انہوں نے ان رافضیوں کے بارے میں فتویٰ دیا جو گرفتار ہوچکے تھے، آپ نے فرمایا: ''شام کے ساحل پر ایک بڑا پہاڑ تھا جس میں ہزاروں رافضی رہتے تھے جو لوگوں کا خون بہاتے اور ان کے مال چھین لیتے تھے۔ انہوں نے ایک بڑی تعداد کو قتل کیا اور ان کے اموال ہتھیالئے۔ جب غازان والے سال مسلمانوں کو شکست ہوئی، تو انہوں نے گھوڑے، اسلحہ اور قیدی چھین کر انہیں قبرص میں کفار اور عیسائیوں کے ہاتھ بیچ دیا۔ وہ راستے سے گزرنے والے سپاہیوں کو بھی پکڑ لیتے اوروہ مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ دشمن ثابت ہوئے۔ ان کے بعض امراء نے عیسائیوں کا جھنڈا بلند کر کے پوچھا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں سے کون بہتر ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: عیسائی۔ پھر پوچھا گیا: قیامت کے دن تم کس کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے؟ تو انہوں نے کہا: عیسائیوں کے ساتھ۔ مزید انہوں نے مسلمانوں کے بعض شہر بھی ان کے حوالے کر دیئے۔ اس سب کے باوجود، جب حکام نے ان پر حملے کے بارے میں مشورہ کیا تو میں نے حملے کے جواز میں ایک تفصیلی جواب لکھا۔ پھر ہم ان کے علاقے کی طرف گئے اور ان کی ایک جماعت

میرے پاس حاضر ہوئی، میرے اور ان کے درمیان مناظرے اور مذاکرات ہوئے جن کی تفصیل بہت طویل ہے۔ بعد میں جب مسلمانوں نے ان کا شہر فتح کر لیا اور مسلمانوں کو ان پر غلبہ حاصل ہوا، تو میں نے انہیں قتل کرنے اور قیدی بنانے سے روکا، اور ہم نے انہیں مسلمانوں کے شہروں میں الگ الگ بسا دیا تاکہ وہ اکٹھے نہ رہ سکیں۔"(۱)

اپنے دور کے امامِ اہل سنت کا یہ فتویٰ واضح کرتا ہے کہ اہل سنت ہمیشہ اس حق کی پیروی کرتے ہیں جس کے ساتھ پروردگار نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا۔ چنانچہ وہ کسی بھی شخص کی رائے یا مخالفت کی بنیاد پر فوراً تکفیر نہیں کرتے۔ بلکہ اہل سنت وہ ہیں جو حق کو سب سے زیادہ سمجھتے ہیں اور مخلوق پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں، برخلاف ان لوگوں کے جو اپنی خواہشات کے غلام بن کر کوئی نیا نظریہ ایجاد کر لیتے ہیں پھر جو ان کی مخالفت کرے اسے کافر قرار دے دیتے ہیں۔

(۱) منہاج السنہ، جلد ۳، صفحہ ۳۹۔

ملاں علی قاری نے فرمایا: ''جو شخص صحابہ کرام میں سے کسی کو برا بھلا کہے تو وہ بالاجماع فاسق اور بدعتی ہے، سوائے اس کے کہ وہ اسے جائز سمجھے جیسا کہ بعض شیعہ اور ان کے ہم خیالوں کا عقیدہ ہے، یا اس پر ثواب ملنے کا عقیدہ رکھے جیسا کہ ان کا وتیرہ اورطرزِ تکلم ہے، یا صحابہ کرام اور اہل سنت کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھے تو ایسا شخص بالاجماع کافر ہے۔''(۱)

لیکن تکفیر کے معاملے میں اہل سنت کے منہج کے مطابق اس بات کا لحاظ رکھناضروری ہے کہ اگرچہ گمراہ کن کفریہ اقوال و اعمال دیکھ کر ان پر کفر کا حکم لگایا جاتا ہے لیکن کسی خاص شخص کو کافر قرار دینا اور یہ فیصلہ کرنا کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا صرف اس صورت میں ممکن ہے جب تکفیر کی تمام شرائط پوری ہوں اور اس کے سامنے کوئی رکاوٹ یا ممانعت باقی نہ ہو۔ اسی لیے ہم وعدے، وعید، تکفیر اور تفسیق کی نصوص کا عام طور پر اطلاق ضرور کرتے ہیں مگر کسی مخصوص شخص پر یہ عام حکم اس وقت تک لاگو نہیں کیا جاسکتاجب تک وہ تمام شرائط پوری نہ ہوں اور ان کے مخالف کوئی دلیل بھی نہ ہو۔

(۱) شم العوارض فی ذم الروافض ۔ورقہ نمبر ۶ اِ (قلمی نسخہ)۔

اسی لیے علماء اس شخص کو فوراً کافر نہیں کہتے جو کسی حرام چیز کو اس لیے حلال سمجھ بیٹھے کہ وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہو یا اس نے دور دراز کہیں دیہات میں پرورش پائی ہو۔ کیونکہ کفر کا حکم صرف اس وقت لاگو ہوتاہے جب پیغام وآگاہی پہنچ جائے۔کیوں کہ ایسے بھی لوگ ہو سکتے ہیں جن تک اپنی رائے کے برخلاف نصوص نہ پہنچی ہوں، اور وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اسی پیغام کے ساتھ بھیجے گئے ہیں۔ لہٰذا، مطلق طور پر کہاجاسکتا ہے کہ یہ کفریہ قول ہے۔ اوراس شخص پر تکفیر کا حکم لاگو ہوگا جس پر ایسی واضح حجت پوری ہو جائے جس کا تارک انسان کافر ہو جائے، وگرنہ ہر کسی پر تکفیر کا حکم لاگو نہیں ہوگا۔(۱)

اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے نبی محمد ﷺ پر، ان کی آل اور ان کے تمام صحابہ پر، اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔

---

(۱) اس مسئلے کی تفصیل کے لیے دیکھیں: مجموع الفتاویٰ از ابن تیمیہ، جلد ۱۲، صفحہ ۴۶۶،اور اس کے بعد والے صفحات: جلد ۲۳، صفحہ ۳۴۵،اوراسی طرح اس کے بعد والے صفحات۔

فہرست موضوعات

مقدمہ ۴

پہلا باب : تاریخ اور اصل بنیادیں ۷

○ پہلی فصل : شیعہ کی تعریف ۸

پہلا مبحث: شیعہ کی لغوی تعریف ۸

دوسرا مبحث: تاریخِ اسلامی میں لفظِ "شیعہ" کا استعمال: ۹

تیسرا مبحث: شیعہ کی اصطلاحی تعریف : ۱۰

○ دوسری فصل : شیعیت کی ابتدا اور اس کا تاریخی پسِ منظر ۱۳

پہلا مبحث: تشیع کے آغاز سے متعلق شیعہ کا نقطۂ نظر ۱۳

دوسرا مبحث: تشیع کی ابتدا سے متعلق درست موقف: ۱۹

○ تیسری فصل : شیعہ کے مختلف فرقے ۲۴

پہلا مبحث: یہ تفرقہ بازی اور اختلافات کیوں؟ ۲۷

دوسرا مبحث: نمایاں معاصر شیعہ فرقے: ۲۸

تیسرا مبحث : شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے القاب: ۳۱

چوتھا مبحث: اس فرقہ بندی سے متعلق شیعہ کا موقف: ۳۶

پانچواں مبحث: اثنا عشریہ کے فرقے اور گروہ: ۳۸

دوسرا باب : عقائد و نظریات. ۴۵

○ پہلی فصل : اسلامی مصادر سے متعلق شیعی عقائد ۴۶

پہلا مبحث: شیعہ کا قرآن کے بارے میں عقیدہ: ۴۶

دوسرا مبحث: سنتِ نبوی کے بارے میں ان کا عقیدہ: ۶۱

تیسرا مبحث: اجماع کے بارے میں شیعی عقیدہ ۸۸

○ دوسری فصل : ارکانِ ایمان سے متعلق شیعہ کا عقیدہ ۹۱

پہلا مبحث: اللہ کی توحید کے بارے میں ان کا عقیدہ: ۹۲

دوسرا مبحث: فرشتوں پر ایمان کے بارے میں اُن کا عقیدہ: ۱۰۴

تیسرا مبحث: آسمانی کتابوں پر ایمان کے بارے میں اُن کا عقیدہ: ۱۰۸

چوتھا مبحث: رسولوں پر ایمان کے بارے میں اُن کا عقیدہ: ۱۰۹

پانچواں مبحث: یومِ آخرت پر ایمان کے بارے میں ان کا عقیدہ: ۱۱۳

چھٹا مبحث: ایمان بالقدر سے متعلق ان کا عقیدہ : ۱۱۸

○ تیسری فصل : شیعہ کے منفرد اور خاص اصول وعقائد ۱۲۰

پہلا مبحث: امامت: ۱۲۰

دوسرا مبحث: ائمۂ کرام کا معصوم ہونا ۱۶۷

تیسرا مبحث : تقیہ ۱۷۹

چوتھا مبحث : مہدیت اور غائب ہونا: ۱۸۵

پانچواں مبحث : رجعت ۲۰۱

چھٹا مبحث: ائمہ کاظہور : ۲۰۸

آٹھواں مبحث : طینہ (مٹی): ۲۱۴

تیسرا باب : دورِ جدید کی حقیقت ۲۲۲

○ پہلی فصل : عصرِ حاضر کے شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق ۲۲۳

پہلا مبحث : مصادرِ تلقی کے ساتھ ان کا تعلق: ۲۲۳

دوسرا مبحث: قدیم فرقوں کے ساتھ ان کا تعلق: ۲۲۹

○ دوسری فصل : آیت اللہ حضرات کی ریاست وحکومت ۲۴۱

پہلا مبحث: اس کے بانی کےافکار ونظریات: ۲۴۴

دوسرا مبحث: خمینی کے بارے میں شیعہ کا غلو: ۲۸۵

تیسرا مبحث: آیات حضرات کی ریاست کاآئین: ۲۸۹

○ تیسری فصل : اسلامی دنیا میں شیعہ کا اثرو رسوخ ۲۹۳

پہلا مبحث: اعتقادی اور فکری میدان میں ان کے اثرات: ۲۹۵

دوسرا مبحث: سیاسی میدان میں ان کے اثرات: ۳۰۳

تیسرا مبحث : سماجی میدان: ۳۰۷

چوتھا مبحث: معاشی میدان: ۳۱۹

○ چوتھی فصل : صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کرنے والوں کے بارے میں علماء کے اقوال ۳۲۵